

مجموعہ قوانین اسلام

جلد اول

عَلَيْهَا إِخْرَاجُكُمْ عَلَى النَّفْسِ

قَبْلِنَا نَسْنَا وَلَا نَجْعَلُنَا إِلَّا مَقَامًا لَنَا

بِهِمْ وَأَخْفَ بَعَثْنَا وَارْتَبْنَا وَارْتَبْنَا

مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ

سُورَةُ الْعَمَّارِ يَا أَيُّهَا الْمَدِينَةُ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ڈاکٹر تنزیل الرحمن

ادارہ تحقیقات اسلامی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی - اسلام آباد



مجموعۃ قوانین اسلام

جلد اول

قانون ازواج

(نکاح - مہر - نفقہ)

ڈاکٹر تنزیل الرحمن

ایم۔ اے۔ ایل۔ بی۔ پی۔ ایچ۔ ڈی



ادارہ تحقیقات اسلامی

الجامعة الاسلامیة العالمیة

اسلام آباد - (پاکستان)

جملہ حقوق بحق ادارہ تحقیقات اسلامی - اسلام آباد محفوظ ہیں۔

اس کتاب کا کوئی حصہ ناشر کی تحریری اجازت کے بغیر کسی بھی شکل میں شائع نہ کیا جائے، البتہ تحقیقی مقاصد یا تبصرے کی غرض سے ضروری اقتباسات نقل کیے جاسکتے ہیں۔

سلسلہ مطبوعات نمبر ۵ (۶)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ لائبریری، ادارہ تحقیقات اسلامی

کوائف فہرست سازی دوران طباعت

ڈاکٹر تنزیل الرحمن

مجموعہ قوانین اسلام، جلد اول: قانون ازدواج

(ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد)

کتابیات: ۳۲۹-۳۳۱

اشاریہ: ۳۳۲-۳۳۴

۲- قانون ازدواج - پاکستان

۱- فقہ اسلامی

ب- عنوان: قانون ازدواج

۱- عنوان

ج ۱

340.59

اشاعت اول ۱۹۶۵ء، اشاعت دوم ۱۹۸۱ء، اشاعت سوم ۱۹۸۷ء، اشاعت چہارم ۲۰۰۰ء

اشاعت پنجم ۲۰۰۳ء، اشاعت ششم ۲۰۱۳ء

ISBN: 969-408-005-3

طابع و ناشر: ادارہ تحقیقات اسلامی - اسلام آباد

چیف جسٹس پاکستان ، عالی مرتبت جناب جسٹس اے۔ آر۔ کارلہس

کے نام

جن کی تقریریں پاکستان میں اسلامی قانون کی ترویج و نفاذ
کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں

ہگیر این ہمہ سرمایہ بہار از من
کہ گل ہدست تو از شاخ تازہ تر مالد

* منجانب مؤلف کتاب - (اشاعت اول ۱۹۶۵)

* ہدیہ شکر

سپریم کورٹ پاکستان کے جج، محترم و مکرم جناب ڈاکٹر جسٹس ایس۔ اے۔ رحمن ملک کی ہر دل عزیز و مایہ ناز شخصیت ہیں۔ مجھے یہ افتخار حاصل رہا ہے کہ موصوف نے اس ناچیز کی علمی و ادبی کاوشوں کو ہمیشہ سراہا ہے۔

موصوف نے اس کتاب کی تالیف و تدوین میں ابتدا ہی سے میری رہنمائی فرمائی، پورا مسودہ دیکھا اور بیش بہا مشوروں سے نوازا۔ موصوف کا فیضان شامل حال نہ ہوتا تو یہ کتاب شاید وجود میں نہ آتی۔

آن کی خدمت میں تہ دل سے ہدیہ شکر پیش کرتا ہوں۔

کس منہ سے شکر کیجیے اس لطف خاص کا
ہر سس ہے، اور ہائے سخن درمیاں نہیں

* منجانب مؤلف کتاب (۱۹۶۵ء)

پیش لفظ اشاعت سوم

ہمارے لئے یہ امر موجب مسرت و افتخار ہے کہ مجموعہ قوانین اسلام کے سلسلہ کو علماء و فضلاء، ماہرین قانون اور عام قارئین میں یکساں قبول عام حاصل ہوا۔ اس سلسلے کی پہلی جلد جولائی ۱۹۶۵ء میں شائع کی گئی تھی۔ یہ جلد دس ابواب پر مشتمل تھی جن میں اسلامی ضابطہ ازدواج کے مختلف پہلوؤں پر صراحت سے روشنی ڈالی گئی تھی۔ مارچ ۱۹۸۱ء میں اس جلد کے اسی ایڈیشن کو دوسری بار بلا ترمیم و اضافہ شائع کیا گیا۔ اب بحمدہ تعالیٰ اس کتاب کی تیسری اشاعت کا مرحلہ آیا تو یہ مناسب خیال کیا گیا کہ کتاب کی علمی افادیت میں مزید اضافہ کیلئے کتاب کے آخر میں دینے گئے اشاریوں کو مزید وسعت دی جائے چنانچہ مضامین کے اشاریہ کے ساتھ شخصیات و مقامات کا اشاریہ بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ اس بدیہی ضرورت کا احساس موجود تھا کہ اعلیٰ عدالتوں کے فیصلوں کے نظائر کو اس اشاعت کی تاریخ تک مکمل کر دیا جائے۔ مگر اس خواہش کی تکمیل موجودہ اشاعت میں غیر معمولی تاخیر کا باعث بن سکتی تھی۔ اس لئے فی الحال ہم زیر نظر جلد کو اسی شکل میں پیش کرنے پر اکتفا کر رہے ہیں۔ ان شاء اللہ العزیز آئندہ اس سلسلے کی تمام جلدوں کا ایک جامع اشاریہ شائع کرنے کا اہتمام کیا جائے گا۔

جلد میں فاضل مؤلف کی طرف سے جناب جسٹس (ریٹائرڈ) اے۔ آر۔ کارنیلس (A. R. Cornelius) کے نام انتساب بھی شامل تھا جو اس وقت پاکستان کی عدالت عظمیٰ (سپریم کورٹ آف پاکستان) کے چیف جسٹس تھے۔ اور ۲۲ فروری ۱۹۶۸ء کو اس عہدہ جلیلہ سے ریٹائرڈ ہوئے۔ انتساب سے متصل مؤلف کی طرف سے جناب ڈاکٹر ایس اے رحمان کی خدمت میں چند سطور پر مشتمل ہدیہ تشکر اور اسی اشاعت میں جناب جسٹس ایس اے رحمان صاحب کی طرف سے ایک مختصر مگر فاضلانہ پیش لفظ بھی شامل تھا۔ مرحوم جسٹس رحمان اس وقت سپریم کورٹ کے جج کے منصب پر فائز تھے۔ ۴ جون ۱۹۶۸ء کو عدالت عظمیٰ کے چیف جسٹس کی حیثیت سے ریٹائرڈ ہوئے اور ایک بھرپور علمی و ادبی و منصبی زندگی گزارنے کے بعد ۱۴ فروری ۱۹۷۹ء کو اس دارفانی سے رحلت فرمائی۔ یہ سب مواد مؤلف کے مفصل اور معلوماتی مقدمہ اور ادارہ تحقیقات اسلامی کے اس وقت کے ڈائریکٹر ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب کے دیباچہ سمیت اسی طرح بغیر کسی تبدیلی کے شامل اشاعت ہے۔

اب تک اس سلسلے کی پانچ مزید جلدیں مختلف اوقات میں زیور طبع سے آراستہ ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے :

جلد دوم۔ قانون طلاق۔ ۱۹۶۵: ۱۹۷۶ (بار دوم) : ۱۹۸۴

(بار سوم)۔

جلد سوم۔ قوانین نسب اولاد، حضانت، نفقہ اولاد و آباء، ہبہ

اور وقف ۱۹۶۹:۱۹۶۶ (بار دوم): ۱۹۸۵ (بار سوم)۔

جلد چہارم۔ قانون وصیت۔ ۱۹۶۳: ۱۹۸۱ (بار دوم)۔

جلد پنجم۔ قانون وراثت۔ ۱۹۶۸: ۱۹۸۵ (بار دوم)۔

جلد ششم۔ قانون شفعہ۔ ۱۹۸۱

ہمیں توقع ہے کہ ادارہ تحقیقات اسلامی کی یہ علمی پیشکش ارباب علم اور قانون کے پیشہ سے وابستہ احباب کیلئے یکساں مفید ثابت ہوگی۔

وآخر دعویٰ ان الحمد للہ رب العالمین۔

ڈاکٹر شیر محمد زمان

ڈائریکٹر جنرل

ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

۲۱ شعبان ۱۴۰۰ھ۔ ۲۰ اپریل ۱۹۸۸ء

پیش لفظ

عالی جناب جسٹس ایس۔ اے۔ رحمن صاحب
جج، سپریم کورٹ، پاکستان

پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا۔ ملک کے دستور اساسی میں اس حقیقت کا اعتراف صریح الفاظ میں موجود ہے۔ وضع قوانین کے ضمن میں جن اصولوں کو اس آئینی دستاویز میں شامل کیا گیا ہے، ان میں اولیت اس قاعدہ کلیہ کو دی گئی ہے کہ کوئی ملکی قانون اسلام کے منافی نہیں ہوگا۔ لہذا اہل علم کا یہ قومی اور ملی فریضہ قرار پاتا ہے کہ وہ موجودہ ملکی قانون کا جائزہ لیں تاکہ مناسب رد و بدل کے بعد، اسے اسلامی سانچے میں ڈھالا جا سکے۔ ترمیم و اصلاح کا یہ کام اہم بھی ہے اور نازک بھی۔ ایک طرف تو روایت پرست علماء کا طبقہ ہے جو اپنے ائمہ کے اقوال میں شوشہ بھر تبدیلی روا نہیں رکھتے اور ان کی آراء کو پتھر کی لکیر سمجھتے ہیں۔ ان کی دانست میں دین اپنی تمام جزئیات کے ساتھ مدت مدید سے اپنی آخری صورت اختیار کر چکا ہے اور اس میں مزید تفکر و تفقہ کی گنجائش نہیں۔ یہ طبقہ عموماً علوم جدیدہ کی مبادیات سے بھی نا آشنا ہے اور عصر جدید کے تقاضوں سے بے خبر۔ اسلاف کے صحیفوں سے سرمو اختلاف ان کی نظر میں کفر کے مترادف ہے۔ دوسری طرف وہ جدت پسند طبقہ ہے جو مغرب کی خیرہ کن مادی ترقی سے مرعوب ہے اور دبستان جمود کے خلاف رد عمل میں دین بیزاری کی حد تک پہنچ چکا ہے۔ یہ طبقہ اشتراکی کوچہ گردوں کا ہم نوا بن کر ”مذہب“ کو فطری ارتقاء کے راستے کا روڑا سمجھتا ہے۔ اس کے نزدیک لادینی مملکت ہی ہمارے تمام دکھوں کا مداوا ہے۔

لیکن ان دونوں کے درمیان اعتدال پسندوں کی ایک جماعت بھی موجود ہے، جو زیادہ تر خاموش تماشائی کی حیثیت رکھتی ہے۔ تاہم وہ اس بات کی متمنی ہے

کہ افراط و تفریط کے راستوں کو چھوڑ کر ، اس صراطِ مستقیم پر چلے جو ”فی الدنيا حسنة و فی الآخرة حسنة“ کی منزل مقصود تک پہنچانے کی ضامن ہے۔ یہ جماعت نیک نیتی سے علوم دینیہ میں تحقیق و تدقیق کی حامی ہے تاکہ ائمہٴ اسلاف کے پر وقار کارناموں سے پورا پورا فائدہ اٹھا کر ، قرآن حکیم اور مستند سنت کی روشنی میں ، فقہ اسلامی کی نئی تدوین کی جائے اور اس طرح ہم آج کل کے مسائل سے بوجہ احسن عہدہ برآ ہو سکیں۔ ”اکملت لکم دینکم“ کے ارشاد ربّانی کا مفہوم ان کے نزدیک یہ ہے کہ تغیر پذیر زندگی کے قافلے کو ابدی بنیادی اصول تو عطا کر دیے گئے ہیں تاکہ گم راہی کا سدّ باب ہو جائے لیکن ساتھ ہی ساتھ مرور زمانہ اور موسم حیات کی تبدیلیوں کی مناسبت سے جزئیات زاد راہ کے معاملہ میں اہل قافلہ کو آزاد چھوڑا گیا ہے کہ وقتاً فوقتاً اپنی اجتماعی ضروریات اور ذیلی قواعد میں توافق پیدا کرتے رہیں۔

زیر نظر کتاب اسی سلسلہ تحقیق کی ایک کڑی ہے۔ اس کے مؤلف جناب تنزیل الرحمن نے مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی کی زیر نگرانی اسے ترتیب دیا ہے۔ مؤلف چونکہ عربی زبان جانتے ہیں ، اس لیے وہ اصل عربی ماخذ سے استفادہ کے اہل ہیں۔ بحیثیت ایڈووکیٹ وہ جدید قانونی ادب و مسائل سے بھی بخوبی آشنا ہیں۔ ان کا یہ دعویٰ نہیں کہ جو کچھ انہوں نے قانون ازدواج کے موضوع پر لکھا ہے ، وہ حرفِ آخر ہے۔ لیکن میری نظر میں ، ایک اہم موضوع پر یہ ایک کامیاب کوشش ہے۔ انہوں نے بڑی عرق ریزی سے پرانے مواد کو کھنگالا ہے اور جہاں انہیں قدیم یا جدید نظریات سے اختلاف ہوا ہے ، انہوں نے دیانت داری سے اپنا نقطہ نظر بیان کر دیا ہے۔ ان کی کتاب اسلامی قانون کی ضابطہ بندی کی طرف ایک اہم قدم ہے۔ مجھے امید ہے کہ جس راستہ کی نشان دہی انہوں نے کی ہے ، وہ کاروانِ علم و ذوق کے لیے موجب تشویق ثابت ہوگا اور یوں اس تعمیری فکری تحریک کی بنیاد پڑے گی جس کی اسلامی معاشرہ میں کمی، اپنے اور بیگانے، مدت سے محسوس کر رہے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور کی رو سے مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی کے ذمہ یہ فرض عائد کیا گیا ہے کہ یہ ادارہ اسلامی تحقیقات اور تعلیم کا کام اس طریقے پر انجام دے کہ پاکستانی معاشرے کو ایک صحیح اور حقیقی اسلامی معاشرہ بننے میں موثر و مددگار ثابت ہو۔ جہاں تک تحقیق کا تعلق ہے یہ کام دو سطحوں یا میدانوں میں تقسیم ہو جاتا ہے اور دونوں ہی اپنے اپنے لحاظ سے بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ ایک تو ہے اسلامی افکار و علوم کا میدان (جس میں تاریخ، فلسفہ، سیاسیات وغیرہ سب شامل ہیں) اور دوسرا میدان ہے فقہ یا اسلامی قانون کا۔ فقہ بھی اسلامی علوم و افکار میں ہی شامل ہے لیکن اس کے لیے ایک خاص فنی تخصّص اور مہارت کی بھی ضرورت ہے جس کے لیے قرآن و سنت سے اسلامی احکام کی تخریج کا کام سر انجام پاتا ہے۔ اور چونکہ اسلامی قانون سازی ایک دستوری فرض ہے جو بالخصوص پاکستانی ملت نے اپنے اوپر عائد کیا ہے اس لحاظ سے اس کام کی فوری اور حسی ضرورت ایک جاہرانہ انداز میں سامنے آئی ہے۔

ہمارے معاشرے کے اندر جو نئی طاقتیں کار فرما ہیں مثلاً تعلیم کا عام سے عام تر ہونا، صنعت کاری اور زرعی پیداوار کے نئے طریقے، ان کے معاشرتی نتائج بہت دور رس ہیں اور یہ نئی طاقتیں جو بنیادی طور پر ملت کے لیے خیر اور بھلائی کا پیش خیمہ ہیں روز افزوں ترقی کرتی جا رہی ہیں اور کرتی چلی جائیں گی۔ آئندہ پچاس سال کو تو چھوڑیے، پچیس سال کا عکس ہی پانچسالہ منصوبوں کے آئینے میں دیکھ لیجیے۔ ان وسیع اور عمیق تبدیلیوں کا، جو آنے والی ہیں،

ہمارے لیے آج اندازہ کرنا اور ان کے لیے تیار ہونا از بس ضروری ہے۔ ہم میں سے ایک گروہ اس بات سے مایوسی کا اعلان کر رہا ہے کہ اسلام کے اندر ان نئے حالات سے نمٹنے کی صلاحیت بھی موجود ہے! ایک دوسرا گروہ ان حالات سے دو چار ہونے کی مطلق صلاحیت نہیں رکھتا اور ایک خطرناک حد تک اس بارے میں اپنی قوت ارادی بھی کھوتا نظر آتا ہے۔ یہ اور بھی افسوسناک ہے، اس لیے کہ یہی حضرات اپنے آپ کو ”علماء“ اور علمائے سلف کا جائز وارث سمجھتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں جو تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں اگرچہ یہ اپنی نوعیت میں نئی ہیں لیکن یہ تصور کر لینا بالکل غلط ہے کہ اسلام کی تاریخ میں پہلی ہی بار اتنی تیزی سے اتنی وسیع تبدیلیاں معاشرے میں آرہی ہیں۔ جب مسلمان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلد ہی بعد جزیرہ عرب سے نکل کر برقی تیزی کے ساتھ آس پاس کی دنیا میں بطور فاتح کے پھیلے تو اسی پیمانے پر نئے حالات کا ان کو سامنا کرنا پڑا۔ جزیرہ عرب کی نسبتاً سادہ زندگی سے یک لخت نکل کر نئے تمدنوں کا سامنا کرنا اور ان کو اپنے اندر سمو لینا، ایک عظیم الشان اور پیچیدہ نظام مملکت تعمیر کر لینا، اور نسبتاً ایک قلیل عرصہ میں ایک خیرہ کر دینے والا فقہی نظام استوار کر لینا۔ اور یہ سب کچھ قرآن و سنت کی بنیادوں پر سر انجام دینا۔ ہمارے لیے اپنے اندر ایک مشعل ہدایت رکھتا ہے۔ اس سے دو اہم نتیجے نکلتے ہیں:-

(الف) یہ کہ یہ ابتدائی دور ہمارے لیے قرآن و سنت کے بعد جتنی بنیادی اہمیت کا حامل ہے اتنے بعد کے اور دور نہیں۔ یوں تو یقیناً تمام دوروں کے فقہاء و علماء کرام کا کام ہمیں روشنی دیتا ہے لیکن یہ پہلا دور اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل جدا ہے۔

(ب) یہ کہ جس معنی میں یہ ابتدائی دور ہمارے لیے معنی خیز ہے وہ یہ ہے کہ جس طرح سلف کے اس طبقے نے اپنے مسائل کو قرآن و سنت کی روشنی میں حل کیا اسی طرح ہمیں بھی اپنے نئے مسائل حل کرنے چاہئیں۔ چونکہ۔۔۔ جیسے ہم کہہ چکے ہیں۔ ہمارے

نئے مسائل کی نوعیت مختلف ہے لہذا ان کے حل بھی مختلف ہوں گے لیکن ان کو حل کرنے کا منہاج سلف کے اس دور کا سا ہو گا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ فقہ اسلامی کی تدوین نو کا کام بہت بنیادی نوع کا ہوگا اور سطحیت سے بہت گہری تاریخی اور تعبیری تحقیق و فکر کا نتیجہ ہو گا۔ اس کام کے لیے ظاہر ہے کہ فنی مہارت، فکری عمق اور تاریخی گیرائی کے علاوہ عربی زبان کا علم ضروری ہے۔ اگر ہم ایسا کام کرنے میں (خدا نخواستہ) ناکام رہتے ہیں اور محض سطحیات یا پروپیگنڈے میں پھنس کر رہ جاتے ہیں تو مجھے پورا یقین ہے کہ ہم اسلامی روح اور صحیح اسلامی اداروں کی بقا کے ضامن نہیں ہو سکتے۔ اسلامی معاشرے کی حیثیت سے مستقبل میں ہمارا استحکام حقیقی اسلامی روح اور صحیح اسلامی اداروں کی بقا کے ساتھ ہی وابستہ ہے۔ ان اداروں میں جو اسلامی روح کو اپنے اندر لیے ہوئے ہیں ایک بنیادی ادارہ عائلی زندگی کا ہے جس کے بغیر کوئی صالح معاشرہ قائم نہیں رہ سکتا اور تہذیب و تمدن بربریت میں بدل جاتے ہیں۔ چاہے وہ قبل از تاریخ وحشیوں کی بربریت ہو یا مادی طور پر ترقی یافتہ قوموں کی بربریت۔

ان ملاحظیات کی روشنی میں ہم عائلی زندگی پر اسلامی قوانین کی پہلی جلد قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ جناب تنزیل الرحمن صاحب کی اس کتاب کو میں نے لفظ بلفظ پڑھا ہے۔ میں فاضل مصنف کی علمی تحقیق، جانفشانی اور اخلاص سے بہت متاثر ہوا اور مجھے قوی امید ہے کہ انشاء اللہ یہ کتاب ہماری مقننہ کے لیے، قانون دانوں کے لیے اور عام تعلیم یافتہ طبقے کے لیے مفید ثابت ہو گی۔ اسلامی قانون پر ادارے کی یہ پہلی کتاب ہے۔ ہم کچھ کچھ وقفے کے بعد انشاء اللہ اسلامی قانون پر اور تحریریں اور کتابیں ملت کے سامنے پیش کرتے جائیں گے جو ہمارے ایک جامع منصوبے کے تحت لکھی جا رہی ہیں۔ ولہ الحمد۔

(ڈاکٹر) فضل الرحمن

کراچی۔

ڈائریکٹر، مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی

مورخہ ۳ شوال، ۱۳۸۴ ہجری

مطابق ۶ جنوری، ۱۹۶۵ ع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمہ

مغربی فلاسفہ اور ماہرین قانون اس نظریے کے حامل نظر آتے ہیں کہ انسانی معاشرہ میں بیک وقت قانون اور اخلاق کے دو معیاری نظام (Normative System) پائے جاتے ہیں اور یہ دونوں نظام بعض مقامات پر ایک دوسرے سے قریب ہو جاتے ہیں لیکن بعض مقامات پر ایک دوسرے سے ہم آہنگ نہیں ہو پاتے۔ چنانچہ کانٹ (Kant) نے قانون اور اخلاقیات کے فرق کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قانون ہمارے خارجی طرز عمل (External Conduct) کو تجویز (Prescribe) کرتا ہے اور اخلاق (Morality) ہمارے داخلی طرز عمل کو متعین کرتا ہے۔ اسی طرح مشہور انقلابی مفکر کیلسن (Kelsen) اخلاقی تصورات کو قانون میں سمو دینے کا سخت مخالف ہے اس کے خیال میں اخلاقیات محض ایک موضوعی (Subjective) چیز ہے اس لیے اس کو قانون کے سائنسی مطالعہ میں بحیثیت معروضی حقیقت (Objective Phenomenan) کے شامل نہیں کیا جا سکتا۔ کیلسن کی یہ رائے دراصل مجرد قانون (Pure Law) کے نظریے پر مبنی ہے۔

اسلامی قانون کا نظریہ اس سے مختلف ہے۔ اسلامی قانون اپنے اندر مذہبی اور اخلاقی نظام سموئے ہوئے ہے۔ چونکہ اسلام ایک مذہب کی حیثیت سے قانون کے دائرہ کار کو بھی منضبط کرتا ہے اس لیے اسلامی قانون ایک ایسے ہدایتی عنصر کا مالک ہے جو اپنے مزاج کے اعتبار سے دوسرے قوانین سے مختلف ہے اور اس خصوصیت میں دنیا کا کوئی دوسرا مذہب اس کا حریف نہیں۔

اسلامی قانون کا اصل مبداء اور سرچشمہ خداوند تعالیٰ کی ذات ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ اور خلفائے راشدین (۱۱ تا ۴۰ ہجری) کے دور خلافت میں اس کی جڑیں مضبوط ہوئیں اور بنو امیہ (۴۱ تا ۱۳۲ ہجری)

اور بنو عباس (۱۳۲ تا ۶۵۶ ہجری) کے عہد میں قانون دانوں کی انفرادی کوششوں کے سبب اس کا ارتقاء عمل میں آیا، جو اپنے زمانے کے مجموعی رجحانات کا آئینہ دار ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد تقریباً ڈیڑھ سو سال تک مقدمات کے فیصلے قرآن پاک اور سنت نبوی کی براہ راست روشنی میں کیے جاتے تھے۔ جن معاملات میں قرآن پاک یا سنت نبوی میں کوئی حکم موجود نہ ہوتا، خلفاء راشدین کے فیصلوں اور صحابہ کرام کے آثار سے امداد لی جاتی تھی۔ اگر ایسا ممکن نہ ہوتا تو اجتہاد کو رو بہ عمل لایا جاتا تھا۔ لیکن کسی باضابطہ مجموعہ قوانین کے نہ ہونے کے سبب انفرادی اجتہادات اور فتووں سے احکام میں اختلاف اور بے ضابطگی پیدا ہو رہی تھی۔ اس کی جانب سب سے پہلے ابن المقفع (متوفی ۱۴۴ ہجری) نے جو اپنے علم و فضل کے سبب عہد عباسی میں خاص شہرت رکھتا تھا، خلیفہ وقت ابو جعفر منصور (متوفی ۱۵۸ ہجری) کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں ایک ایسے مجموعہ قوانین کی تدوین کی ضرورت پر زور دیا جو ساری سلطنت میں نافذ کیا جا سکے لیکن بعض مصالح کی بناء پر ابن المقفع کی یہ تجویز عملی جامہ نہ پہن سکی۔

دوسری صدی ہجری کے ربع ثانی میں امام ابو حنیفہ اور ان کی جماعت نے تدوین فقہ کے عظیم الشان کام کی بنیاد ڈالی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ علم فقہ نے حیرت انگیز ترقی کی اور فقہ کی کتابیں لکھی جانے لگیں۔ لیکن اس کا ایک اثر یہ بھی ہوا کہ قاضی قرآن و سنت سے براہ راست احکام مستنبط کرنے کی بجائے کتب فقہ کی طرف رجوع کرنے لگے۔ فقہ کے احکام منتشر تھے اس پر طرہ یہ کہ مختصر متون کی شرحیں اور شرحوں کی شرحیں، حاشیے اور ضمیمے اور تنقیدی مضامین کا ایک ایسا طولانی سلسلہ قائم ہو گیا کہ ایک قاضی کے لیے یہ امر نہایت دقت طلب بن گیا کہ وہ کتب فقہ کے انبار میں اصل مسئلہ کی تلاش و جستجو کر کے صحیح حکم معلوم کر لے۔ ایک مسئلہ میں ائمہ اور فقہاء کے متعدد اقوال میں سے راجح قول

معلوم کرنا اور بھی مشکل تھا ، اور یہ امر کہ کون سا قول مفتی بہ ہے اور کس مسئلہ میں اجاع ہے ، معلوم کرنا ہر ایک قاضی کے بس کی بات نہ تھی ۔

مسلم ہندوستان :

گیارہویں صدی ہجری میں اورنگ زیب عالمگیر نے اپنی تخت نشینی کے چار سال بعد ایک شاہی فرمان کے ذریعے فقہ اسلامی کو مدون کرنے کا حکم جاری کیا ۔ چنانچہ ملک کے اطراف و اکناف سے علماء اور فضلاء کا انتخاب کر کے ایک بورڈ بنایا گیا جس کے صدر نظام الدین برہان پوری تھے ۔ علماء کی اس جماعت نے آٹھ سال کی مدت میں کافی جستجو اور محنت و کاوش کے بعد موضوعات اور مباحث کے لحاظ سے حنفی مذہب کے مطابق عبادات ، مناکجات ، معاملات اور عقوبات سے متعلق چھ جلدوں پر مشتمل فقہی مسائل کا ایک جامع مجموعہ تیار کر دیا جو ” فتاویٰ عالمگیری “ کے نام سے مشہور ہے ۔ اورنگ زیب عالمگیر کا یہ اقدام تدوین فقہ اسلام کی پہلی کامیاب اور باضابطہ کوشش تھی ۔

ترکی :

مغربی ممالک کی قانون سازی کے طرز پر تدوین فقہ اسلام کی دوسری باضابطہ کوشش اٹھارویں صدی عیسوی میں کی گئی جب کہ سلطان ترکی نے ایک حکم کے ذریعہ ۱۸۶۹ ع میں دیوانی قانون مرتب کرنے کے لیے سعادت پاشا کی سرکردگی میں ایک کمیٹی تشکیل کی ۔ اس کمیٹی نے ۱۸۷۶ ع میں ترکی کے لیے ” مجلۃ الاحکام العدلیہ “ کے نام سے اسلامی دیوانی قانون مرتب کیا جو عام طور پر ” مجلہ “ کے نام سے مشہور ہوا ۔ یہ مجلہ بیع ، اجارہ ، کفالت ، تحویل ، رہن ، امانت ، ہبہ ، غصب ، شفع ، شراکت ، کارندگی ، تصفیہ و ابراء ، اقرار ، دعویٰ ، شہادت و تحلیف اور قضاء سے متعلق ۱۸۵۱ دفعات پر مشتمل ہے جس کو ۱۹۲۶ ع تک ترکی میں قانونی حیثیت حاصل رہی ۔ (افسوس کہ کمال اتاترک کے لائے ہوئے انقلاب کے بعد ۱۹۲۶ ع میں ترکی حکومت نے سوئٹزر لینڈ کے قوانین اپنانے کا فیصلہ کیا اور مجلہ کو منسوخ کر دیا گیا ۔ البتہ ” مجلہ “ آج کل ترمیم شدہ صورت میں فلسطین ،

عراق، شام اور شرق اردن میں نافذ ہے)۔

دیوانی قانون کے علاوہ حکومت ترکی نے ۱۹۱۷ء میں قانون نکاح و طلاق وضع کیا جو ”حقوق العائلہ“ کے نام سے مشہور ہے۔ اگرچہ یہ قانون حنفی مذہب کے مطابق تھا لیکن نکاح بالجبر، طلاق بالجبر اور طلاق بحالت نشہ کے مسائل میں مالکی مذہب کا اتباع کیا گیا۔

مصر:

بیسویں صدی کے ربع اول میں اسلامی قانون کی ضابطہ بندی نے ایک تحریک کی شکل اختیار کر لی۔ اس تحریک میں مصر کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔ مصر میں شخصی قانون کی تدوین کا کام سب سے پہلے ۱۹۱۵ء میں شروع ہوا جس کے لیے چاروں مذاہب کے علماء پر مشتمل ایک بورڈ بنایا گیا۔ اس بورڈ نے چھ سال کی محنت سے ایک مسودہ قانون مرتب کیا لیکن جب وہ مسودہ قانون شائع کیا گیا تو ہر طرف سے اعتراضات کیے گئے اور حکومت نے اسے بحیثیت قانون نافذ کرنے کا خیال ترک کر دیا۔

۱۹۲۰ء میں حکومت مصر نے پھر ایک کمیشن مقرر کیا جس میں شیخ الازھر، ریس المحکمة العالیة الشرعیہ اور مفتی مصر وغیرہ شامل تھے۔ اس کمیشن نے اسی سال عائلی قانون سے متعلق چند امور کے بارے میں بطور اصلاح اپنی سفارشات پیش کر دیں جن کو بحیثیت قانون نافذ کر دیا گیا۔ اس قانون سے قبل مصر میں ضابطہ تنظیم عدالت ہائے شرعیہ مجریہ ۱۹۱۰ء کی دفعہ ۲۸۰ کے تحت شخصی معاملات میں امام ابوحنیفہ کے ”مفتی بہ“ اقوال پر عمل درآمد ہوتا تھا۔ لیکن ۱۹۲۰ء کے اس قانون کے ذریعہ اس دفعہ میں ترمیم کر دی گئی اور نان نفقہ، عدت، اور مفقودالخبر شوہر کے مسائل میں امام مالک و امام شافعی کے مذاہب کے مطابق عمل درآمد کیا جانے لگا۔ مثلاً

(۱) حنفی فقہ کی رو سے عورت شوہر سے زمانہ گزشتہ کے نفقہ کا مطالبہ

نہ کر سکتی تھی الا یہ کہ وہ مطالبہ عدالت کی کسی ڈگری کی بناء پر ہو یا باہم ایسی کوئی قرار داد موجود ہو۔ قانون مذکورہ کے ذریعے شافعی فقہ کی پیروی میں زوجہ کے نفقہ کو ایک قرض قرار دیا گیا اور جس وقت سے شوہر انکاری ہو قابل ادا قرار دیا گیا۔

(۲) اسی طرح اگر مرد عورت کو نفقہ دینے سے عاجز ہو تو عورت کو طلب تفریق کا اختیار دیا گیا نیز عورت کو شوہر کے مستقل مرض کے سبب جس سے چھٹکارا ممکن نہ ہو یا جس کے اچھے ہونے میں ایک طویل عرصہ درکار ہو، مالکی مذہب کے اتباع میں، طلب تفریق کا اختیار دیا گیا۔

(۳) اسی طرح شوہر کے چار سال تک مفقودالخبر رہنے کی صورت میں زوجہ کو طلب تفریق کا حق دیا گیا۔

قانون مذکورہ بالا کے بعد ۱۹۲۹ ع میں حکومت مصر نے ایک اور قانون منظور کیا جس میں طلاق بحالت نشہ اور طلاق جبریہ کو باطل اور طلاق بالکناہ کو غیر نافذ قرار دیا گیا الا یہ کہ طلاق دینے والے کی نیت طلاق ہو۔ نیز سوائے طلاق قبل دخول اور طلاق علی المال یعنی خلع اور تین طلاقوں کے، جن کی تکمیل تین طہروں میں کی گئی ہو، ہر طلاق کو طلاق رجعی قرار دیا گیا نیز شوہر کے ایک سال سے زائد مفقودالخبر ہونے یا تین سال سے زائد قید کی صورت میں زوجہ کو طلب طلاق کا حق دیا گیا۔ نسب اولاد، نفقہ، عدت، مہر، حضانت (Custody of Children) وغیرہ کے بارے میں بھی اسلامی قانون کی ضابطہ بندی کی گئی۔

۱۹۴۳ ع میں قانون میراث، اور ۱۹۴۶ ع میں قوانین وقف و وصیت نافذ کیے گئے جس کے بعض احکام حنفی مذہب سے مختلف ہیں۔ مختصر یہ کہ مصر میں مکمل عائلی قانون، "احکام الشرعیة فی الاحوال الشخصیة" کے نام سے دفعہ وار مدون شکل میں موجود ہے۔

شام :

شام میں ۱۳۳۶ ہجری میں فوری ضروریات کے تحت چند امور میں چاروں مذاہب سے احکام اخذ کیے گئے اور بغرض اصلاح انہیں قانون کی شکل دی گئی۔ ان احکام میں تنگی نفقہ اور شوہر کے مرض کہنہ مثلاً جنون، جذام، اور سل وغیرہ کے لاحق ہو جانے پر عورت کو طلب تفریق کا اختیار دیا گیا۔ نیز شوہر کے عام حالات میں چار سال تک اور زمانہ جنگ میں ایک سال تک مفقودالخبر رہنے کی صورت میں طلب تفریق کا اختیار دیا گیا۔

۱۷ ستمبر ۱۹۵۳ء کو ”قانون الاحوال الشخصیہ“ کے نام سے دفعہ وار شکل میں مرتب شدہ شخصی قانون نافذ کر دیا گیا۔ اس قانون کے ذریعہ اہلیت نکاح کی عمر کا تعین کر دیا گیا جو لڑکی کے لیے ۱۷ سال اور لڑکے کے لیے ۱۸ سال رکھی گئی لیکن اس امر کی گنجائش رکھی گئی کہ اگر لڑکی ۱۴ سال کی ہو اور لڑکا ۱۵ سال کا ہو اور دونوں نکاح کرنا چاہیں اور ان کے ولی معترض نہ ہوں تو قاضی انہیں نکاح کرنے کی اجازت دے سکتا ہے، بشرطیکہ وہ جسمانی اعتبار سے مشقت جماع کے متحمل ہو سکتے ہوں۔ نکاح کے لیے قاضی سے اجازت لینا ضروری قرار دیا گیا نیز اجازت کی درخواست کے ساتھ طبی صداقت نامہ (عمر اور صحت کے بارے میں) دینا لازمی قرار دیا گیا۔ اسی طرح نکاح ثانی کے لیے بھی اجازت ضروری قرار دی گئی البتہ یہ اجازت مرد کی مالی استطاعت پر موقوف کر دی گئی۔

طلاق بحالت نشہ، طلاق بالکناہ، طلاق رجعی وغیرہ کے احکام مصری قانون کے مانند مدون کیے گئے چنانچہ ایک وقت میں تین یا اس سے زیادہ مرتبہ طلاق دینے کی صورت میں ایک ہی طلاق تسلیم کی گئی جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عمل تھا۔ چنانچہ طلاق بالہال یعنی خلع اور طلاق متمم للثلاث کے علاوہ باقی تمام طلاقوں کو طلاق رجعی کے حکم میں داخل کیا گیا۔ اسی طرح مرد کے عدم قدرت نفقہ کی صورت میں عورت کو طلب تفریق کا حق دیا گیا۔

نسب اولاد کے ضمن میں امام ابوحنیفہ کے اس نقطہ نظر سے کہ حمل کی مدت دو سال تک ہو سکتی ہے اختلاف کرتے ہوئے مالکیہ مذہب کے اتباع میں مدت حمل کو ایک سال شمسی بطور حد کے مقرر کیا گیا۔

قانون مذکورہ کے تحت شام میں وصیت کے احکام میں بھی کئی تبدیلیاں کی گئیں چنانچہ مالکی مذہب کے مطابق شخص معدوم کے لیے وصیت کو جائز قرار دیا گیا۔ اسی طرح مالکی مذہب کے مطابق یہ قرار دیا گیا کہ اگر کسی شخص کے حق میں وصیت کی گئی ہو اور وہ شخص وصیت کرنے والے کا قاتل ہو تو اس صورت میں وصیت کے تحت اس شخص کو کچھ حصہ نہ ملے گا۔ وصیت کے باب میں اہم تر امر یہ ہے کہ ابن حزم اور امام احمد بن حنبل کے مذہب کے مطابق اولاد محروم کے لیے یعنی ایسی اولاد کے لیے جس کا باپ اس کے دادا کی حیات میں فوت ہو جائے وصیت کرنا واجب قرار دیا گیا۔ جس کی مقدار اتنی ہونی چاہیے جتنی کہ اس کے باپ کو ملتی اگر وہ دادا کی موت کے وقت بقید حیات ہوتا۔

وراثت کے سلسلے میں بھی شامی قانون میں متعدد تبدیلیاں کی گئیں۔ چنانچہ مالکی مذہب کے مطابق قاتل مقتول کے ترکے میں وارث نہیں ہو سکتا۔ اس طرح حضرت زید و ابن مسعود کی متابعت میں بھائی دادا کے ساتھ متوفی کے ورثے میں حق دار قرار دیا گیا۔ اسی طرح وراثت حمل صرف اس صورت میں معتبر قرار دی گئی جب مدت حمل ایک سال ہو۔

تیونس :

تیونس میں شخصی قانون ”مجلة الاحوال الشخصية“ کے نام سے مرتب کیا گیا جس کا نفاذ یکم جنوری ۱۹۵۷ء کو ایک فرمان کے ذریعہ عمل میں آیا۔ تیونس کے قانون میں حنفی اور مالکی فقہ کا امتزاج پایا جاتا ہے۔ تیونس کے عائلی قانون کے تحت مرد اور عورت کی عمر نکاح کا تعین کر دیا گیا جو بالترتیب ۱۸ اور ۱۵ سال مقرر کی گئی البتہ جج کو اس امر کا اختیار دیا گیا کہ وہ اس عمر سے پہلے بھی

شادی کی اجازت دے سکتا ہے، بشرطیکہ طرفین یا ان میں سے کوئی ایک (جیسی بھی صورت ہو) اپنے بلوغ کا ثبوت پیش کریں۔ تعدد ازدواج کو قطعاً ممنوع قرار دے دیا گیا۔ بصورت خلاف ورزی ایک سال قید یا ۲ لاکھ چالیس ہزار فرانک (تقریباً سات ہزار پانچ سو روپے پاکستانی) جرمانہ یا دونوں سزائیں مقرر کی گئیں۔ نیز شوہر کو حق طلاق استعمال کرنے کے لیے عدالت سے رجوع کرنا ضروری قرار دیا گیا۔ چنانچہ عدالت کے علاوہ دی جانے والی طلاق ناجائز قرار دی گئی۔ شوہر کے مفقودالخبر ہونے کی صورت میں بہ زمانہ جنگ دو سال بعد عورت کو طلب تفریق کا حق دیا گیا البتہ عام حالات میں مدت کا انحصار جج کی صواب دید پر چھوڑ دیا گیا۔

عراق :

عراق کی وزارت انصاف نے بھی ۱۹۵۹ء میں ”لائحة الاحوال الشخصية“ کے نام سے ایک قانون منظور کیا جس میں نکاح، طلاق، نسب اولاد، حضانت، وصیت اور میراث کے احکام شامل ہیں۔ یہ قانون دوسرے مسلم ممالک کے شخصی قوانین اور بالخصوص مصری قانون کو پیش نظر رکھ کر مرتب کیا گیا۔

عراقی قانون کے تحت ایک سے زائد عورتوں کو نکاح میں رکھنے پر پابندی عائد کر دی گئی، الا یہ کہ قاضی سے دوسرے نکاح کی اجازت حاصل کر لی جائے جو مالی استطاعت اور کسی دیگر شرعی مصلحت کے پیش نظر دی جا سکتی ہے۔ خلاف ورزی کی صورت میں ایک سال قید یا سو دینار جرمانہ کی سزا مقرر کی گئی۔ طلاق کے ضمن میں بھی طلاق بلفظ الثلاث کو ایک طلاق کے حکم میں داخل قرار دیا گیا نیز زوجین کے درمیان ناچاقی یا مرد کی نفقہ دینے کی عدم استطاعت کے سبب عورت کو طلب تفریق کا حق دیا گیا۔

اولاد کے تعلیمی اخراجات کو نفقہ میں داخل کیا گیا اور اولاد کی حضانت (Custody) کے سلسلے میں یہ امر قاضی کی صواب دید پر چھوڑ دیا گیا کہ وہ صغیر

کی ضرورتوں اور مصلحتوں کے پیش نظر مناسب حکم جاری کرے۔

مراکش اور اردن :

مصر، شام، تیونس اور عراق کے علاوہ مراکش میں ”مدونۃ الاحوال الشخصیہ“ اور اردن میں ”قانون حقوق العائلة الاردنی“ کے نام سے شخصی قوانین مرتب کیے گئے جن میں کم و بیش مذکورہ بالا مسلم ممالک کے طرز اور پیروی میں قانون سازی کی گئی۔

سنگاپور :

سنگاپور کیلنٹن وغیرہ میں بھی اس جانب قدم بڑھایا گیا۔ چنانچہ سنگاپور میں ۳ اگست ۱۹۵۷ء کو مسلم آرڈی نینس نافذ کیا گیا جس کے تحت شرعی عدالتیں قائم کی گئیں جنہیں طلاق رجسٹر کرنے کا اختیار دیا گیا۔ مسلم میریجیز اینڈ ڈائی وورس رولز مجریہ ۱۹۵۹ء کے تحت یہ صراحت کر دی گئی کہ رضا مندی کی صورت میں ہر دو فریق مقررہ فارم پر طلاق کی حلفیہ درخواست پیش کریں گے اور طلاق کے رجسٹر پر دستخط کریں گے اگر طلاق کے سلسلے میں نزاع ہو تو اس کے تصفیہ کا اختیار شرعی عدالتوں کو دیا گیا۔ شرعی عدالتوں میں وکلاء کو پیروی کا اختیار دیا گیا، ان کے فیصلوں کے خلاف اپیلوں کی سہاعت کے لیے ایک اپیل بورڈ قائم کیا گیا جس کے ارکان کا مسلمان ہونا ضروری قرار دیا گیا۔

برطانوی ہند :

انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کر لینے کے بعد جب عدالتی نظام بحال کیا تو انہوں نے بذریعہ قانون یہ اعلان کر دیا کہ وہاں کے باشندوں کو اپنے شخصی معاملات یعنی شادی، طلاق، وراثت، وصیت وغیرہ میں اپنے مذہبی قانون کے مطابق عمل کرنے کی پوری آزادی حاصل ہوگی۔ لیکن اس کے برعکس ۱۹۲۹ء میں قانون امتناع ازدواج اطفال کے ذریعہ نابالغوں کی شادیوں پر پابندی عائد کر دی گئی۔

۱۹۳۹ء میں مسلمانوں کے مطالبے پر ہندوستان کی مرکزی اسمبلی نے قانون

انفساخ ازدواج مسلمانان منظور کیا۔ جس کے تحت مسلمان عورتوں کے اس حق کو تسلیم کرتے ہوئے کہ شرع کے مطابق کسی بھی سبب کی بناء پر انہیں طلب تفریق کا حق حاصل ہوگا چند وجوہ و اسباب کو مدون کر دیا گیا جو بلا لحاظ اس امر کے کہ وہ عورت یا مرد کس فرقے یا مسلک سے تعلق رکھتا ہے قانون مذکور جملہ مسلمانوں پر نافذ العمل قرار دیا گیا۔ اس قانون کے تحت اہم ترین امر ابام مالک کے مذہب کی متابعت میں عورت کا فسخ نکاح کا وہ حق تھا جو اس کے شوہر کے چار سال تک مفقودالخبر رہنے کی صورت میں اس کو دیا گیا تھا۔

پاکستان :

۱۴ اگست ۱۹۴۷ ع کو بفضل ایزدی مسلمانان ہند کے پیہم مطالبے اور مسلسل جد و جہد کے بعد تقسیم ہند کے نتیجے میں مسلمانوں کا سب سے بڑا ملک ”پاکستان“ قائم ہوا۔

بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے اس واضح اعلان کی روشنی میں کہ پاکستان ایک جمہوری مملکت ہوگی جس کی بنیادیں اسلام کے عدل عمرانی کے اصولوں پر رکھی جائیں گی حکومت پاکستان نے اپنی اولین فرصت میں دستور پاکستان کی تدوین کے سلسلے میں اسلامی نظریات کی سفارشات کے لیے ”تعلیمات اسلامی بورڈ“ قائم کیا جس کے صدر ڈاکٹر محمد حمید اللہ پروفیسر انٹرنیشنل لاء کالج، پیرس مقرر کیے گئے۔ ڈاکٹر صاحب کے مستعفی ہو جانے کے بعد برصغیر پاک و ہند کے مایہ ناز ادیب، محقق اور مؤرخ مولانا سید سلیمان ندوی (مرحوم) اس بورڈ کے صدر نامزد کیے گئے جو تاحیات اس کے صدر رہے۔

۱۹۴۹ ع میں پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے قرار داد مقاصد منظور کی جس کی رو سے پاکستان پر اللہ کی حاکمیت کے اصول کو تسلیم کرتے ہوئے اس مقصد کی تکمیل کا ذمہ لیا گیا کہ مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو ان اسلامی تعلیمات اور مقتضیات کے مطابق

ڈھال سکیں جو قرآن پاک اور سنت رسول میں متعین ہیں۔

حکومت پاکستان نے ۴ اگست ۱۹۵۵ء کو سات افراد پر مشتمل عائلی قوانین کے سلسلے میں ایک ”عائلی قانون کمیشن“ مقرر کیا جس کے صدر ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی ناگہانی وفات کے بعد ۲۷ اکتوبر ۱۹۵۵ء کو پاکستان کے سابق چیف جسٹس جناب جسٹس عبدالرشید اس کمیشن کے صدر نامزد کیے گئے۔ اس کمیشن نے اپنی رپورٹ جون ۱۹۵۶ء میں حکومت کو پیش کر دی جو ۳۰ جون ۱۹۵۶ء کے گزٹ میں شائع کی گئی لیکن علماء کی سخت تنقید کے سبب اس رپورٹ کو ایک عرصہ تک قانون کی شکل نہ دی جا سکی۔

۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کو اسلامی جمہوریہ پاکستان کا پہلا دستور نافذ ہوا۔ اس دستور کے ذریعہ مسلمانوں کی زندگیوں کو قرآن مجید اور سنت رسول کے مطابق بنانے کا موقع فراہم کیا گیا۔ چنانچہ دستور کی دفعہ ۱۹۸ کی رو سے یہ قرار دیا گیا کہ اس ملک میں ایسا کوئی قانون نہیں بنایا جاسکے گا جو قرآن پاک اور سنت نبوی میں مذکور اسلامی احکام و تعلیمات کے منافی ہو۔ ساتھ ہی اس امر کا بھی اظہار کیا گیا کہ موجودہ قوانین کو قرآن پاک و سنت کے مطابق بنایا جائے گا۔ چنانچہ ۲۲ مارچ ۱۹۵۷ء کو ایک اسلامی قانون کمیشن کے قیام کا اعلان کیا گیا جس کے صدر عدالت عظمیٰ (سپریم کورٹ) کے سابق جج جناب جسٹس محمد شریف مقرر کیے گئے۔

دستور پاکستان ۱۹۵۶ء کی دفعہ ۱۹۷ کے تحت صدر مملکت کو اس امر کا اختیار دیا گیا کہ وہ ایک اسلامی تحقیقاتی ادارے کی تشکیل کرے گا جو مسلم معاشرے کو صحیح اسلامی بنیادوں پر قائم کرنے میں مدد و معاون ہو۔

پاکستان کا یہ دستور ملک کے ہنگامی حالات کے پیش نظر ۷ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو ایک خاموش فوجی انقلاب کے نتیجے میں سابق صدر اسکندر مرزا کے صدارتی اعلان کے تحت ختم کر دیا گیا اور ملک میں مارشل لاء نافذ ہو گیا۔

اس انقلاب کے ۲۰ دن بعد صدر اسکندر مرزا کو منصب صدارت چھوڑنا پڑا اور عنان اختیار افواج پاکستان کے سپریم کمانڈر جنرل محمد ایوب خان نے سنبھال لی جو بعد کو اس ملک کے سربراہ مقرر ہوئے۔ صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے ۱۵ جولائی ۱۹۶۱ء کو انجمن خواتین پاکستان کے پیہم اصرار پر عائلی قانون کمیشن کی سفارشات کی روشنی میں ملک میں عائلی قوانین آرڈی نینس نافذ کر دیا۔ اس آرڈی نینس میں نکاح کی رجسٹری لازمی قرار دی گئی۔ دوسری شادی پر حکومت کے مقرر کردہ ادارے کی اجازت لازمی قرار دی گئی۔ طلاق کو بھی نتیجتاً طلاق رجعی کے حکم میں داخل کر دیا گیا اور اس کے عدم نفاذ کے لیے یونین کونسل کے چیرمین کو طلاق کی اطلاع دینے کے بعد سے تین ماہ کی مدت مقرر کر دی گئی۔

وراثت کے باب میں یتیم پوتے کی وراثت کے حق کو جو پہلے محروم الارث قرار پاتا تھا دادا کے ترکے میں اپنے باپ کے حصہ کے بقدر وارث قرار دیا گیا۔ مہر کے باب میں بھی یہ تصریح کر دی گئی کہ اگر نکاح نامے یا معاہدہ نکاح میں مہر کی ادائیگی کے طریقہ کار کے متعلق کوئی صراحت موجود نہ ہو تو کل مہر، مہر معجل قرار پائے گا۔

۱۹۶۲ء میں پاکستان کا دوسرا دستور نافذ ہوا۔ اس کے تحت بھی قانون سازی کے اس اصول کو صراحتاً تسلیم کیا گیا کہ پاکستان میں کوئی قانون اسلام کے منافی نہ ہوگا نیز پاکستان کے مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ اپنی زندگی کو اسلام کے بنیادی اصولوں اور تصورات کے مطابق ڈھال سکیں اور انہیں ایسی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں گی جن کی مدد سے وہ ان اصولوں اور تصورات کے مطابق زندگی گزارنے کا مفہوم سمجھ سکیں۔ دستور کی دفعہ ۱۹۹ کے تحت صدر مملکت کو اسلامی نظریہ کی مشاورتی کونسل کے قیام کا اختیار دیا گیا تاکہ یہ کونسل پاکستان کے مسلمانوں کو ہر شعبہ زندگی میں اسلام کے اصولوں اور تصورات کے مطابق عمل کرنے کی ترغیب اور امداد دے سکے۔ نیز یہ جائزہ بھی لے سکے کہ آیا کوئی مجوزہ قانون اسلام کے خلاف یا منافی ہے؟

مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی :

دستور مذکور کی دفعہ ۲۰۷ کے تحت صدر کو ادارہ تحقیقات اسلامی کے نام سے ایک ایسا ادارہ قائم کرنے کا بھی اختیار دیا گیا جو اسلام اور اسلامی تعلیمات کی تحقیق کرے جس سے صحیح اسلامی بنیاد پر مسلم معاشرے کی تشکیل جدید میں مدد مل سکے۔

چنانچہ مذکورہ بالا مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی نے ایک جامع منصوبہ کے تحت تمام منتشر اسلامی قوانین کو تحقیق کے بعد جدید انداز پر مرتب اور مدون کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے جس میں عائلی قوانین، دیوانی قوانین اور فوجداری قوانین شامل ہیں۔ یہ ”مجموعہ قوانین اسلام“ دس جلدوں پر مشتمل ہوگا جن میں سے تین جلدیں عائلی قوانین کی ہوں گی جس کی پہلی جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

رہ نما اصول :

قوانین اسلام کی تدوین اور ضابطہ بندی کے لیے سب سے پہلے چند رہ نما اصول طے کیے گئے مجموعہ ہذا کی تالیف میں اس امر کی کوشش کی گئی ہے کہ ان اصولوں پر حتی المقدور عمل کیا جائے۔ وہ اصول جو مجموعہ ہذا کی تکمیل کے دوران پیش نظر رہے حسب ذیل ہیں :

(۱) ہر مسئلہ کے اثبات کے لیے قرآن پاک کی کسی آیت کی تلاش اور اس کا حوالہ۔

(۲) اگر مسئلہ سے متعلق قرآن پاک میں صریح حکم بلا اختلاف دلیل موجود ہو تو اسے بلا چون و چرا قبول کرنا۔

(۳) اگر حکم قرآنی صریح و بلا اختلاف موجود نہ ہو بلکہ دلائل میں اختلاف ہو یا حکم معنوی ہو اور اس کی تعبیر میں مفسرین، محدثین، مجتہدین یا فقہاء کرام کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہو تو اس کے معنی و مطلب کو متعین کرنے کی غرض سے مستند اور صحیح حدیث کی تلاش کرنا اور

اس سے استدلال کرنا۔

(۴) اگر کسی مسئلہ میں حکم قرآنی صریحاً یا معنماً موجود نہ ہو تو احادیث نبوی کی تلاش و حوالہ۔

(۵) اگر حدیثیں آپس میں متعارض ہوں تو ان کا تاریخی جائزہ لینا اور اصولِ درایت کے تحت ان کی تخریج کرنا اور صحیح تر حدیث معلوم کر کے اس پر مسئلہ کی بنیاد رکھنا۔

(۶) اگر کوئی مسئلہ حکم قرآنی یا حدیث صحیح سے ثابت نہ ہو مگر اس مسئلہ کے بارے میں صحابہ کرام خصوصاً خلفائے راشدین یا ائمہ میں اتفاق پایا جاتا ہو تو اس کو اختیار کرنا۔

(۷) اختلاف ائمہ کی صورت میں فقہی قواعد و اصول فقہ کی روشنی میں ائمہ کے دلائل کا جائزہ لینا اور یہ دیکھنا کہ زمانہ سابق میں اس مسئلہ میں خلافیات میں کس کو ترجیح دی گئی ہے اور کس پر عمل رہا ہے؟ اگر وہ طریقہ زمانہ حال کے تقاضوں کے مطابق ہو تو اس کو اختیار کرنا۔

(۸) اگر زمانہ سابق کا تعامل (Practice) زمانہ حال کے تقاضوں کے مطابق نہ ہو تو مصلحت عامہ (جو قرآن و سنت کے احکام کے مغائر نہ ہو) کے اصول پر عمل پیرا ہو کر مختلف مکاتب فکر میں سے جس کے ساتھ حق نظر آئے اس کی رائے کو ترجیح دینا اور اسے اختیار کرنا۔

(۹) اگر کسی مسئلہ میں نص موجود نہ ہو اور کسی بھی مکتب فکر کی رائے کا اتباع بوجہ معقول بالخصوص مصلحت عامہ کے نقطہ نظر سے (جو قرآن و سنت کے احکام کے مطابق ہو) قابل قبول نہ ہو تو ضروری اجتہاد سے کام لینا۔

(۱۰) اجتہاد میں قرآن و سنت کی متابعت اور ادلّہ شرعیہ کی پابندی کرنا۔

یہاں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا بے محل نہ ہوگا کہ اسلامی فقہ

کی ترقی میں اصل مانع مختلف فرقوں کا ایک دوسرے سے دور ہونا اور جذب و انگیز کی صلاحیت سے محروم ہونا رہا ہے۔ چنانچہ مجموعہ ہذا میں یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ حنفی فقہ کو سامنے رکھ کر قانونی احکام کو جدید انداز پر مدون اور مرتب کیا جائے البتہ جن مسائل میں حالات کے تحت ضروری ہو، کسی دوسرے مکتب فکر کے امام یا مجتہد کا اتباع کیا جائے۔

اسلامی قانون کی ترتیب و تدوین کے راستے کی سب سے بڑی دشواری صدیوں کی عصبیت اور رجعت پرستی کے مہلک جراثیم اور تاریخ کے منفی محرکات ہیں جو کسی نئے راستے کی تلاش میں قدم قدم پر ہمارے آڑے آتے ہیں۔

پاکستان کے سامنے سب سے بڑا سوال اقدار کا ہے۔ ادبی، تہذیبی، سماجی، اخلاقی، تاریخی، سیاسی اور مذہبی اقدار — ہماری وہ اقدار جن سے اسلام عبارت ہے ہمیں جان سے زیادہ عزیز ہیں۔ لیکن وہ اقدار جو زمانے کے ارتقائی عمل کا نتیجہ ہیں ان میں سے بعض کو قبول کرنا ہے اور بعض کو رد۔ مجھے اس سلسلے میں قانونی مسائل اور فقہی احکام کے میدان میں بے جا قدامت پسندی اور روایت پرستی سے جنگ لڑنی پڑی ہے لیکن میں نے یہ جنگ درایت اور دیانت کے ساتھ لڑی ہے اور میں محسوس کرتا ہوں کہ میرے قدم حقیقتوں کی طرف بڑھے ہیں۔

در اصل وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ معاشرتی امور سے متعلق قانونی احکام میں مناسب گنجائش پیدا کی جائے۔ چنانچہ بالخصوص عائلی زندگی میں سہولتیں پیدا کرنے کی غرض سے بلا تخصیص ہر مسلم ملک آج کل اس نظریہ پر عمل پیرا ہے کہ فقہی احکام میں جس امام یا مجتہد کے مذہب میں جس مسئلہ میں عامۃ المسلمین کے لیے سہولت و آسانی موجود ہو اور معاشرتی ضروریات کی تکمیل کا بہترین ذریعہ ہو اس کو اختیار کر کے قانون کی حیثیت سے نافذ کر دیا جائے اور ایسے احکام میں جن کے متعلق قرآن و سنت میں صریح احکام اوامر یا نواہی موجود نہ ہوں اجتہاد سے کام لیا جائے۔ اس سلسلے میں ایک اصول یہ بھی مد نظر رکھا گیا ہے کہ مصلحت

عامہ کے پیش نظر (جو قرآن و سنت کے مغائر نہ ہو) اولی الامر یا قانون ساز ادارے کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی مباح فعل کی تعمیل کو واجب قرار دے سکتا ہے۔

اس کتاب کے بارے میں :

زیر نظر کتاب پاکستان میں اسلامی قانون کی ضابطہ بندی (Codification) کی طرف ایک قدم ہے۔ یہ کتاب اسلامی قانون کی تعبیر (Interpretation) ، اطلاق (Application) اور ضابطہ بندی (Codification) کی اس تحریک کی ایک کڑی ہے ، جس کا آغاز ترکی میں ۱۸۷۶ء میں ”مجلة الاحکام العدلیہ“ کی شکل میں ہوا اور بعد میں مصر ، شام ، تیونس ، عراق ، مراکش ، اردن اور سنگاپور وغیرہ میں اس تحریک کو آگے بڑھایا گیا جس کا تفصیلی ذکر ما قبل سطور میں کیا جا چکا ہے۔

مجموعہ قوانین اسلام کی اس جلد میں نکاح ، مہر ، اور نفقہ کے قانونی احکام بیان کیے گئے ہیں۔ یہ جلد حسب ذیل دس ابواب پر مشتمل ہے :

(۱) ابتدائی۔

(۲) مختلف فرقوں اور مذاہب کے افراد کے مابین نکاح۔

(۳) انعقاد اور جواز نکاح۔

(۴) صحیح ، فاسد اور باطل نکاح۔

(۵) ولایت نکاح۔

(۶) خیار بلوغ۔

(۷) کفأت۔

(۸) خلوت صحیحہ۔

(۹) مہر۔

(۱۰) نفقہ۔

اس مجموعہ میں قانونی احکام کو دفعات میں تقسیم کر کے بسط و شرح کے ساتھ

ان کے ماخذ، اسباب و علل، غرض و غایت اور قانونی اثرات و نتائج سے بحث کی گئی ہے۔ ساتھ ہی جہاں کہیں قانون نافذ الوقت اور مجموعہ ہذا کے قانونی احکام میں اختلاف پایا گیا ہے اس کی وجوہ بیان کرتے ہوئے قانون نافذ الوقت میں ترمیم کی تجاویز بھی پیش کی گئی ہیں مثلاً:

(۱) پاکستان میں نافذ الوقت کرسچین میریجیز ایکٹ، ۱۸۷۲ء کے تحت مسلمان مرد کے عیسائی عورت سے نکاح کے انعقاد کے سلسلے میں ضروری ہے کہ وہ نکاح ایکٹ مذکور کے تحت مقرر کردہ رجسٹرار کے روبرو ہوا ہو ورنہ باطل ہوگا۔ یہ صورت اسلامی شریعت کے صریحاً خلاف ہے۔ اس لیے اس قانون میں ترمیم کی تجاویز پیش کی گئی ہیں۔

(۲) اسی طرح اس مجموعہ میں اسلام کے مصالح کے پیش نظر یہ تجویز بھی شامل ہے کہ حکومت پاکستان مسلمان پاکستانی باشندوں کو غیر مسلم ممالک کی عیسائی اور یہودی عورتوں سے نکاح کرنے سے باز رکھنے کے لیے ایک قانون بنائے تاکہ اسلامی معاشرہ ان مضر اثرات سے کسی حد تک محفوظ رہ سکے جو ایک مخلوط گھرانے کے سبب انفرادی اور اجتماعی زندگی پر مرتب ہو رہے ہیں۔

(۳) ولایت نکاح کے سلسلے میں شافعی مذہب کے تحت ایک باکرہ بالغہ لڑکی بلا وساطت ولی اپنا نکاح خود کرنے کی مجاز نہیں، مجموعہ ہذا میں اس امتیاز کو ختم کر دیا گیا ہے۔ البتہ مسلم معاشرے کو انتشار سے محفوظ رکھنے کے لیے اولیاء کے اس حق کو تسلیم کیا گیا ہے کہ اگر کسی لڑکی نے ولی کی اجازت کے بغیر غیر کفو سے نکاح کر لیا ہو یا مہر مثل سے کم پر نکاح کیا ہو جس سے اولیاء کو عار لاحق ہو تو ولی عدالت میں تنسیخ نکاح کا دعویٰ دائر کر سکتا ہے اور عدالت معقول شرعی وجوہ کی بناء پر نکاح کو نسخ

کر سکتی ہے۔

- (۴) وکالت نکاح کے حق میں شافعیہ کے اس نقطہ نظر کو اختیار کیا گیا ہے کہ وکیل نکاح کا بالغ ہونا ضروری ہے اگرچہ حنفیہ کی رائے میں ایک عاقل لڑکا (خواہ بالغ نہ ہو) وکیل نکاح بن سکتا ہے۔
- (۵) نافذالوقت قانون کے تحت ایک خاص عمر تک نکاح کرنے پر مطلقاً پابندی عائد ہے۔ بعض اوقات شرعی مصلحتوں کے حصول کے لیے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ اولیاء لڑکی یا لڑکے کا نکاح اس مقررہ عمر سے پہلے کر دیں۔ بریں بناء اس امر کی سفارش کی گئی ہے کہ نابالغ کے نکاح کی اجازت کا اختیار عائلی عدالتوں کو تفویض کر دیا جائے البتہ رخصتی پر کچھ پابندیاں عائد کی جا سکتی ہیں۔

- (۶) نکاح کی رجسٹری کے نافذالوقت قانون کو برقرار رکھتے ہوئے اس امر کی توضیح کر دی گئی ہے کہ نکاح کی رجسٹری انعقاد نکاح کی صرف ایک بادی النظری شہادت ہوگی۔ نکاح کے جواز یا ناجوازی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

- (۷) نافذالوقت عائلی قوانین آرڈی نینس کی دفعہ ۴ کے تحت پاکستان میں تعدد ازدواج پر پابندی ہے۔ ایک زوجہ کی موجودگی میں دوسری عورت سے نکاح کے لیے ثالثی کونسل کی اجازت لازم قرار دی گئی ہے۔ اس دفعہ میں موجودہ زوجہ کی رضا مندی سے متعلق استفسار بھی شامل ہے۔ مجموعہً ہذا میں یہ سفارش کی گئی ہے کہ دوسری عورت سے نکاح کی اجازت کے لیے موجودہ زوجہ کی رضا مندی غیر منطقی اور غیر حقیقی ہے۔ اس کو حذف کر دینا چاہیے۔ نیز دوسری شادی کے سلسلہ میں ثالثی کونسل کا تقرر بھی غیر مناسب ہے کیونکہ موجودہ بیوی کو فریق کی حیثیت حاصل نہیں اور نہ ہی فریق کی حیثیت دی جانی چاہیے۔

مزید برآں یہ معاملہ یونین کونسل کی بجائے عائلی عدالت کے روبرو پیش ہونا چاہیے جو شرعی مصالح کے پیش نظر سرسری ساعت کے بعد اجازت دینے کی مجاز ہو۔

(۸) فاسد اور باطل نکاحوں کے سلسلے میں تفصیلی بحث کے بعد اس نقطہ نظر کو اختیار کیا گیا ہے کہ جو نکاح نصوص قطعیہ صریحہ کے خلاف ہیں وہ من ابتداء باطل ہیں البتہ دیگر صورتوں میں صحبت کے بعد نکاح فاسد کے احکام مرتب ہوتے ہیں جو دراصل نکاح کے احکام نہیں بلکہ وطی (جماع) کے احکام ہیں جو فقہاء نے صرف اس دلیل کی بنیاد پر مرتب کیے ہیں کہ وہ جماع صورتاً نکاح کے مشابہ ہونے کی وجہ سے زنا نہیں رہا اور شبہ فی المحل، شبہ فی الفعل یا شبہ فی العقد کے سبب زنا کی حد ساقط ہو گئی۔ اسی بناء پر فاسد نکاح میں وجوب مہر، وجوب عدت، اور ثبوت نسب کو بالاتفاق تمام ائمہ اور فقہاء نے تسلیم کیا ہے لیکن ساتھ ہی یہ امر بھی واجب قرار دیا گیا ہے کہ فساد نکاح ظاہر ہو جانے پر مرد و عورت کو تفریق اختیار کر لینی چاہیے اور اگر تفریق اختیار نہ کی گئی تو عدالت ان میں تفریق کرائے گی اور سزا دے گی۔ اس سلسلے میں حکومت سے یہ سفارش بھی کی گئی ہے کہ باجود علم کے نکاح فاسد کرنے یا علم ہو جانے کے بعد تفریق اختیار نہ کرنے کو تعزیرات پاکستان کے تحت قابل دست اندازی پولیس جرم قرار دیا جائے۔ (زنا پر حد جاری کرنے کے سلسلے میں اسلامی نظریہ کی مشاورتی کونسل پہلے ہی سفارش کر چکی ہے)۔

(۹) ولایت نکاح کے سلسلے میں بھی یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ مسلمانوں کا ولی صرف مسلمان ہی ہونا چاہیے اور ایکٹ نمبر ۲۱ بابت

۱۸۵۰ع کے سبب جو تصادم پایا جاتا ہے اس کو دور کیا جانا چاہیے۔
 (۱۰) ”غیبت منقطعہ“ کے اصول کے بارے میں فقہاء کے مختلف اقوال کا جائزہ لیتے ہوئے یہ کہا گیا ہے کہ ”غیبت منقطعہ“ کے اصول کا اطلاق محض فاصلے یا دوری پر نہ ہونا چاہیے بلکہ ان تمام اسباب پر بھی کیا جانا چاہیے جن کی بنیاد پر ولی اقرب اپنا اختیار استعمال نہ کر سکتا ہو۔

(۱۱) خیار بلوغ کے مسئلے میں اس نافذالوقت قانونی حکم کو اختیار کیا گیا ہے کہ لڑکے یا لڑکی دونوں کو خیار بلوغ کے استعمال کا حق ہوگا خواہ وہ نکاح ان کے باپ یا دادا نے کیا ہو، اگرچہ جمہور فقہاء کے خیال میں باپ دادا کے کیے ہوئے نکاحوں میں نابالغوں کو خیار بلوغ نہیں ہے۔ فقہی مباحث کا جائزہ لے کر نافذالوقت قانون کو صحیح سمجھا گیا ہے کیونکہ قرآن و سنت میں خیار بلوغ کے سلسلے میں باپ دادا اور دوسرے اولیاء مثلاً چچا وغیرہ کے کیے ہوئے نکاحوں میں تفریق کا کوئی جواز موجود نہیں۔

(۱۲) اس مسئلہ میں کہ لڑکی کے خیار بلوغ کے محض استعمال سے نکاح ختم ہو جاتا ہے یا عدالت کے حکم تک باقی رہتا ہے، جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ نکاح قاضی کے حکم تک باقی رہتا ہے چنانچہ اگر درخواست عدالت میں زیر تصفیہ ہو اور زوجین میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے تو ایک دوسرے کا وارث ہوگا۔ اس سلسلہ میں ہند و پاکستان کی عدالتوں نے مختلف آراء کا اظہار کیا ہے۔ مجموعہ ہذا میں جمہور فقہاء کی رائے کو اختیار کیا گیا ہے۔

(۱۳) کفات کے ضمن میں اس امر کی صراحت کر دی گئی ہے کہ نکاح میں کفات کا لحاظ بدرجہ اولیٰ ہے، خود جواز نکاح کی کوئی شرط

نہیں ہے۔ البتہ ان خاندانوں میں کفأت کا لحاظ کیا جائے گا جن کے اندر پشتہا پشت سے کفأت کا برابر خیال رکھا گیا ہے۔

(۱۴) مہر معجل (Prompt dower) کی عدم ادائیگی کے سبب عورت کے اس حق کو تسلیم کیا گیا ہے کہ وہ شوہر کے ساتھ رہنے اور وظیفہ زوجیت ادا کرنے سے انکار کر سکتی ہے خواہ پہلے صحبت ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ ائمہ کے درمیان اس امر میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ اگر مرد عورت کے ساتھ صحبت کر چکا ہو یا خلوت صحیحہ ہو چکی ہو تو اس کے بعد عورت کا یہ اختیار باقی رہتا ہے یا نہیں کہ وہ تا ادائیگی مہر معجل شوہر کو اپنے نفس پر قدرت نہ دے۔ فقہی مباحث اور وجوہ اختلاف کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے اس نقطہ نظر کو اختیار کیا گیا ہے کہ عورت کو ایسا اختیار حاصل ہے۔

(۱۵) گزشتہ زمانہ کے فقہ کی وصولی کے سلسلے میں حنفی مذہب کے مطابق ایسا اختیار حاصل نہیں ہے الا یہ کہ کوئی ایسی باہمی قرارداد یا عدالتی ڈگری موجود ہو۔ شافعی مذہب میں زوجہ کو گزشتہ زمانے کا نفقہ وصول کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ اس ضمن میں حنفی اصول سے صرف نظر کرتے ہوئے زمانہ گزشتہ کا نفقہ پانے کے عورت کے حق کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے اسی کے مطابق قانونی حکم مرتب کیا گیا ہے۔

مقصد تالیف :

مجموعہ ہذا کی تالیف کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ملک میں اسلامی قانون کی ضابطہ بندی کی تحریک کی بنیاد پڑے اور حکومت وقت کے لیے اہم قوانین کا ایک خاکہ فراہم کر دیا جائے جو اسلامی قانون سازی میں مدد و معاون ثابت ہو۔

مجموعہ ہذا میں جہاں جہاں قانون نافذ الوقت سے اختلاف کیا گیا ہے وہاں

اس کی حیثیت محض ایک ”تجویز“ کی ہے البتہ اگر کسی مسئلہ میں ہماری مقننہ کا منظور کردہ کوئی قانون نافذ نہیں ہے اور عدالتیں مختلف کتب فقہ کو سامنے رکھ کر کسی مسئلہ میں حکم جاری کرتی ہیں تو ”مجموعہ ہذا“ میں بیان کردہ مباحث کو پیش نظر رکھا جا سکتا ہے۔

مسلمانوں کے عائلی قوانین پر جو قانونی ادب اس وقت ملک میں عام طور پر دستیاب ہے وہ اردو زبان میں فقہ کی چند ایک ناقص کتابوں، انگریزی زبان میں تلخیص شدہ ترجموں اور دو چار قابل ذکر انگریزی قانون دانوں کی تالیفات پر مشتمل ہے۔ لیکن اردو یا انگریزی میں (جسٹس سید امیر علی کی کتاب محمدن لا کو کسی حد تک مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے) کوئی ایسی کتاب موجود نہیں جس میں فقہی احکام و مسائل کا تفصیلی اور تنقیدی جائزہ لیا گیا ہو اور ان کے اسباب و علل اور فقہاء کے اختلاف کی وجوہ سے بحث کی گئی ہو اور قانونی احکام و مسائل قرآن و سنت سے براہ راست مستنبط کیے گئے ہوں۔ لہذا امید ہے کہ اسلامی قانون سے شغف رکھنے والے اہل علم حضرات اور وہ طلباء جو اپنے اندر تحقیق کا جذبہ رکھتے ہیں اس کتاب کو بنظر استحسان دیکھیں گے۔

شاید اس بات کو کسر نفسی پر محمول کیا جائے لیکن یہ حقیقت ہے کہ قوانین اسلام کی ضابطہ بندی کے اس کام میں میری حیثیت ایک ایسے رھرو کی ہے جو حق کا متلاشی ہے۔ میرے پاس صرف مسافتیں ہیں۔ میں نے دانش جوٹی اور حکمت طلبی کا جو سفر شروع کیا ہے اس میں منزل تک پہنچنا تو ایک بہت بڑا اعزاز ہے، اگر میں نے چند قدم مسافت بھی طے کر لی ہے یا کسی نئے راستے کا سراغ لگا لیا ہے تو وہ میری محنت و کاوش کا حقیقی صلہ ہوگا۔

اس سفر علمی کے دوران مجھے زادراہ کی کمی کا احساس رہا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کبھی کبھی اپنے بے بضاعت بندوں کو بھی نوازتا ہے۔ یہ اسی کا فضل و احسان

ہے کہ مجھ جیسے بندہ بے نوا کو یہ کام کرنے کی توفیق اور ہمت بخشے۔
اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس مجموعہ میں جو حق اور مسلمانان پاکستان
کے لیے مفید ہو اسے شرف قبولیت بخش اور جاری فرما، اور جو غلط ہو اس کی
تصحیح کی ہدایت فرما۔ ربنا آتنا فی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنة و قنا عذاب النار۔

تنزیل الرحمن

کراچی، ۲۳۔ مارچ ۱۹۶۵ ع

قانون ازدواج

(نکاح ، مهر ، نفقه)

پہلا باب ابتدائی

- ۱- اس مجموعہ کا نام ”مجموعہ قوانین اسلام“ ہوگا۔
- ۲- (۱) قانون ہذا کا اطلاق جملہ مسلمانوں اور ان غیر مسلم عورتوں پر ہوگا، جن سے مسلمان مرد کا نکاح جائز ہے اور جو شرعاً جائز طریقہ پر مسلمان مردوں کے نکاح میں آجائیں۔
- (۲) قانون ہذا اور قانون نافذالوقت میں اگر مغائرت یا تضاد پایا جائے تو قانون نافذالوقت غالب رہے گا الا یہ کہ اسے منسوخ کر دیا جائے یا ترمیم کے ذریعہ قانون ہذا کے مطابق بنا دیا جائے۔
- (۳) اگر کسی مسئلہ میں کوئی شرعی حکم قانون نافذالوقت یا قانون ہذا میں موجود نہ ہو تو شریعت اسلامیہ کی مبادیات کی طرف رجوع کیا جائے گا۔
- (۴) شریعت اسلامیہ کی مبادیات میں حکم نہ ہونے کی صورت میں عرف عام و نظائر عدالت کی روشنی میں مناسب حکم جاری کیا جائے گا۔
- (۵) اگر مذکورہ بالا صورتوں میں کوئی بھی صورت ممکن نہ ہو تو عدالتیں اجتہاد سے کام لیں گی :
- مگر شرط یہ ہے کہ اجتہاد قرآن و سنت کے تابع اور ادلّہ شرعیہ کا پابند ہوگا۔

مسلمان کی تعریف

۳۔ جو کوئی شخص خدا کو ایک اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی مانتا ہے اور خود کو مسلمان کہتا ہے۔ مسلمان ہے۔

تعریف نکاح

۴۔ نکاح ایک شرعی معاہدہ ہے جس کے ذریعہ مرد و عورت کے درمیان جنسی تعلق جائز اور اولاد کا نسب صحیح ہو جاتا ہے اور زوجین کے مابین دیوانی حقوق و فرائض پیدا ہو جاتے ہیں۔

دوسرا باب

مختلف فرقوں اور مذاہب کے افراد کے درمیان نکاح

۵۔ مسلمانوں کے ہر فرقے کے مرد و عورت کے درمیان باہم نکاح جائز ہے۔

مسلمان فرقوں میں نکاح

۶۔ (۱) کسی برعکس قانون کی عدم موجودگی میں، زوجین کا تعلق اگر مختلف فرقوں سے ہو تو ان کے ازدواجی حقوق و فرائض اس فرقے کے مطابق متعین ہوں گے جس کے وہ بوقت نکاح پابند تھے الا یہ کہ انہوں نے یا ان میں سے کسی ایک نے اپنی مرضی سے اپنے فرقے کے مذہب کو چھوڑ کر دوسرے فرقے کے مذہب کو اختیار کر لیا۔ اس صورت میں ان کے حقوق و فرائض اس تبدیل شدہ فرقے کے مطابق متعین ہوں گے۔

مختلف فرقوں سے متعلق ہونے کی صورت میں زوجین کے حقوق و فرائض کا تعین۔

(۲) کسی برعکس قانون کی عدم موجودگی میں عدالتی کارروائی میں اس فرقے کے مذہب کے مطابق عمل ہوگا جس سے مدعا علیہ متعلق ہے۔

۷۔ مسلمان مرد کا کتابیہ عورت سے نکاح جائز ہے مگر کتابیہ حریہ سے نکاح مکروہ ہوگا۔

تیسرا باب

انعقاد اور جواز نکاح

۸۔ ہر عاقل و بالغ مسلمان مرد اور عورت بلا وساطت ولی نکاح کی اہل ہے۔ البتہ عورت کے مہر مثل سے کم پر یا غیر کفو سے نکاح کر لینے کی صورت میں اس کے ولی کو بذریعہ عدالت نکاح فسخ کرانے کا حق حاصل ہوگا۔

اہلیت نکاح

۹۔ نکاح مرد و عورت کے ایجاب و قبول سے منعقد ہوتا ہے۔

انعقاد نکاح

۱۰۔ انعقاد نکاح کے لیے کسی رجسٹرار، قاضی یا مولوی کی

قاضی کی ضرورت

ضرورت نہیں۔

توضیح: فریقین ایک دوسرے سے خود اپنا نکاح کر سکتے ہیں۔ یہ امر لازم نہ ہوگا کہ کوئی دوسرا شخص ان کا نکاح پڑھائے۔

۱۱۔ ایجاب و قبول زبانی یا تحریری دونوں طرح جائز ہے۔

ایجاب و قبول زبانی یا

تحریری

توضیح: اگر فریقین اصالتاً یا وکالتاً مجلس نکاح میں موجود ہوں تو زبانی ایجاب و قبول لازم ہوگا، الا یہ کہ کسی معذوری کے سبب ایسا ممکن نہ ہو۔

۱۲۔ (۱) ایجاب و قبول اصالتاً یا وکالتاً دونوں طرح جائز

ایجاب و قبول اصالتاً یا

وکالتاً

ہے بشرطیکہ وکیل عاقل و بالغ ہو۔

(۲) اگر شخص غیر مجاز (فضولی) کسی کا نکاح کر دے یا وہ اپنے اختیار سے تجاوز کرتے ہوئے موکل یا موکلہ کی جانب سے نکاح کا ایجاب یا قبول کر لے تو ایسا نکاح موکل یا موکلہ کی اجازت پر موقوف رہے گا۔

ایجاب و قبول کے الفاظ

۱۳۳۔ نکاح ایجاب و قبول کے ایسے الفاظ سے منعقد ہو سکتا ہے جو اپنی تاثیر کے اعتبار سے عاقدین نکاح کو شرع کے مطابق فوری طور پر رشتہ ازدواج میں منسلک کر دیں۔ مثلاً:

(۱) ”میں نے اپنی لڑکی کو تمہارے نکاح میں دیدیا۔“

(ب) ”میں نے اپنی لڑکی کو تمہاری ہلک میں دے دیا۔“

(ج) ”میں نے اپنی لڑکی کو تمہیں ہبہ کر دیا۔“

توضیح: بحالت معذوری ایسے اشارے کے ذریعہ بھی

ایجاب و قبول ہو سکتا ہے جس سے فریقین ایک دوسرے کے مقصد کو غیر مبہم طور پر سمجھ لیں۔

۱۳۴۔ ایجاب و قبول کے الفاظ میں دونوں صیغے ماضی کے ہوں گے یا ایک ماضی کا اور دوسرا مستقبل کا، یا ایک صیغہ امر کا اور دوسرا ماضی کا۔

ایجاب و قبول کے صیغے

۱۳۵۔ ایجاب و قبول کے لیے ضروری ہے کہ ایک کلام دوسرے کلام کے مطابق ہو۔

ایجاب و قبول میں تطابق

۱۳۶۔ نکاح کا جواز متناکحین یا ان کے اولیاء کے عاقل و بالغ ہونے اور دو عاقل بالغ مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی موجودگی اور ساعت میں برضامندی فریقین ایک مجلس میں ایجاب و قبول پر منحصر ہے، بشرطیکہ متناکحین یا ان میں سے کسی ایک کی ذات میں کوئی ایسا امر شرعی موجود نہ ہو جو مانع نکاح ہو۔

جواز نکاح

مگر شرط یہ ہے کہ متناکحین اگر شیعہ ہوں یا نکاح شیعہ مذہب کے مطابق پڑھایا جائے تو اس کے جواز کے لیے مجلس میں گواہوں کی موجودگی ضروری نہ ہوگی۔

۱۷- (۱) عائلی قانون کے بموجب عمل میں لایا ہوا ہر نکاح درج رجسٹر کیا جائے گا۔

نکاح کی رجسٹری

(۲) اس غرض کے لیے صوبائی حکومتیں مختلف علاقوں میں مناسب اشخاص کو بحیثیت نکاح رجسٹرار مقرر کریں گی۔

(۳) جس نکاح کو نکاح رجسٹرار نے سرانجام نہ دیا ہو اسے درج رجسٹر کرانے کے لیے اس شخص کی طرف سے نکاح رجسٹرار کو اطلاع بھیجی جائے گی جس نے وہ نکاح سرانجام دیا۔

(۴) نکاح کی رجسٹری انعقاد نکاح کی صرف ایک بادی النظری شہادت ہوگی۔

(۵) نکاح رجسٹر نہ کرانے کی صورت میں خاٹی کو ایک ماہ قید سادہ یا پانچ سو روپے تک جرمانہ کی سزا دی جا سکے گی۔

۱۸- (۱) کوئی شخص ایک زوجہ کے نکاح میں ہوتے ہوئے، بجز عائلی عدالت کی ماقبل تحریری اجازت کے دوسرا نکاح کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔

تعدد ازدواج

(۲) عائلی عدالت صرف اس صورت میں اجازت دے گی جب کہ اسے اس امر کا اطمینان ہو گیا ہو کہ۔

- (ا) وہ شخص حسب ضرورت مالی استطاعت رکھتا ہے۔
- (ب) ایک زوجہ کی موجودگی میں دوسری عورت سے نکاح میں شرعی مصلحت مضمحل ہے، اور
- (ج) اس امر کے باور کرنے کی کوئی وجہ موجود نہیں

کہ وہ دوسرے نکاح کی اجازت دے جانے کی صورت میں بیویوں کے درمیان عدل نہ کرے گا۔

(۳) دوسرے نکاح کی اجازت کے لیے موجودہ زوجہ کی منظوری حاصل کرنا ضروری نہ ہوگا۔

(۴) اگر کوئی شخص ایک زوجہ کے نکاح میں ہوتے ہوئے دوسرا نکاح کر لے تو ایسا نکاح شرعاً جائز ہوگا۔ مگر ماقبل تحریری اجازت حاصل نہ کرنے کے جرم میں اس کو ایک سال تک قید سادہ یا پانچ ہزار روپیہ تک جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جا سکیں گی۔

پوتھاباب

صحیح، فاسد اور طہل نکاح

۱۹- وہ نکاح جو شرع کے عین مطابق ہو اور جملہ ارکان و شرائط کی پابندی کے ساتھ بلا کسی شرعی مانع کے منعقد ہوا ہو، نکاح صحیح کہلائے گا۔

نکاح صحیح

۲۰- نکاح صحیح سے زوجین کو حسب ذیل حقوق حاصل ہوں گے۔

نکاح صحیح کے اثرات

(۱) دائمی رشتہ زوجیت و حق حبس زوجہ (بیوی کو پابند بنانے کا حق):

الآ یہ کہ طلاق واقع ہو جائے یا کسی امر شرعی کی بناء پر تفریق واقع ہو یا کوئی فریق مر جائے۔

صحیح ، فاسد اور باطل نکاح

- (۲) حق مقاربت جنسی -
- (۳) حرمت مصاہرت -
- (۴) تولید نسل و ثبوت (قیام) نسب اولاد -
- (۵) حق مہر زوجہ -
- (۶) حق نفقہ زوجہ و راحت و آسائش بقدر استطاعت -
- (۷) حق وراثت اولاد و مابین زوجین ، اور
- (۸) دیگر استمتاع جس کی شرع نے اجازت دی ہو -

۲۱- نکاح فاسد وہ نکاح ہے جس میں نکاح صحیح کی کوئی شرط

مفقود ہو -

نکاح فاسد

۲۲- (۱) اگر دخول نہ ہوا ہو تو نکاح فاسد نکاح باطل کے حکم میں ہوگا اور نتیجتاً طرفین کو ایک دوسرے پر کوئی حق حاصل نہ ہوگا۔

(ب) دخول کی صورت میں نکاح فاسد کے حسب ذیل اثرات و نتائج مرتب ہوں گے -

- (۱) مہر مسمیٰ یا مہر مثل ، دونوں میں جو کم ہو -
- (۲) اثبات نسب اولاد -
- (۳) حرمت مصاہرت -
- (۴) نفقہ اولاد -
- (۵) زوجہ کا نفقہ تا وقتیکہ فساد نکاح کا علم نہ ہو -
- (۶) وراثت اولاد -
- (۷) عدت بصورت تفریق یا وفات شوہر -
- (۸) عدم توارث بین الزوجین -

نکاح فاسد کے اثرات

(ج) نکاحِ فاسد کی صورت میں فساد ظاہر ہو جانے پر تفریق واجب ہوگی۔ اگر زوجین خود تفریق اختیار نہ کریں تو حاکم عدالت ان میں تفریق کرائے گا اور انہیں سزا دینے کا مجاز ہوگا۔

۲۳۔ نکاح باطل وہ ہے جو فی نفسہ کالعدم ہو۔

۲۴۔ نکاح باطل باعتبار نتیجہ بالکلیہ بے اثر ہوتا ہے۔ اس سے مابین فریقین کوئی ازدواجی حق یا وجوب پیدا نہیں ہوتا۔

۲۵۔ ماؤں، بیٹیوں، بہنوں، پھوپھوں، خالاؤں، بھتیجیوں اور بھانجیوں سے، خواہ وہ کتنی ہی پشت پہلے یا بعد کی ہوں، نکاح حرام ہے۔

۲۶۔ رضاعی ماؤں اور بہنوں سے نکاح حرام ہے۔

۲۷۔ کسی مرد کا اپنی ساس سے نکاح کرنا حرام ہے۔

۲۸۔ کسی مرد کا اپنی سوتیلی بیٹی سے، جو اس کی مدخولہ بیوی کے بطن سے ہو، نکاح حرام ہے۔

۲۹۔ کسی مرد کا اپنے حقیقی بیٹوں کی بیویوں سے نکاح حرام ہے۔

۳۰۔ ایسا نکاح جو ایک بہن کے نکاح میں ہوتے ہوئے اس کی دوسری بہن سے کیا جائے حرام ہے۔ البتہ بیوی کے مر جانے یا اسے طلاق دے دینے اور عدت گزر جانے کے بعد اس کی بہن سے نکاح جائز ہوگا:

استثناء: اگر مرد نے ایک بہن کے نکاح میں ہوتے ہوئے اس کی دوسری بہن سے لاعلمی میں نکاح کیا اور صحبت کر لی تو نکاح ثانی پر نکاحِ فاسد کے احکام مرتب ہوں گے،

نکاح باطل

نکاح باطل کے اثرات

ماؤں، بیٹیوں، بہنوں، پھوپھوں، خالاؤں، بھتیجیوں اور بھانجیوں سے نکاح

رضاعی ماؤں اور بہنوں سے نکاح

ساس سے نکاح

سوتیلی بیٹیوں سے نکاح

حقیقی بیٹوں کی بیویوں سے نکاح

اجتماع خواہرین

لیکن طرفین پر فساد ظاہر ہو جانے پر فوراً تفریق واجب ہوگی۔ اگر فریقین خود تفریق اختیار نہ کریں تو عدالت ان میں تفریق کرائے گی اور انہیں سزا دینے کی مجاز ہوگی۔

۳۱۔ ایسی دو قرابت دار عورتوں سے بیک وقت یا یکے بعد دیگرے (جب کہ ایک عورت نکاح میں پہلے سے ہو) نکاح جن میں سے اگر ایک کو مرد فرض کر لیا جائے تو ان میں نکاح حرام ہو، ناجائز ہے۔

ایسی دو قرابت دار عورتوں کا نکاح میں اجتماع جن کا باہم نکاح حرام ہے

۳۲۔ کسی مسلمان مرد کا ایک مشرکہ یا بت پرست عورت سے نکاح حرام ہے۔

مشرکہ سے نکاح

۳۳۔ مسلمان عورت کا کسی مشرک یا کتابی مرد سے نکاح مطلقاً حرام ہے۔

غیر مسلم سے نکاح

۳۴۔ کسی مسلمان مرد کا منکوحہ غیر سے باوجود علم کے نکاح کرنا حرام ہے :

منکوحہ غیر سے نکاح

استثناء: اگر منکوحہ غیر سے بلا علم نکاح کی صورت میں دخول ہو گیا ہو تو نکاح فاسد کے احکام مرتب ہوں گے، البتہ فساد ظاہر ہو جانے پر ان پر تفریق واجب ہوگی۔ اگر فریقین خود تفریق اختیار نہ کریں تو عدالت ان میں تفریق کرائے گی اور انہیں سزا دینے کی مجاز ہوگی۔

۳۵۔ کسی مسلمان مرد کا چار بیویوں کی موجودگی میں پانچواں نکاح باطل ہے۔

چار بیویوں کی موجودگی میں پانچواں نکاح

۳۶۔ معتدہ غیر سے دوران عدت نکاح باطل ہے :

معتدہ غیر سے نکاح

استثناء: معتدہ غیر سے بلا علم نکاح کی صورت میں وطی

بالشبهہ کی بناء پر نکاح فاسد کے احکام مرتب ہوں گے۔ البتہ فساد ظاہر ہو جانے پر ان پر تفریق واجب ہوگی۔ اگر فریقین خود تفریق اختیار نہ کریں تو عدالت ان میں تفریق کرائے گی اور سزا دینے کی مجاز ہوگی۔

۳۷۔ مطلقہ ثلاثہ کا بدون حلالہ اپنے سابق شوہر سے نکاح جدید حرام ہے۔

مطلقہ ثلاثہ سے نکاح

۳۸۔ ایسی عورت سے نکاح جو حاملہ ثابت النسب ہو باطل ہے۔

حاملہ ثابت النسب سے نکاح

۳۹۔ اگر کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ زنا کرے تو زانیہ کی ماں اور بیٹی سے اس مرد کا نکاح حرام ہے۔

زانیہ کی ماں اور بیٹی سے نکاح

۴۰۔ متعہ حرام ہے۔

متعہ

۴۱۔ نکاح موقت باطل ہے۔

نکاح موقت

۴۲۔ نکاح دیوانی (سول میرج) جو احکام شریعت کے مطابق نہ ہو کالعدم ہے۔

نکاح دیوانی

پانچواں باب

ولایت نکاح

۴۳۔ نابالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح عدالت مجاز کی اجازت سے ان کے ولی کر سکتے ہیں۔

نابالغ کا نکاح

توضیح: نابالغ پر حق ولایت اس کے بالغ ہو جانے پر ختم ہو جاتا ہے۔

۴۴- ہر عاقل و بالغ مسلمان جس کو بلحاظ احکام شرع حق ولایت پہنچتا ہو ولی نکاح ہو سکتا ہے۔

توضیح: مسلمان کا ولی کوئی کافر یا مرتد نہیں ہو سکتا۔

۴۵- نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کر دینے کا اختیار علی الترتیب حسب ذیل اشخاص کو حاصل ہوگا:

(۱) باپ۔

(۲) دادا (خواہ کتنی ہی اگلی پشت کا ہو)

(۳) سگا بھائی۔

(۴) علاقہ بھائی۔

(۵) سگا بھتیجا۔

(۶) علاقہ بھتیجا۔

(۷) سگا چچا۔

(۸) علاقہ چچا۔

(۹) سگا چچا زاد بھائی۔

(۱۰) علاقہ چچا زاد بھائی اور اسی طرح دوسرے عصبات

(پدری رشتہ داران) بہ ترتیب وراثت۔

(۱۱) ماں۔

(۱۲) بیٹے کی بیٹی۔

(۱۳) بیٹی کی بیٹی۔

(۱۴) پوتے کی بیٹی۔

(۱۵) بیٹی کی نواسی۔

(۱۶) سگی بہن۔

(۱۷) سوتیلا بھائی۔

(۱۸) سوتیلی بہن۔

مجموعہ قوانین اسلام

(۱۹) دیگر ذوی الارحام (مادری رشتہ داران) بہ ترتیب وراثت۔

(۲۰) حاکم وقت یا قاضی۔

۴۶۔ قریب تر ولی کی موجودگی میں بعید تر ولی کا حق ولایت معدوم ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر قریب تر ولی غیبت منقطعہ پر ہو تو بعید تر ولی مولیٰ علیہ کا نکاح کر دینے کا مجاز ہوگا۔

۴۷۔ اگر ولی اقرب موجود ہو مگر نا بالغ کا نکاح ولی ابعداً کر دے تو اس کا کیا ہوا نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا۔

۴۸۔ اگر دو ہم درجہ ولی ہوں اور ان میں سے کوئی ایک مولیٰ علیہ کا نکاح کر دے تو نکاح جائز ہوگا۔

قریب تر ولی کی موجودگی میں بعید تر ولی کا حق ولایت

ولی اقرب کی موجودگی میں ولی ابعداً کا کیا ہوا نکاح

دو ہم درجہ اولیاء کی صورت میں ایک کے نکاح کر دینے کا اثر

چھٹا باب

خیار بلوغ

۴۹۔ نابالغ لڑکے یا لڑکی کا بہ زمانہ نابالغی ولی کے کیے ہوئے نکاح کو بالغ ہو جانے پر رد کر دینے کا اختیار ”خیار بلوغ“ کہلاتا ہے۔

خیار بلوغ کی تعریف

۵۰۔ نابالغ لڑکے یا لڑکی کو اس کے ولی کے کیے ہوئے نکاح کو رد کرنے کے لیے خیار بلوغ کے استعمال کا حق حاصل ہے خواہ وہ نکاح اس کے باپ دادا یا کسی بھی ولی کا کیا ہوا ہو۔

خیار بلوغ کا حق

۵۱۔ اگر لڑکے یا لڑکی کا نکاح بزمانہ نابالغی ان کے جائز ولی

فسخ نکاح کی ڈگری

نے کرایا ہو تو وہ بالغ ہو جانے پر خیار بلوغ کے ذریعہ عدالت سے فسخ نکاح کی ڈگری حاصل کرنے کے مجاز ہوں گے۔

خیار بلوغ کے استعمال کا وقت

۵۲۔ لڑکا یا لڑکی زمانہ نابالغی میں ولی کے کیے ہوئے نکاح کو ناپسند کرنے کی صورت میں اندرون مدت ۳ سال بعد بلوغ یا علم نکاح یا ۱۸ سال کی عمر کو پہنچنے پر (جو مدت بھی زیادہ ہو) خیار بلوغ کا حق استعمال کرنے کے مجاز ہوں گے۔

خیار بلوغ کا حق کب ساٹھ ہو جائے گا

۵۳۔ باکرہ عورت کا خیار بلوغ زائل ہو جائے گا، اگر وہ نکاح کے علم کے باوجود بعد بلوغ مرد کو جماع کی اجازت دے یا اس سے کوئی ایسا فعل یا ترک فعل سرزد ہو جس سے صراحتاً یا معناً یہ ظاہر ہوتا ہو کہ اس نے نکاح کو رد نہیں کیا۔

توضیح: اگر جماع بزمانہ نابالغی یا بغیر رضامندی کے کیا گیا ہو تو خیار بلوغ پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔

۵۴۔ مرد یا ثیبہ عورت کا خیار بلوغ اس وقت تک زائل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ بعد بلوغ صراحتاً نکاح پر اپنی رضامندی ظاہر نہ کر دے۔

ثیبہ کا خیار بلوغ

ساتواں باب

کفات

۵۵۔ کفو وہ شخص کہلاتا ہے جو مذہب، نسب، آزادی، پیشہ، دیانت اور تمول میں ہم سر ہو۔

کفو کی تعریف

۵۶۔ نکاح میں مرد کا عورت کے لیے کفو ہونا ضروری ہوگا۔ عورت کا مرد کے لیے کفو ہونا ضروری نہیں۔

کفات کا اطلاق

امور کفأت

۵۷۔ امور کفأت حسب ذیل ہیں :

- (۱) اسلام - (۲) نسب -
 (۳) آزادی - (۴) حرفہ (پیشہ) -
 (۵) دیانت ، اور - (۶) تمول -

کفأت کا لحاظ

۵۸۔ کفأت کا لحاظ نکاح کے وقت کیا جائے گا۔

۵۹۔ اگر بالغہ عورت نے اپنا نکاح غیر کفو سے کر لیا تو نکاح صحیح ہوگا البتہ ولی عصبہ بر بنائے عدم کفأت عدالت کے ذریعہ نکاح فسخ کرنے کا حقدار ہوگا۔

کفأت اور صحت نکاح

۶۰۔ ولی کا حق اعتراض نکاح کے علم کے ایک سال بعد یا عورت

کے بچہ پیدا ہو جانے پر (جو پہلے واقع ہو) ساقط ہو جائے گا۔

ولی کا حق اعتراض
کب ساقط ہوگا

۶۱۔ عدم کفأت کی بناء پر تفریق بحکم عدالت ہوگی۔

عدم کفأت کی بناء
پر تفریق

۶۲۔ عدم کفأت کی بناء پر تفریق بمنزلہ فسخ نکاح ہوگی۔

عدم کفأت کی بناء پر
تفریق کا اثرآٹھواں بابخلوت صحیحہ

۶۳۔ خلوت صحیحہ کے معنی ہیں مرد و عورت دونوں کا

کسی ایسی جگہ ، مکان ، یا حصہ مکان میں تنہا جمع ہونا ، جہاں باہم صحبت کرنے سے کوئی جسمی ، طبعی یا شرعی مانع موجود نہ ہو۔

خلوت صحیحہ کی
تعریف

توضیح : وہ جگہ ، مکان یا کمرہ ایسا ہو جہاں دونوں کی

اجازت کے بغیر کسی کے اندر آنے یا دیکھنے کا کھٹکا نہ ہو۔
۶۴۔ (الف) خلوت صحیحہ اپنے اثر کے اعتبار سے حسب ذیل صورتوں میں وطی (صحبت) کی قائم مقام متصور ہوگی :

(۱) کل مہر کے لازم ہونے میں۔

(۲) نسب اولاد ثابت ہونے میں۔

(۳) عدت کے واجب ہونے میں۔ اور

(۴) نفقہ دوران عدت کے واجب ہونے میں۔

(ب) حسب ذیل صورتوں میں وطی (صحبت) کے قائم مقام

متصور نہ ہوگی :

(۱) بکارت زائل ہونے میں۔

(۲) سنگ ساری کے حکم میں۔

(۳) زوجہ کی لڑکی (پہلے شوہر سے) کے حرام

ہونے میں۔

(۴) رجعت میں۔ اور

(۵) میراث میں۔

۶۵۔ خلوت فاسدہ کے معنی ہیں مرد و عورت دونوں کا کسی ایسی تنہا جگہ، مکان یا حصہ مکان میں جمع ہونا جہاں ان کی اجازت کے بغیر کسی کے اندر آنے یا دیکھنے کا کھٹکا نہ ہو لیکن دونوں کو یا ان میں سے کسی ایک کو حقیقتاً صحبت کرنے پر قدرت نہ ہو۔

۶۶۔ خلوت فاسدہ کی صورت میں عدت اور نفقہ استحساناً

واجب ہوگا۔

نوال باب

مہر

۶۷۔ مہر اس مالی منفعت کا نام ہے جو عورت شرعاً مرد سے بعوض نکاح پانے کی مستحق ہوتی ہے۔

مہر کی تعریف

۶۸۔ مہر کی کم از کم مقدار ساڑھے تین روپے پاکستانی یا اس کے مساوی قیمت کی کوئی شے ہے۔ زائد کی کوئی حد نہیں۔

مہر کی مقدار

۶۹۔ مہر کی اقسام حسب ذیل ہیں:

اقسام مہر

(۱) مہر مسمیٰ۔

(۲) مہر مثل۔

مہر مسمیٰ: اس مہر کو کہتے ہیں جو بوقت نکاح یا بعد نکاح مابین زوجین مقرر ہوا ہو۔ اس کی حسب ذیل دو قسمیں ہیں:

(۱) مہر معجل۔ (ب) مہر موجل۔

مہر معجل: اس مہر کو کہتے ہیں جو بوقت نکاح فوری ادا کر دیا جائے یا عندالطلب قابل ادا ہو۔

مہر موجل: اس مہر کو کہتے ہیں جو طلاق یا زوجین میں سے کسی ایک کی وفات پر قابل ادا ہو۔

مہر مثل: مہر مثل امثال و اقران کے مہر کو کہتے ہیں جو اس عورت کے مثل عورت کا مقرر ہوا ہو۔

۷۰۔ اگر معاہدہ نکاح میں مہر کا تذکرہ نہ کیا گیا ہو تو شرعاً مہر لازم تصور کیا جائے گا اور مرد پر مہر مثل واجب ہوگا۔

لزوم مہر

توضیح: اگر نکاح اس شرط کے ساتھ کیا جائے کہ نکاح میں کوئی مہر نہ ہوگا تو شرط ساقط ہوگی اور مہر مثل واجب ہوگا۔

۷۱۔ مہر کی ادائیگی کی ذمہ داری براہ راست شوہر پر عائد ہوگی الا یہ کہ نکاح بحالت صغر سنی اس کے ولی نے کیا ہو، ایسی صورت میں اس کی ذمہ داری ولی پر ہوگی۔

مہر کی ذمہ داری

توضیح: شوہر کے بالغ ہونے پر نکاح کے قائم رکھنے کی صورت میں مہر کی ذمہ داری شوہر پر ہوگی اور ولی بری الذمہ ہو جائے گا۔

۷۲۔ معاہدہ نکاح میں مہر کی ادائیگی کے بارے میں کوئی صراحت نہ ہونے کی صورت میں پورا مہر مہر معجل متصور ہوگا۔

عدم صراحت کی صورت میں مہر کی ادائیگی

۷۳۔ خلوت صحیحہ کے بغیر طلاق کی صورت میں مرد کے ذمہ نصف مہر مسمیٰ واجب ہوگا۔

خلوت صحیحہ کے بغیر طلاق کی صورت میں مہر کا وجوب

توضیح: (ا) اگر کوئی مہر مقرر نہ ہو تو عورت کو متعہ (ایک جوڑا کپڑا) دیا جائے گا۔

(ب) اگر فسخ نکاح کی ذمہ داری عورت پر ہو تو وہ کچھ مہر پانے کی مستحق نہ ہوگی۔

۷۴۔ حسب ذیل صورتوں میں کل مہر متاكد اور فی الفور واجب ہو جائے گا۔

خلوت صحیحہ کے بعد مہر کا وجوب

(ا) خلوت صحیحہ کے بعد۔

(ب) کسی ایک کی وفات واقع ہونے پر۔

۷۵۔ خلوت صحیحہ کے بعد طلاق یا فسخ نکاح کی صورت میں کل مہر فی الفور واجب ہو جائے گا۔

خلوت صحیحہ کے بعد طلاق کی صورت میں مہر کی ادائیگی

۷۶۔ نکاح صحیح کے دوران زوجین میں سے کسی ایک کی وفات کی صورت میں کل مہر واجب الادا ہو جائے گا، بلا لحاظ اس کے کہ خلوت صحیحہ ہوئی ہو یا نہ۔

وفات واقع ہو جانے پر
مہر کا وجوب

۷۷۔ قیام نکاح کے دوران :

مہر میں کمی یا زیادتی

(ا) زوجہ اپنے مہر میں کمی کر سکتی ہے۔

(ب) شوہر مہر مقررہ میں زیادتی کر سکتا ہے۔

۷۸۔ بالغہ عورت کو مہر وصول کرنے کا خود اختیار حاصل

مہر وصول کرنے کا
اختیار

ہے۔ نابالغہ ہونے کی صورت میں اس کا شوہر یا ولی مہر معجل کو (بصورت ادائی) عدالت میں جمع کرانے کا پابند ہوگا۔

۷۹۔ زوجہ بالغہ اپنے مہر کا کل یا جزو ہبہ یا معاف کر سکتی ہے۔

زوجہ کا مہر کے ہبہ
کرنے کا اختیار

توضیح : اگر زوجہ نابالغہ ہو تو اس کا ولی مہر کو معاف یا بحق شوہر ہبہ نہیں کر سکتا۔

عدم ادائی مہر معجل
کی ہنساء پر زوجہ کا
زلاشوئی سے انکار

۸۰۔ زوجہ کو تا ادائی مہر معجل شوہر کے ساتھ رہنے اور وظیفہ زوجیت ادا کرنے سے انکار کا حق حاصل ہوگا، خواہ پہلے صحبت ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

مہر کی نوعیت

۸۱۔ مہر کی نوعیت ایک قرض کی ہے جو تمام حقوق وصیت و وراثت پر مقدم ہے۔

عدم ادائی مہر کی
صورت میں بیوہ کا متوفی
کی جائداد پر قبضہ
رکھنے کا حق

۸۲۔ عدم ادائی مہر کی صورت میں بیوہ کو متوفی کی جائداد پر تا ادائی مہر قبضہ رکھنے کا حق حاصل ہوگا۔

توضیح : یہ واقعہ کہ بیوہ پر بنائے دین مہر متوفی کی جائداد پر قابض ہے اس امر میں مانع نہ ہوگا کہ وہ اپنے مہر کی وصول یابی کا مقدمہ متوفی کے ورثاء پر دائر کرے۔

سوال باب

نقہ

۸۳- نفقہ جس زوجہ کا معاوضہ ہے جس میں خوراک ، لباس اور مکان شامل ہے۔

نقہ کی تعریف

۸۴- شوہر پر اپنی زوجہ کا نفقہ بر بنائے تسلیم نفس واجب ہے۔

نقہ کی شرعی حیثیت

۸۵- مرد پر حسب ذیل صورتوں میں اپنی زوجہ کا نفقہ واجب ہوگا :-

شرائط وجوب

(۱) جب کہ نکاح صحیح ہو۔

(۲) جب کہ عورت نے خود کو مرد کے اختیار میں دے دیا ہو۔

(۳) جب کہ زوجہ مشقت جاع کو برداشت کر سکتی ہو ، خواہ شوہر نا بالغ ہو یا اس سے صحبت کرنے پر قادر نہ ہو۔

(۴) جب کہ زوجہ اپنے باپ کے گھر میں مقیم ہو مگر شوہر نے اسے اپنے گھر آنے کی دعوت نہ دی ہو یا بغیر وجہ جائز کے گھر بلانے سے منع کرتا ہو۔

(۵) جب کہ عورت بر بنائے عدم ادائیگی مہر معجل یا کسی دیگر جائز سبب کی بناء پر شوہر کے گھر آنے سے انکاری ہو ، خواہ صحبت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

۸۶- حسب ذیل صورتوں میں مرد پر عورت کا نفقہ واجب نہ ہوگا :-

(۱) جب کہ زوجہ اتنی کم عمر ہو کہ جامع کی مشقت کو برداشت نہ کر سکتی ہو ، لیکن اگر زوجہ پاگل ہو جائے یا ایسی بڑھیا ہو جائے کہ جامع کے قابل نہ رہے تو نفقہ کا وجوب قائم رہے گا۔

(۲) جب کہ عورت اس قدر بیمار ہو کہ بعد عقد رخصت ہو کر مرد کے گھر نہ آسکتی ہو ، لیکن اگر شوہر کے گھر میں بیمار ہو تو نفقہ واجب ہوگا۔

(۳) جب کہ عورت شوہر کی اجازت کے بغیر حج کو جانے الایہ کہ حج واجب ہو۔

(۴) جب کہ عورت کاریگر یا ملازم ہو اور شوہر کے منع کرنے کے باوجود گھر سے باہر رہتی ہو۔

(۵) جب کہ عورت قید میں ہو ، البتہ شوہر کے قید میں ہونے کے سبب عورت اپنے نفقہ کے حق سے محروم نہ ہوگی۔

(۶) جب عورت ناشزہ (نافرمان) ہو اور شوہر کی اجازت کے بغیر بلا وجہ جائز اس کے گھر سے نکل جائے ، یا اگر مکان عورت کی ملکیت ہو تو شوہر کو مکان میں داخل ہونے اور اپنے ساتھ رہنے سے منع کرے۔

توضیح : عورت اگرچہ ناشزہ ہو مگر شوہر کے گھر میں رہتی

ہو تو بغرض نفقہ ناشزہ نہیں کہلائے گی خواہ وہ مرد کو ہم بستر ہونے سے منع کرتی ہو۔

(۷) نکاح فاسد میں وطی بالشبہ کی صورت میں فساد نکاح ظاہر ہو جانے پر، ماسوائے نکاح بلا شہود کے۔

(۸) جب عورت بلا وجہ جائز شوہر سے علیحدہ رہے یا اس کے ساتھ دوسرے شہر جانے سے انکار کرے۔
الآ یہ کہ مہر معجل ادا طلب ہو یا کوئی معاہدہ جائز مابین فریقین موجود ہو۔

(۹) جب کہ عورت مرتد ہوگئی ہو۔

(۱۰) جب کہ تفریق عورت کی معصیت کے سبب واقع ہوئی ہو۔

(۱۱) جب کہ بوجہ وفات عدت میں ہو۔

استثنا: اگر بیوہ حاملہ ہو تو وضع حمل تک نفقہ واجب ہوگا۔

(۱۲) جب کہ کوئی عورت کو غصب کر کے لے جائے۔

نفقے کی مقدار

۸۷۔ زوجہ کے نفقے میں شوہر اور زوجہ دونوں کے مرتبے اور حیثیت کا لحاظ کیا جائے گا۔ اگر دونوں کی حیثیت میں فرق ہو تو اوسط درجے کا نفقہ دلایا جائے گا۔

گزشتہ زمانے کا نفقہ

۸۸۔ عورت کو حق ہو گا کہ وہ شوہر سے گزشتہ زمانے کے نفقہ کے جائز اخراجات کی ادائیگی کا مطالبہ کرے۔

۸۹۔ اگر شوہر غائب ہو تو زوجہ شوہر کے نام پر قرض لے کر اپنا نفقہ مہیا کر سکتی ہے اور قرض خواہ اس کے شوہر سے

مرد کے غیاب میں

نفقہ

وصول کر سکتا ہے ، بشرطے کہ نفقہ عدالت کی جانب سے مقرر کردہ ہو ۔

قید بسبب عدم ادائی
نفقہ

۹۰۔ اگر مرد عورت کے نفقہ کی فراہمی سے مسلسل غفلت اور کوتاہی برتتا ہو تو عورت عدالت میں نفقہ کی عدم ادائی کی صورت میں مرد کو قید کیے جانے کی درخواست پیش کرنے کی مجاز ہو گی ۔

ابراہ نفقے کا معاہدہ

۹۱۔ زوجین کے درمیان یہ معاہدہ یا زوجہ کا یہ اقرار کہ مرد پر نفقہ واجب نہ ہو گا یا وہ نفقہ نہ لے گی ، باطل ہو گا ۔

تفریق بر بنائے تنگدستی

۹۲۔ کسی عورت کو یہ حق نہ ہو گا کہ وہ شوہر کی تنگدستی کے سبب تفریق کی طالب ہو الا یہ کہ حاکم عدالت اس نتیجے پر پہنچے کہ معاش کا مستقبل قریب میں کوئی امکان نہیں اور عورت کے معصیت میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے ۔

شرح
قانونِ نکاح

پہلا باب ابتدائی

نام
اطلاق

۱۔ اس مجموعہ کا نام ”مجموعہ قوانین اسلام“ ہوگا۔

۲۔ (۱) قانون ہذا کا اطلاق جملہ مسلمانوں اور ان غیر مسلم عورتوں پر ہوگا، جن سے مسلمان مرد کا نکاح جائز ہے اور جو شرعاً جائز طریقہ پر مسلمان مردوں کے نکاح میں آجائیں۔

(۲) قانون ہذا اور قانون نافذالوقت میں اگر مغائرت یا تضاد پایا جائے تو قانون نافذالوقت غالب رہے گا، الایہ کہ اسے منسوخ کر دیا جائے یا ترمیم کے ذریعہ قانون ہذا کے مطابق بنا دیا جائے۔

(۳) اگر کسی مسئلہ میں کوئی شرعی حکم قانون نافذالوقت یا قانون ہذا میں موجود نہ ہو تو شریعت اسلامیہ کی مبادیات کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

(۴) شریعت اسلامیہ کی مبادت میں حکم نہ ہونے کی صورت میں عرف عام و نظائر عدالت کی روشنی میں مناسب حکم جاری کیا جائے گا۔

(۵) اگر مذکورہ بالا صورتوں میں کوئی بھی صورت ممکن نہ ہو تو عدالتیں اجتہاد سے کام لیں گی :
مگر شرط یہ ہے کہ اجتہاد قرآن و سنت کے تابع اور ادلہ شرعیہ کا پابند ہوگا :

۳۔ جو کوئی شخص خدا کو ایک اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ

مساہان کی تعریف

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۴]

علیہ وسلم کو آخری نبی مالتا ہو اور خود کو مسلمان کہتا ہو، مسلمان ہے۔

تعریف نکاح

۴۔ نکاح ایک شرعی معاہدہ ہے جس کے ذریعہ مرد و عورت کے درمیان جنسی تعلق جائز اور اولاد کا نسب صحیح ہو جاتا ہے اور زوجین کے مابین دیوانی حقوق و فرائض پیدا ہو جاتے ہیں۔

تشریح

نکاح کے لغوی معنی ”ملانا“ اور حقیقی معنی ”جاء“ کے ہیں۔ نکاح کو قرآن پاک میں ”حصن“ یعنی قلعہ سے تعبیر کیا گیا ہے جس سے مراد زوجین کی عفت و عصمت کا تحفظ ہے۔

کتب فقہ میں نکاح کی تعریف:

ہدایہ میں نکاح کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ نکاح ایک معاہدہ ہے جس کا مقصد جائز اولاد پیدا کرنا ہے^۱۔ کنزالدقائق میں نکاح کو ایک ایسا معاہدہ کہا گیا ہے جو عورت سے حصول تمتع کی خاطر مالک ہونے کے لیے کیا جاتا ہے^۲۔ یہی تعریف فتاویٰ عالمگیری میں بھی بیان کی گئی ہے^۳۔ اسی طرح وقایہ میں بھی نکاح کو ایک ایسے معاہدے سے تعبیر کیا گیا ہے جو اس تمتع کے حلال ہونے کے واسطے، جو مرد کو عورت سے حاصل ہوتا ہے، وجود میں آتا ہے^۴۔ ملک شام کے عائلی قانون میں

(۱) ہدایہ (انگریزی) چارلس ہملٹن، صفحہ ۲۵۔

(۲) ”النکاح عقد برد علی ملک المتعة قصداً“ (کنزالدقائق، مطبع مجتہدانی

دہلی، کتاب النکاح، صفحہ ۹۷) یہ تعریف مبہم اور ناقص ہے (مؤلف)

(۳) فتاویٰ عالمگیری (عربی) مطبع مجیدی کانپور، جلد ۲ کتاب النکاح صفحہ ۱۔

(۴) شرح وقایہ (اردو ترجمہ) ملک سراج الدین اینڈ سنز، لاہور، جلد ۲ کتاب النکاح، صفحہ ۳۶۳۔

نکاح کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ نکاح مرد و عورت کے درمیان ایک معاہدہ ہے جس سے عورت مرد کے لیے حلال ہو جاتی ہے، اس کا مقصد باہمی زندگی اور توالد و تناسل کا رشتہ پیدا کرنا ہے۔

فی الحقیقت نکاح ایک شرعی معاہدہ ہے جس کے نتیجے میں زوجین کو ایک دوسرے پر ہر ایسے استمتاع کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے جس کی شرع نے اجازت دی ہو۔

معاہدہ نکاح کی نوعیت اور عدالتیں :

جہاں تک معاہدہ نکاح کی نوعیت کا تعلق ہے اس بارے میں عدالت ہائے عالیہ ہند و پاک اور پریوی کونسل کا زمانہ دراز سے یہ نقطہ نظر رہا ہے کہ دیگر عام معاہدات کی طرح نکاح ایک دیوانی معاہدہ ہے چنانچہ غیر منقسم ہندوستان کے مشہور جج جسٹس محمود نے تقریباً اسی (۸۰) سال قبل بمقدمہ عبدالقادر بنام سلیمہ بیۓ اسلامی قانون میں نکاح کی نوعیت پر بحث کرتے ہوئے اس سے اتفاق کیا کہ ”مسلمانوں میں نکاح ایک مذہبی رسم نہیں بلکہ ایک خالص دیوانی معاہدہ ہے“۔ دراصل یہ تصور شاما چرن سرکار (ٹیگور لاء لیکچرز، ۱۸۷۳ع) کے نقطہ نظر کی تائید میں قائم کیا گیا، کیوں کہ اسلامی نکاح میں ہندوؤں کی طرح کسی مذہبی رسم کی ضرورت نہیں ہے۔ جسٹس محمود کے اس نقطہ نظر کو اختیار کرنے کے بعد ہند و پاک کی تقریباً تمام ہی عدالتوں نے نکاح کو ایک خالص دیوانی معاہدہ قرار دیا حالانکہ

(۵) "الزواج عقد بین رجل وامرأة تعل له شرعاً، غاية انشاء رابطة للحياة

المشتركة والنسل" (قانون الاحوال الشخصية، دمشق)۔

(۶) (۱۸۸۶ع) ۸- الہ آباد، صفحہ ۱۳۹۔

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۴۴]

اسلامی نکاح کو خالص دیوانی معاہدہ کہنا اسلامی تصور نکاح کے ساتھ سراسر زیادتی اور کھلی بے انصافی ہے۔

البتہ کراچی کے ایک مقدمہ محمد یاسین بنام خوشنا خاتون میں جسٹس قدیرالدین احمد نے معاہدہ نکاح کی نوعیت پر بحث کرتے ہوئے واضح الفاظ میں لکھا کہ ”اگر مذہبی رسم نکاح کا کوئی لازمی جزو نہیں ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ نکاح اپنے اندر کوئی مقدس پہلو نہیں رکھتا یا اس کے ساتھ مذہب کا تقدس اور خداوند تعالیٰ کی خوشنودی شامل نہیں! فی الحقیقت نکاح کے ساتھ روحانیت کے اعلیٰ ترین سرچشموں سے ایک تقدس وابستہ ہے جو شروع سے آخر تک حقوق و فرائض کے تصورات کا تابع ہے۔ ان حقوق و فرائض کو اس تقدس سے، جو ان کی خاصیت میں ہے، مبرا خیال کیا جائے تو یہ حقوق و فرائض بے حرمت ہو جائیں گے اور اپنے امتیازی خاصہ میں اسلامی نہ رہیں گے۔“

صحیح نقطہ نظر :

جسٹس قدیرالدین احمد کا یہ نقطہ نظر کہ شریعت اسلامیہ میں نکاح کی حیثیت محض ایک دیوانی معاہدے (Civil Contract) کی نہیں ہے بلکہ اس میں مذہبی تقدس بھی ہے، صحت پر مبنی ہے۔ کیوں کہ مسلمانوں کے نکاح سے صرف تمدنی اور عمرانی فوائد ہی نہیں بلکہ دینی اور روحانی فوائد بھی مقصود ہیں۔

نکاح — ایک شرعی معاہدہ :

حقیقت یہ ہے کہ نکاح ایک مقدس شرعی معاہدہ ہے البتہ جو حقوق و فرائض مابین زوجین پیدا ہوتے ہیں وہ دیوانی نوعیت

(۷) -۲ کراچی ویکلی لاء رپورٹر، نمبر ۲۹ (۱۹۶۰ع) صفحہ ۶۵ -

کے حامل ہیں اور عدالتوں کے ذریعہ نافذ کرائے جا سکتے ہیں؛ لیکن محض حقوق کے دیوانی ہونے کی بناء پر نکاح کو خالص دیوانی (Civil) یا عمرانی (Social) معاہدہ نہیں کہا جا سکتا۔ وہ حقوق کسی ملک کے قانون ساز ادارے نے عطا نہیں کیے بلکہ ایجاب و قبول سے جو معاہدہ نکاح مشہود ہوتا ہے اس کے ساتھ ہی وہ جملہ حقوق و ذمہ داریاں ایک دوسرے سے وابستہ ہو جاتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے فرمان اور شارع علیہ السلام کی ہدایات پر مبنی ہیں۔ اسی لیے فقہاء اسلام نے نکاح کو معاملات اور عبادات دونوں میں داخل کیا ہے۔

نکاح — ایک شرعی حکم :

نکاح کو سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت کہا ہے^۸۔ چنانچہ حالت اعتدال میں نکاح سنت موکدہ اور جب کہ زنا میں پڑ جانے کا خوف ہو اور مرد عورت

(۸) " قال صلی اللہ علیہ وسلم النکاح سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی ای

لیس علی طریقتی " (المبسوط ' سرخسی ' مصر ' جلد ۴ صفحہ ۱۹۳)۔

"واتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی" (کتاب السنن الکبریٰ

بیہقی ' مطبوعہ حیدرآباد دکن ' جلد ۷ ' صفحہ ۷۷)۔

"من کان موسراً لا ینکح فلم ینکح فایس منا" (کتاب السنن الکبریٰ

بیہقی ' مطبوعہ حیدرآباد دکن ' جلد ۷ ' صفحہ ۷۸)۔

"عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه کان یقول لا ضرورة

فی الاسلام" (مسند ابن حنبل ' جلد ۴ ' حدیث نمبر ۲۸۳۵ ' مطبوعہ دارالمعارف

مصر)۔

" عن انس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من اعطی اللہ

ومنع اللہ واحب۔ وایغض اللہ وانکح اللہ فقد استکمل الایمان "۔ (مستدرک

للحاکم مطبوعہ دکن ' جلد ۲ ' کتاب النکاح ' صفحہ ۱۹۴)۔

کے سہر و نفقہ پر قادر ہو تو نکاح واجب ہے، جس کا نہ کرنا باعث گناہ ہے۔^۹

نکاح۔ ایک عبادت :

صحابہ کرام و حنفی فقہاء کے ظاہرا اقوال کے بموجب نکاح کی مشغولیت نفل نماز سے افضل ہے^{۱۰}۔

(۹) فتاویٰ عالمگیری (عربی) مطبوعہ مطبع مجیدی، کانپور، جلد ۲،

کتاب النکاح، صفحہ ۱۔

المغنی، مطبوعہ مصر، جلد ۶، کتاب النکاح، صفحہ ۳۳۶۔

(۱۰) بدائع الصنائع، الکاسانی، مطبوعہ مصر، جلد ۲، صفحہ ۲۲۸۔

المغنی، مطبوعہ مصر، جلد ۶، کتاب النکاح، صفحہ ۳۳۶۔

دوسرا باب مختلف فرقوں اور مذاہب کے افراد کے درمیان نکاح

مسلمان فرقوں میں نکاح
۵۔ مسلمانوں کے ہر فرقے کے مرد و عورت کے درمیان باہم نکاح جائز ہے۔

تشریح

ایک مسلمان مرد یا عورت خواہ اس کا تعلق کسی مسلمان فرقے یا مکتب فکر سے ہو، ایک دوسرے کے ساتھ آزادی کے ساتھ نکاح کر سکتے ہیں۔ چنانچہ مسلمان مرد یا عورت کا ایسے فرقوں سے، جن کو باجماع امت مسلم تصور کیا گیا ہے، متعلق ہونا مرد یا عورت کی قابلیت نکاح یا جواز نکاح کو متاثر نہیں کرتا اور باہم نکاح جائز ہوگا۔

البتہ اہل تشیع کے نزدیک ایک شیعہ عورت کا نکاح سنی مرد کے ساتھ مکروہ ہے^۱۔ اسی طرح سنیوں کے نزدیک بھی ایک سنی عورت کا نکاح شیعہ مرد کے ساتھ مکروہ ہے^۲۔

۶۔ (۱) کسی برعکس قانون کی عدم موجودگی میں، زوجین کا تعلق اگر مختلف فرقوں سے ہو تو ان کے ازدواجی حقوق و فرائض اس فرقے کے مطابق متعین ہوں گے جس کے وہ بوقت نکاح پابند ہوں، آلا یہ کہ انہوں نے یا ان میں سے کسی ایک نے اپنی مرضی سے اپنے فرقے کے مذہب کو چھوڑ کر دوسرے فرقے کے مذہب کو اختیار کر لیا ہو۔ اس صورت میں ان کے حقوق و فرائض اس تبدیل شدہ فرقے کے مطابق متعین ہوں گے۔

مختلف فرقوں سے متعلق
ہونے کی صورت میں
زوجین کے حقوق و
فرائض کا تعین

(۱) عزیزبانو بنام محمد ابراہیم، اے۔ آئی۔ آر، الہ آباد ۱۹۲۵ ع ص ۲۰۔

(۲) فتاویٰ عزیزبہ، مطبوعہ حیدرآباد دکن جلد ۱، صفحہ ۴۰۔

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۷

(۲) کسی برعکس قانون کی عدم موجودگی میں عدالتی کارروائی میں اس فرقے کے مذہب کے مطابق عمل ہوگا، جس سے مدعا علیہ متعلق ہو۔

تشریح

زوجین کے مختلف مسلم فرقوں سے متعلق ہونے کی صورت میں ہر فریق کے ازدواجی حقوق و فرائض کا تعین اس فرقے کے احکام کے مطابق ہوگا جس سے وہ بوقت نکاح متعلق تھا۔ چنانچہ نکاح کے بعد عورت اپنی جداگانہ حیثیت برقرار رکھ سکتی ہے اور اسے مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ شوہر کے فرقے کے احکام کی پیروی کرے۔ البتہ کوئی فریق اپنی مرضی سے اپنے فرقے کو چھوڑ کر دوسرے فرقے کے مذہب کو اختیار کر سکتا ہے۔ ایسی صورت میں اس کے حقوق و فرائض اس تبدیل شدہ فرقے کے مطابق متعین ہوں گے^۳ بشرطیکہ اس کے برعکس کوئی قانون نافذ نہ ہو۔

لیکن کسی برعکس قانون موضوعہ یا قانونی قوت رکھنے والے رواج کی عدم موجودگی میں عدالتی کارروائی میں اس قانون پر عمل ہوگا جس سے مدعا علیہ متعلق ہو۔

۷۔ مسلمان مرد کا کتابیہ عورت سے نکاح جائز ہے مگر کتابیہ حربیہ سے نکاح مکروہ ہے۔

کتابیہ سے نکاح

تشریح

مسلمان مردوں کا نکاح ان غیر مسلم عورتوں سے جائز ہے جو اہل کتاب ہوں۔ یعنی کسی آسمانی کتاب کی معتقد ہوں^۵۔

(۳) حسین بنام حمیدن، آئی۔ ایل۔ آر، ۴، الہ آباد، صفحہ ۲۰۵۔

(۴) عزیز بانو بنام محمد ابراہیم، اے۔ آئی۔ آر، ۱۹۲۵ع، الہ آباد، ص ۷۲۔

(۵) احکام القرآن، الجصاص، مصر، جزو اول صفحہ ۳۶-۳۳۲۔

المبسوط، سرخسی، مصر، جلد ۵ صفحہ ۵۰۔ [بقیہ صفحہ ۶۳ پر]

مختلف فرقوں اور مذاہب کے افراد کے درمیان نکاح

اہل کتاب سے بالعموم عیسائی و یہودی مذاہب کے پیرو

مراد ہیں۔

اگر کسی عورت کے باپ یا ماں میں سے ایک کتابی ہو اور

دوسرا مشرک، تب بھی وہ عورت کتابیہ کہلائے گی۔^۶

مگر امام شافعی و امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک

ایسی عورت کتابیہ نہ ہوگی اور اس سے نکاح حلال نہیں ہے۔

نکاح کتابیہ اور قرآن:

کتابیہ عورتوں سے نکاح کی اجازت خود قرآن پاک میں دی

گئی ہے۔ چنانچہ چھٹے پارے میں سورہ مائدہ کی پانچویں آیت میں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”والمحصنات من المؤمنات والمحصنات من الذین

اوتوا الکتب من قبلکم“ یعنی (حلال ہیں) پاک دامن عورتیں جو

مسلمان ہوں اور پاک دامن عورتیں ان میں سے بھی جن کو تم سے

پہلے کتاب دی گئی۔

ابن عمر کا مسلک:

کتابیہ عورتوں سے نکاح کے سلسلے میں ائمہ اربعہ کے درمیان

اختلاف نہیں پایا جاتا۔ البتہ صحابہ کرام میں ابن عمر کے متعلق

[بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۲]

کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعہ، مؤلفہ عبدالرحمان الجزیری،

مصر، جلد ۳ صفحہ ۱۹۹۔

کنزالدقائق، مطبع مجتہائی دہلی، کتاب النکاح، صفحہ ۹۹۔

شرح وقایہ (اردو ترجمہ) لاہور، جلد دوم، کتاب النکاح، صفحہ

۳۷۱-۷۲

قدوری، قرآن محل کراچی، کتاب النکاح، صفحہ ۱۳۸۔

(۶) ”و من کان احد ابوہ کتابیا والاخر مجوسیا کان حکمہ حکم اہل الکتاب

کذا فی البدائع“ (فتاویٰ عالمگیری، مطبع مجیدی کان پور، جلد ثانی،

کتاب النکاح، صفحہ ۸)۔

(۷) المغنی، مصر، جلد ۶، کتاب النکاح، صفحہ ۵۹۳۔

منقول ہے کہ وہ کتابیہ عورتوں سے مسلمانوں کے نکاح کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ دراصل ابن عمر سے تین قول منقول ہیں۔ ایک یہ کہ آپ نے فرمایا کہ اہل کتاب کے طعام میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن ان کی عورتوں سے نکاح مکروہ ہے^۸۔

ایک دوسری روایت یہ ہے کہ جب ان سے یہودی اور عیسائی عورتوں سے نکاح کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے مشرک عورتوں کو مسلمانوں پر حرام کر دیا ہے اور میں نہیں جانتا کہ اس سے بڑھ کر بھی کوئی شرک ہو سکتا ہے کہ عیسیٰ بن مریم یا کسی بندہ خدا کو خدا قرار دیا جائے“^۹۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے تیسری روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ میمون بن مہران نے آپ سے کہا کہ ہم لوگ ایسے خطہ ارضی میں رہتے ہیں جہاں اہل کتاب کے ساتھ میل جول ہے۔ ہم ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرتے ہیں اور ان کا کھانا کھاتے ہیں۔ یہ سن کر ابن عمر نے آیت تحلیل (والمحصنات من الذین اوتوا الکتب من قبلکم) اور آیت تحریم (ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن) پڑھ دیں۔ میمون بن مہران کہتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا کہ یہ تو میں بھی پڑھتا ہوں جو تم پڑھتے ہو لیکن ہم ان کی عورتوں سے

(۸) ”حدثنا جعفر بن محمد قال حدثنا جعفر بن محمد بن الیمان قال حدثنا ابو عبید قال حدثنا یحییٰ بن سعید عن عبید اللہ بن نافع عن ابن عمر انه کان یرى باسا بطعام اهل الكتاب وکره نکاح نسائهم“ - (احکام القرآن، الجصاص، سر، جزو اول، باب نکاح المشرکات، صفحہ ۳۳۲)۔

(۹) ”قال ابو عبید وحدثنا عبد اللہ بن صالح عن اللیث قال حدثنی عن ابن عمر انه کان اذا سئل عن نکاح اليهودیة والنصرانیة قال ان اللہ حرّم شرکات علی المسلمین قال فلا اعلم من الشرک شیئا اکبر اوقال اعظم من تقول ربها عیسیٰ او عبد من عبید اللہ“ - (احکام القرآن، الجصاص، مصر، اول، باب النکاح المشرکات، صفحہ ۳۳۲)۔

نکاح کرتے ہیں اور ان کا کھانا کھاتے ہیں۔ ابن مہران نے کہا ہے کہ ابن عمر نے آیت تحلیل اور آیت تحریم پھر پڑھ دیں۔

جصاص نے کتابیہ سے نکاح کے سلسلہ میں ابن عمر کے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے اپنی کتاب احکام القرآن^{۱۰} میں لکھا ہے کہ ابن عمر نے کتابیہ عورتوں سے نکاح کے حلال ہونے کے سلسلے میں جواب دینے سے احتراز برتا اور ان کا دونوں آیتوں کا بار بار پڑھنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنی کوئی حتمی رائے اس بارے میں قائم نہ کر سکے تھے۔ جہاں تک ابن عمر کے کتابیہ سے نکاح کو مکروہ قرار دینے کا تعلق ہے وہ تحریم کی بناء پر نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق اہل حرب کی کتابیہ عورتوں کے نکاح سے ہے۔

صحابہ اور تابعین کتابیہ عورتوں سے نکاح کے جواز کے قائل تھے۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیوی نائلہ بوقت نکاح عیسائی تھیں اور طلحہ ابن عبید اللہ نے شام کی ایک یہودی عورت سے شادی کی تھی۔ اسی طرح حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ نے بھی ایک یہودی عورت سے نکاح کیا تھا۔

مذکورہ بالا نکاحوں کا ذکر کرتے ہوئے جصاص نے اپنی مذکورہ کتاب^{۱۱} میں لکھا ہے کہ اگر کتابیہ سے نکاح ناجائز ہوتا تو یہ صحابہ ان عورتوں سے ہرگز نکاح نہ کرتے۔ جصاص نے لکھا ہے: 'تابعین مثلاً الحسن، ابراہیم اور شعبی وغیرہ کتابیہ عورتوں سے نکاح کے جواز کے قائل ہیں اور ہمیں صحابہ اور تابعین میں سے ایک شخص بھی ایسا نہیں ملتا جو کتابیہ سے نکاح کی تحریم

(۱۰) الجزء الاول، باب النکاح المشرکات، صفحہ ۳۳۳۔

(۱۱) احکام القرآن، الجصاص، مصر، جزء الاول، باب النکاح المشرکات،

کا قائل ہو۔ چنانچہ ابن عمر سے جو کچھ مروی ہے اس سے ہرگز یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ وہ کتابیہ عورتوں سے نکاح کو ناجائز قرار دیتے تھے۔ البتہ وہ کتابیہ عورتوں سے نکاح میں کراہت کے ضرور قائل تھے اور وہ کراہت کسی حرمت کی بناء پر نہ تھی بلکہ اس مصلحت کی بناء پر تھی کہ مبادا بدکار کتابیہ عورتیں مسلمانوں کے ایمان اور اخلاق کو خراب کر دیں۔

کتابیہ عورتوں سے نکاح کے جواز کے سلسلے میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کے دل میں شبہ پیدا ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک ”والمحصنات من الذین اوتوا الکتب من قبلکم“ سے اہل کتاب میں سے وہ عورتیں مراد ہیں جو مسلمان ہو جائیں۔ چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی تفسیر ”والمسلمت“ سے کرتے ہیں۔ لیکن اس مسئلے میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی رائے درست نہیں۔ اس کی بناء پر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں کے لیے اس آیت سے پہلے ”والمحصنات من المؤمنات“ کہہ کر مسلمان عورتوں کو کتابیہ عورتوں سے ممیز کر دیا ہے اور ظاہر ہے کہ مومنات میں پیدائشی مسلمان عورتیں اور وہ عورتیں جو کافر تھیں یا عیسائی یا یہودی تھیں اور مسلمان ہو گئیں دونوں شامل ہیں۔ دوسرے، قرآن پاک مشرکین و کفار، اور اہل کتاب اور مومنین کا علیحدہ علیحدہ ذکر کرتا ہے اور قرآن پاک میں یہ تینوں گروہ علیحدہ علیحدہ نظر آنے ہیں۔ اس لیے اہل کتاب کو مشرکین پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اندرین صورت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق پہلا قول کہ وہ کتابیہ عورتوں سے نکاح کو مکروہ قرار دیتے ہیں راجح ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا لفظ نظر:

صحابہ کرام میں ابن عباس کے متعلق یہ منقول ہے کہ ان کے

نزدیک صرف ان کتابی عورتوں سے مسلمانوں کو نکاح کی اجازت ہے جو پاک دامن ہوں اور اسلامی حکومت کی رعایا ہوں۔ چنانچہ ان کے نزدیک دارالحرب اور دارالکفر کی کتابیہ عورتوں سے نکاح درست نہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ کتاب کے اس گروہ سے جو دارالحرب کے رہنے والے ہوں یعنی اسلامی حکومت کے باہر رہتے ہوں جنگ کا حکم دیا ہے۔ نیز یہ کہ جو لوگ خدا اور رسول کے دشمن ہوں ان سے محبت رکھنا اہل ایمان کا شیوہ نہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ اپنی اس دلیل کے ثبوت میں قرآن پاک کی حسب ذیل آیتوں کو پیش کرتے ہیں :

(۱) ”قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الآخر ولا یحرمون

ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین

اوتوا الكتاب حتی یعطوا الجزیة عن یدوہم صاغرون“ ۱۲۔

ترجمہ : اہل کتاب جو کہ نہ خدا پر (پورا پورا) ایمان رکھتے

ہیں اور نہ قیامت کے دن پر اور نہ ان چیزوں کو حرام

سمجھتے ہیں جن کو خداوند تعالیٰ نے اور اس کے رسول

نے حرام بتایا ہے اور نہ سچے دین (اسلام) کو

قبول کرتے ہیں، ان سے یہاں تک لڑو کہ وہ ماتحت ہو

کر اور رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کریں۔

(۲) ”لا تجد قوماً یؤمنون باللہ و الیوم الآخر بوآدون من

حاد اللہ و رسولہ و لو كانوا آباء ہم او ابناء ہم او اخوانہم

او عشیرتہم“ ۱۳۔

ترجمہ : جو لوگ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں آپ ان

(۱) پارہ ۱۰، سورۃ التوبہ، آیت ۲۹۔

(۱) پارہ ۲۸، سورۃ المجادلہ، آیت ۲۲۔

[دفعہ ۷

کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کے برخلاف ہیں گو وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے ہی کے کیوں نہ ہوں۔

(۳) ”ان خلق لکم من انفسکم ازواجاً لتسکنوا الیہا وجعل بینکم مودة ورحمة“^{۱۳}۔

ترجمہ : کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری جنس کی بیبیاں بنائیں تاکہ تم کو ان کے پاس آرام ملے اور تم میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی۔

حجة الاسلام امام ابی بکر احمد بن علی الرازی الجصاص نے اپنی کتاب احکام القرآن^{۱۴} میں ابن عباس کے استدلال پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابن عباس نے کتابیہ ذمیہ اور کتابیہ حریمیہ میں جو تفریق پیدا کی ہے وہ بے بنیاد ہے، کیونکہ آیت کریمہ ”والمحصنت من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم“ میں ذمیات اور حریمیات میں کوئی تفریق نہیں ہے۔ نیز یہ کہ قرآن پاک کے کسی حکم میں بلا دلالت کے تخصیص پیدا کرنا غلط ہے۔

علاوہ ازیں سعید بن المسیب اور حسن بصری کے خیال میں یہ آیت اپنے اندر ایک عام حکم کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لیے ذمیہ اور غیر ذمیہ میں تفریق کا کوئی جواز موجود نہیں۔ آخر الذکر تنظیر نظر صحت پر مبنی ہے اور اسی کو جمہور علماء نے اختیار کیا ہے۔

جہاں تک ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ان دلائل کا تعلق ہے جو مذکورہ بالا تین آیتوں پر مبنی ہیں ان کے متعلق صحیح صورت

(۱۳) پارہ ۲۱، مورة الروم، آیت ۲۱۔

(۱۴) الجزء الاول، باب النکاح، الشركات، صفحہ ۳۵-۳۴۔

یہ ہے کہ کسی کے واجب القتل ہونے یا اس کے ساتھ جنگ کو لازمی قرار دینے کا یہ مطلب ہرگز نہیں لیا جا سکتا کہ اس کے ساتھ نکاح ناجائز ہے۔ فی الحقیقت نکاح کے جواز کے ساتھ اس کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے کیونکہ اگر کسی شخص کا واجب القتل ہونا فساد نکاح کی علت ہوتا تو خوارج اور باغیوں کی عورتوں سے بھی نکاح ناجائز ہوتا۔ چونکہ آیہ مبارکہ ”فقاتلوا التي تبغی حتی تفتیء الی امر اللہ“ ۱۶ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے باغیوں سے لڑنے کا حکم دیا ہے، یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو جائیں۔

ابن عباس کی دوسری دلیل، کہ اللہ تعالیٰ نے ازدواجی تعلق کی بنیاد جس چیز پر رکھی ہے وہ باہمی الفت اور محبت ہے اور حربی اہل کتاب سے محبت رکھنا اہل ایمان کا کام نہیں ہے، فی الحقیقت جواز نکاح پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اگر نکاح کے لیے موڈت واجب ہوتی تو اس دلیل سے خود ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق ایک ذمیہ کتابیہ کیونکر مستثنیٰ قرار پا سکتی ہے؟ اسی طرح حربیہ ذمیہ سے نکاح کو اس لیے ناجائز قرار دینا کہ وہ اللہ و رسول کے برخلاف ہیں، حکمت سے خالی ہے۔ کیونکہ پھر ہم کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ذمی اہل کتاب اللہ اور رسول کے برخلاف نہیں ہیں اور ان سے دوستی رکھی جا سکتی ہے اور اسی بناء پر ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے، حالانکہ قرآن پاک سے ایسی تفریق یا تخصیص بالخصوص کتابیہ عورتوں سے نکاح کے معاملے میں ثابت نہیں ہے۔

صحیح شرعی حیثیت :

مندرجہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن پاک کی آیت ”والمحصنات من الذین اوتوا الكتاب من قبلکم“ اپنے اندر ایک عام حکم کی حیثیت رکھتی ہے اس لیے ذمیہ اور غیر ذمیہ میں تفریق کا کوئی جواز موجود نہیں۔ اسی پر سلف و خلف کا اجماع ہے۔ البتہ تمام ائمہ دارالحرب اور دارالکفر کی رہنے والی کتابیہ عورتوں سے نکاح کو بالاتفاق مکروہ قرار دیتے ہیں۔ جس کی بنیادی وجہ اسلامی معاشرت کے تقاضوں کی تکمیل ہے نہ کہ بجائے خود قرآن و سنت کا کوئی باضابطہ حکم۔

کتابیہ حریہ سے نکاح کو مکروہ قرار دینے کی وجہ، جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا ہے، یہ ہے کہ اس نکاح سے سب سے بڑا خطرہ یہ پیدا ہو جاتا ہے کہ غیر مسلم ماں کی آغوش میں تربیت پائی ہوئی اولاد اسلامی معاشرے کے لیے کارآمد ثابت نہ ہو سکے گی اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک مسلمان گھرانے میں غیر اسلامی طریقے اختیار کرے چنانچہ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ نے جب ایک یہودیہ سے نکاح کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع پہنچی تو آپ نے حذیفہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اس عورت کو چھوڑ دو، حذیفہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ یہ حکم کس بناء پر ہے؟ کیا کتابیہ عورت سے نکاح حرام ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ حرام نہیں مگر مجھے خوف ہے کہ کہیں تم لوگ اہل کتاب کی آبرو باختہ عورتوں میں نہ پھنس جاؤ۔^{۱۷}

(۱۷) ”وروی عن حذیفہ --- انہ تزوج یہودیہ و کتب الیہ عمر ان خل سبیلھا فکتب الیہ حذیفہ احرام ہی فکتب الیہ عمر لا ولکن اخاف ان تواقعوا الموسسات منهن“ (احکام القرآن، الجصاص، مصر، جزء الاول، باب النکاح، الشركات، صفحہ ۳۳۳)۔

نکاح کتابیہ اور شیعہ مکتب فکر :

کتابیہ عورتوں سے نکاح کے جائز (مگر مکروہ) ہونے کے سلسلے میں سنیوں میں اتفاق ہے۔ لیکن شیعہ مکتب فکر میں اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اصولی شیعہ اور معتزلہ احناف سے متفق ہیں اور کتابیہ عورتوں سے نکاح کو جائز سمجھتے ہیں جب کہ اخباری شیعوں کے نزدیک مسلم کا غیر مسلمہ کے ساتھ نکاح دائمی جائز نہیں۔^{۱۸} ان کے نزدیک کتابیہ عورتوں سے صرف متعہ جائز ہے^{۱۹}۔ چنانچہ کافی، تفسیر مجمع البیان اور تفسیر عیاشی میں امام باقر سے منقول ہے کہ *والمحصنات من الذین اوتوا الكتاب*، والی آیت کا حکم ”و لا تمسکوا بعصم الکوافر“ (اور کافر عورتوں کی ناموس پر قبضہ نہ کرو) والی آیت سے منسوخ ہو چکا ہے۔ لیکن امام باقر رضی اللہ عنہ کا یہ قول تین وجوہ کی بناء پر صحیح نہیں کہا جا سکتا۔ ایک یہ، کہ یہ آیت خاص طور پر ان مردوں اور عورتوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف مسلمان ہو کر ہجرت کر آئی ہوں اور جن کے شوہر یا بیویاں دارالحرب میں بہ حالت کفر رہ گئی ہوں۔ چوں کہ مسلمان ہونے اور دارالاسلام میں ہجرت کر آنے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے اس لیے اپنی کافر عورتوں پر قبضہ کرنے یعنی تعلقات زوجیت برقرار رکھنے کی ممانعت کر دی گئی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ ”الکوافر“ کے حکم کو اگر امام باقر رض

(تفسیر جامع الاحکام قرطبی، جلد ۴، صفحات ۶۹-۶۸ -

(شرائع الاسلام، کتاب النکاح، مطبوعہ ایران، صفحہ ۱۸۱ -

جامع الاحکام فی فقہ الاسلام، سید امیر علی، لکھنؤ ۱۸۸۳ع، جلد ۱،

صفحہ ۱۷۴ -

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۷

کے قول کے مطابق صحیح قیاس کر لیا جائے تو یہ ایک عام حکم ہوگا اور اہل کتاب استثنائی حکم کے تحت آجائیں گے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ ”الکوافر“ کا لفظ مشرکین و کفار کے لیے ہے نہ کہ اہل کتاب کے لیے۔ اس لیے ہمارے نزدیک اخباری شیعوں کا یہ نقطہ نظر کہ مسلم مرد کا غیر مسلمہ، (یعنی کتابیہ) کے ساتھ نکاح جائز نہیں، قرآن کی نص سے متصادم ہے^{۲۰}۔

شمس الائمہ امام سرخسی نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف ”المبسوط“ میں لکھا ہے کہ مسلمان کے لیے دارالحرب میں کتابیہ سے نکاح جائز تو ہے مگر مکروہ ہے، کیونکہ اگر وہاں شادی کرے گا تو ممکن ہے کہ کفار کے ملک میں رہ پڑے اور جب کتابیہ کے بطن سے اولاد ہو تو وہ کفار کے اخلاق پر اٹھے، اس میں اور بھی فتنے ہیں اس لیے یہ مکروہ ہے^{۲۱}۔

تجزیہ

موجودہ زمانے میں جب کہ مسلمان غیر مسلموں سے مغلوب اور مرعوب ہیں اور زندگی کے ہر میدان میں

(۲۰) محمد یوسف بنام احمد نواز گردیزی، پی۔ ایل۔ ڈی، ۱۹۶۱ ع سپریم کورٹ، صفحہ ۳۶۵۔

(۲۱) ” (قال) رضی اللہ عنہ بلغنا عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ انه مثل عن منا کحة اهل الحرب من اهل الكتاب فکره ذالک و به ناخذ فنقول يجوز للمسلم ان يتزوج کتابیة فی دار الحرب و لکنه یکره لانه اذا تزوجها ممة ربما یختار المقام فیهم و قال صلی اللہ علیہ وسلم انا ہری من کل مسلم مع مشرک لا ترا ای نارا ہا و لان فیہ تعریض و لدہ للرق وربما تحبل منه فتسبی فیصر ما فی بطنها رقیقاً و ان کان مسلماً و اذا ولدت تخلق الولد باخلاق الکفار و فیہ بعض الفتنة فیکره “ (المبسوط، سرخسی، مصر، جلد ۵، صفحہ ۵۰)۔

مختلف فرقوں اور مذاہب کے افراد کے درمیان نکاح ۷۳

شکست خوردہ ذہنیت کا مظاہرہ کر رہے ہیں، اسلام کے مصالح کے پیش نظر یہ امر ضروری ہے کہ یورپ اور امریکہ اور دیگر غیر مسلم ممالک کی کتابیہ عورتوں سے نکاح پر پابندی عائد کر دی جائے۔ تاکہ وہ فساد اور معصیت جو اس مخلوط گھرانے سے اسلامی معاشرے پر پڑے گی اس سے کسی حد تک بچاؤ ہو سکے۔ اس لیے حکومت پاکستان کو چاہیے کہ شرعی اور ملکی مصالح کے پیش نظر مسلم پاکستانی باشندوں کو غیر مسلم ممالک کی عیسائی اور یہودی عورتوں سے نکاح کرنے سے باز رکھنے کے لیے ایسے نکاحوں پر پابندی عائد کر دے۔

عیسائی عورت سے نکاح کا نافذ الوقت طریقہ :

جہاں تک عیسائی عورت سے مسلمان مردوں کے طریقہ نکاح کا تعلق ہے، یہ امر مسلم ہے کہ مسلمان مرد عیسائی عورت سے شرعی طریقہ کے بموجب نکاح کرے تو ایسا نکاح جائز اور نافذ العمل قرار پائے گا، لیکن پاکستان میں صورت حال مختلف ہے وہ یہ کہ اگر مسلمان مرد کسی عیسائی عورت سے نکاح کرے تو قانون ازدواج عیسائیان (کرسچین میریجیز ایکٹ) مجریہ ۱۸۷۲ ع کی دفعہ ۴ و ۵ کی ذیلی دفعہ (۴) کی رو سے ایسا نکاح قانون مذکور کے تحت مقرر کردہ نکاح رجسٹرار کے روبرو ہونا لازمی ہے۔ چنانچہ اگر ایسا نکاح رجسٹرار کے روبرو نہ ہو تو قانون مذکورہ کے تحت کالعدم ہوگا^{۲۲}۔ گویا اگر کوئی مسلمان مرد احکام شرع کے مطابق بطریق جائز کسی عیسائی عورت سے نکاح کر لے تو بموجب احکام

(۲۲) زرینہ تصدق حسین بنام تصدق حسین، پی۔ ایل۔ ڈی ۱۹۵۳ ع
لاہور صفحہ ۱۱۲، الفریڈ راہرٹ جونز بنام مسہاۃ تتلی، اے۔ آئی۔ آر ۱۹۳۳ ع
الہ آباد، صفحہ ۱۲۲۔

بموجب قوانین اسلام [دفعہ ۷

قانون مذکورہ ایسا نکاح درست نہ ہوگا اور پاکستانی عدالتیں ایسے نکاح کو نافذ نہ کرا سکیں گی۔ نیز یہ کہ اگر شخص غیر مجاز (ایسا شخص جس کو تحت قانون مذکور اختیار نہ دیا گیا ہو) کسی عیسائی عورت کا مسلمان مرد سے نکاح پڑھائے گا تو دس سال سزائے قید یا عبور دریائے شور کا مستوجب ہوگا^{۱۳}۔

تجزیہ

انگریزوں نے اپنے دور حکمرانی میں عیسائی عورتوں کو ہندوستان میں شادی کرنے کی صورت میں نکاح و طلاق کے سلسلے میں عیسائی مذہب کے بموجب قانونی تحفظات دینے کی کوشش کی تھی۔ لیکن اب صورت حال بدل چکی ہے۔ اس لیے ایسے نکاح کو جو اگرچہ قانون ازدواج عیسائیان (کرسچین میریجیز ایکٹ) مجریہ ۱۸۷۲ ع کے تحت مقرر کردہ رجسٹرار کے روبرو نہ ہوا ہو مگر احکام شرع کے عین مطابق ہو ناجائز اور ناقابل نفاذ قرار دینا احکام قرآن و سنت کے ساتھ سراسر زیادتی کے مترادف ہوگا۔ لہذا ضروری ہے کہ کرسچین میریجیز ایکٹ کی دفعات کا تفصیلی جائزہ لیا جائے اور خلاف شرع احکام کو منسوخ کیا جائے۔

(۲۳) دفعہ ۶۸ قانون ازدواج عیسائیان (کرسچین میریجیز ایکٹ) ۱۸۷۲ ع

تیسرا باب

العقاد اور جواز نکاح

اہلیت نکاح

۸۔ ہر عاقل و بالغ مسلمان مرد اور عورت بلا وساطت ولی نکاح کی اہل ہے۔ البتہ عورت کے مہر مثل سے کم پر یا غیر کفو سے نکاح کر لینے کی صورت میں اس کے ولی کو بذریعہ عدالت نکاح فسخ کرانے کا حق حاصل ہوگا۔

تشریح

یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ ایک عاقل و بالغ مرد اپنا نکاح خود کرنے کا اہل و مجاز ہے۔ اسی طرح ایک بالغہ ثیبہ (شوہر دیدہ عورت جو مطلقہ یا بیوہ ہو) بھی اپنا نکاح خود کرنے کی مجاز ہے۔ لیکن ایک باکرہ، عاقلہ، بالغہ عورت کے اپنا نکاح خود کرنے کے بارے میں ائمہ کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور صاحبین کے آخری قول کے مطابق ایک باکرہ، بالغہ و عاقلہ عورت کو اپنا نکاح بلا وساطت ولی خود کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

اس بارے میں شیعہ مکتب فکر بھی حنفیہ سے متفق ہے لیکن مالکیہ اور شافعیہ مکاتب فکر کے نزدیک ایک باکرہ، بالغہ و عاقلہ

(۱) کنزالدقائق، مطبع مجتہدائی دہلی، صفحہ ۱۰۰۔ قدوری، قرآن محل کراچی، صفحات ۴۹-۱۳۸۔ المغنی، مصر، جلد ۶، کتاب النکاح، صفحہ ۴۴۹۔

”ولیس للولی شرطاً لصحة نکاح الحر والحرۃ العاقلین البالغین بل ینفذ نکاحاً بغير ولی۔“ (دفعہ ۳۳ الاحکام الشرعیۃ فی الاحوال الشخصیہ، مصر)۔

عورت اپنا نکاح ولی کی وساطت کے بغیر نہیں کر سکتی۔

المبسوط، امام سرخسی:

شمس الائمہ امام سرخسی (متوفی ۵۴۸۲ھ) بغیر ولی کے باکرہ عورت کے نکاح کے بارے میں اپنی شہرہ آفاق تصنیف المبسوط جلد ۵ کے صفحہ ۱۰ پر لکھتے ہیں کہ:

”حضرت علی بن ابی طالب سے ایک واقعہ منقول ہے کہ ایک عورت نے اپنی بیٹی کا نکاح اس کی مرضی سے کر دیا۔ بعد میں اس کے ولیوں کو علم ہوا تو انہوں نے حضرت علی کی خدمت میں اعتراض پیش کیا لیکن آپ نے اس نکاح کو جائز قرار دیا۔ یہ فیصلہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ جب کوئی عورت اپنا نکاح خود کر لے یا ولی کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو یہ حکم دے کہ وہ اس کا نکاح کر دے اور وہ شخص یعنی وکیل اس عورت کا نکاح کر دے تو ایسا نکاح جائز ہوگا۔“

اور اسی دلیل سے امام ابو حنیفہ نے یہ حکم اخذ کیا کہ عورت باکرہ ہو یا ثیبہ جب اپنا نکاح خود کر لے تو ایسا نکاح ظاہری روایات کے بموجب جائز ہوگا خواہ شوہر اس عورت کا کفو ہو یا غیر کفو، نکاح صحیح ہو جائے گا لیکن اگر شوہر اس عورت کا کفو نہ ہو تو اولیاء کو اس نکاح پر حق اعتراض حاصل ہوگا اور یہ اس نکاح کو بذریعہ عدالت فسخ کرا سکتے ہیں۔

امام ابو یوسف کے نزدیک (ان کے پہلے قول کے مطابق) اگر سی عورت نے جس کا ولی موجود تھا خود اپنا نکاح کر لیا، اہ کفو سے کیا ہو یا غیر کفو سے، تو ایسا نکاح ناجائز ہوگا۔

پھر آپ نے اس قول سے رجوع کیا اور کہا کہ اگر شوہر کفو ہے تو نکاح جائز ہوگا ورنہ نہیں۔ لیکن امام ابو یوسف نے اپنے اس قول (ثانی) سے بھی رجوع کر لیا اور کہا کہ نکاح خواہ کفو سے کیا ہو یا غیر کفو سے، صحیح ہوگا۔

امام محمد کے نزدیک ایسا نکاح جو عورت نے خود کر لیا ہو ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا خواہ نکاح کفو کے ساتھ ہوا ہو یا غیر کفو کے ساتھ۔ اگر ولی نے اجازت دے دی تو نکاح صحیح ہو جائے گا اور اگر انکار کر دیا تو نکاح باطل ہو جائے گا لیکن اگر شوہر اس عورت کا کفو ہے اور ولی نے عورت کے کیے ہوئے اس نکاح کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہو تو مقدمہ قاضی کی عدالت میں جائے گا اور قاضی اس سے انکار کر دیا ہو تو مقدمہ قاضی کی عدالت میں جائے گا اور قاضی اس سے انکار کر دیا ہو تو مقدمہ قاضی کی عدالت میں جائے گا اور قاضی اس سے انکار کر دیا ہو تو مقدمہ قاضی کی عدالت میں جائے گا۔

امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک اگر کوئی عورت اپنا نکاح خود کر لے تو ایسا نکاح ہر حال میں باطل ہوگا یعنی سرے سے منعقد ہی نہ ہوگا۔ ان کے نزدیک نکاح عورت کے الفاظ سے منعقد نہیں ہوتا خواہ وہ خود اپنا نکاح کرے یا اپنی بیٹی کا کرے، یا اپنی ماں کا کرے یا کسی غیر کو نکاح کے لیے وکیل مقرر کرے، کسی صورت میں نکاح منعقد نہ ہوگا۔

بدائع الصنائع، الکاسانی :

امام علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی (متوفی ۵۸۷ھ) نے بھی اپنی کتاب بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع جلد دوم صفحہ ۲۳۷-۲۳۹ پر اس مسئلہ میں بڑی تفصیل سے بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ :

”امام ابو حنیفہ، زفر اور ابو یوسف کے پہلے قول کے مطابق

بالغہ و عاقلہ عورت کے نکاح کے لیے ولی کی موجودگی مستحب ہے۔ خواہ وہ عورت باکرہ ہو یا ثیبہ اور امام محمد اور ابو یوسف کے آخری قول کے مطابق بالغہ و عاقلہ پر ولایت مشترک ہے اور امام شافعی کے نزدیک بھی بالغہ و عاقلہ پر ولایت مشترک ہے (یعنی خود بالغہ عاقلہ کو بھی اپنے نفس پر ولایت حاصل ہے اور اس کے ولی کو بھی) لیکن امام شافعی کے نزدیک الفاظ نکاح صرف ولی کے ہو سکتے ہیں (یعنی ایجاب و قبول صرف ولی کر سکتا ہے) مولیٰ علیہ کو صرف رضامندی کی حد تک ولایت حاصل ہے۔ اس کے علاوہ کچھ حاصل نہیں۔

چنانچہ ایک آزاد، بالغہ، عاقلہ عورت اگر اپنا نکاح کسی مرد سے خود کر لے یا اپنے نکاح کے لیے کسی شخص کو وکیل مقرر کرے اور وہ شخص اس عورت کا نکاح کر دے یا شخص غیر مجاز اس عورت کا نکاح کر دے تو امام ابو حنیفہ کے قول کے مطابق وہ نکاح اس عورت کی اجازت سے جائز ہو جائے گا۔ یہی قول امام زفر کا ہے اور امام ابو یوسف کا بھی آخری قول یہی ہے کہ خواہ اس عورت نے اپنا نکاح کفو سے کیا ہو یا غیر کفو سے، زیادہ مہر پر کیا ہو یا کم مہر پر، نکاح ہو جائے گا البتہ اگر اس عورت نے اپنا نکاح غیر کفو سے کیا ہو تو اولیاء کو حق اعتراض حاصل ہوگا۔ امام ابو حنیفہ کے قول کے مطابق غیر کفو سے نکاح کر لینے کے علاوہ اگر اس نے کم مہر پر نکاح کیا ہو تب بھی اولیاء کو حق اعتراض حاصل ہوگا۔

امام محمد کے قول کے مطابق اگر عورت اپنا نکاح خود کر لے تو وہ اس وقت تک جائز نہ ہوگا جب تک کہ اس کا

ولی یا حاکم اس نکاح کو جائز قرار نہ دے دے۔ چنانچہ ان کے نزدیک اجازت سے پہلے شوہر کے لیے اپنی عورت سے صحبت کرنا جائز نہیں ہے اور وہ فعل حرام ہوگا۔ اس عورت پر طلاق ظہار یا ایلاء واقع نہیں ہوگا اور اگر ان میں سے کوئی ایک مر جائے تو ایک دوسرے کا وارث نہ ہوگا خواہ اس عورت نے اپنا نکاح کفو سے کیا ہو یا غیر کفو سے۔ اور امام ابو یوسف کا دوسرا قول بھی یہی بیان کیا جاتا ہے۔

لیکن حسن بن زیاد نے ابو یوسف سے یہ روایت بیان کی ہے کہ ابو یوسف کا آخری قول یہ ہے کہ اگر لڑکی نے کفو سے نکاح کیا ہو تو وہ نکاح صحیح اور نافذ ہوگا اور تمام احکام شرعی اس نکاح پر ثابت ہوں گے۔ اور امام محمد سے بھی یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ بالآخر انہوں نے بھی امام ابو حنیفہ کے قول پر رجوع کر لیا تھا۔

امام محمد کا کہنا یہ ہے کہ جس طرح نکاح عورت کے الفاظ سے منعقد ہوتا ہے اور ولی کے اذن و اجازت سے نافذ ہوتا ہے اسی طرح ولی کے الفاظ سے منعقد اور عورت کے اذن و اجازت سے نافذ ہو سکتا ہے لیکن امام شافعی کے نزدیک عورتوں کے الفاظ سے نکاح کسی حال میں بھی منعقد نہیں ہوتا۔

امام محمد و امام ابو یوسف کے آخری قول کے مطابق جب عورت نے اپنا نکاح کفو سے کر لیا تو وہ نافذ ہو جاتا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ عورت کے نکاح میں ولی کا حق صیانت (حفاظت و نگہبانی) کی غرض سے ہے۔ چونکہ عورت کے غیر کفو سے نکاح کرنے سے اس کے اولیاء کو عار لاحق

ہوگا، اس لیے اگر عورت اپنا نکاح کفو سے کر لے تو اولیاء کا حق ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی عورت ایک کفو کو منتخب یا پسند کر لے اور ولی سے مطالبہ کرے کہ وہ اس کا نکاح اس کفو سے کر دے تو ولی کے لیے یہ امر جائز نہیں ہے کہ اس کو منع کرے۔ چنانچہ اگر عورت نے خود اپنا نکاح کفو سے کر لیا تو یہ ایسا ہی ہوگا جیسا کہ ولی نے خود اس عورت کا نکاح کر دیا ہو۔

امام محمد کے قول کی وجہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت کا ولی ہے تو وہ عقد اس کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ کیونکہ امام محمد کے نزدیک یہ حق ولی کا ہے لیکن جب اس عورت کا کوئی ولی نہ ہو تو یہ حق خود اس کا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اگر اس نے ولی نہ ہونے کی صورت میں اپنا نکاح کر لیا تو گویا اس نے اپنے حق میں تصرف کیا اور وہ نکاح نافذ ہوگا۔ چنانچہ اگر اس نے اپنا نکاح کفو سے کیا اور یہ خبر جب ولی کو پہنچی اور اس نے اجازت دینے سے انکار کر دیا اور وہ اپنے مقدمے کو حاکم کے پاس لے گئی تو ابو یوسف کے قول کے مطابق حاکم اس کو جائز قرار دے گا۔ لیکن امام محمد کے قول کے مطابق حاکم اس سے عقد کرائے گا۔ امام محمد کے قول کی وجہ یہ ہے کہ وہ نکاح جو اس عورت نے کیا ولی کی اجازت پر موقوف تھا۔ جب ولی نے اجازت دینے سے انکار کر دیا تو وہ نکاح رد ہو گیا اور فی الاصل باطل ہو گیا اس لیے دوبارہ نکاح کرنا لابدی ہوگا۔

ابو یوسف کے قول کی وجہ یہ ہے کہ ولی نکاح کی اجازت نہ دینے سے منحرف ہو گیا، جب کہ اس کو حق نہیں ہے

کہ وہ کفو سے نکاح کی اجازت دینے سے انکار کرے، اور چونکہ وہ نکاح کی اجازت دینے سے منحرف ہو گیا اس لیے ولایت سے خارج ہو گیا اور ولایت حاکم کی جانب منتقل ہو گئی اس لیے تحدید نکاح کی ضرورت نہیں۔“

بدایتہ المجتہد - ابن رشد :

جبر ولایت کے ضمن میں امام مالک کے متعدد قول منقول ہیں چنانچہ علامہ ابن رشد نے اپنی کتاب بدایۃ المجتہد میں لکھا ہے کہ اشہب کی روایت کے بموجب امام مالک کے نزدیک ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا لیکن ابن القاسم نے امام مالک سے ایک اور قول نقل کیا ہے، جس کے مطابق امام مالک کے نزدیک ولی کی شرط سنت ہے واجب نہیں۔ چنانچہ ان کے نزدیک اگر مرد و عورت دونوں بغیر ولی کے نکاح کر لیں اور اگر ان میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے تو دوسرا اس کا جائز وارث ہوگا۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ امام مالک کے نزدیک اگر کوئی عورت بغیر ولی کے نکاح کر لے تو نکاح ہو جائے گا لیکن فاسد یا ناقص ہوگا، جو ولی کی رضامندی سے صحیح ہو جائے گا۔ گویا ولایت کی شرط اتمام نکاح کے لیے ہے نہ کہ صحت نکاح کے لیے۔^۲

موطاء امام مالک :

امام مالک اپنی کتاب ”موطاء“ میں چند روایتیں بیان کرتے

(۲) ”اختلف العلماء هل الولاية شرط من شروط صحة النكاح ام ليست بشرط؟ مذهب مالک الی أنه لا یكون نكاح الا بولی، وأنها شرط فی الصحة فی رواية اشہب عنه۔۔۔۔۔ ویتخرج علی رواية ابن القاسم عن مالک فی الولاية قول رابع ان اشتراطها سنة لا فرض، و ذلك أنه روى عنه أنه كان يرى الميراث بين الزوجين بغیر ولی فكانه عنده من شروط التمام لامن شروط الصحة“ بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد تألیف الامام ابی الولید محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن رشد القرطبی، مصر، ۱۹۶۰ - جلد دوم، صفحہ ۸۔

ہیں جن میں پہلی روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ثیبہ ولی کے مقابلے میں اپنے نفس پر زیادہ حق رکھتی ہے، اور باکرہ سے اذن لیا جائے گا اور سکوت اس کا اذن ہو گا۔ اس روایت سے امام مالک یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ ثیبہ پر ولی کو ولایت اجبار حاصل نہیں ہے (خواہ بالغہ ہو یا نابالغہ) لیکن ولی کو باکرہ عورت پر جبر ولایت حاصل ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن المسیب سے ایک اور روایت بیان کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ”نہ ہوگا نکاح عورت کا بجز اس کے ولی کی اجازت کے یا اس کے خاندان میں جو شخص اہل الرائے ہو اس کے اذن سے یا حاکم وقت کے اذن سے (اگر اس کا کوئی ولی موجود نہ ہو)۔“

مذکورہ بالا روایت کے تحت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب موطاء میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ ”امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب وہ عورت کفو میں شادی کر لے اور مہر مثل میں کمی نہ کرے تو وہ نکاح جائز ہے“ ان کی دلیل مندرجہ بالا حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد ”اوذوی الرائے من اہلہا“ پر مبنی ہے کیوں کہ حضرت عمر کے ارشاد کے مطابق نکاح اگر خاندان کے

(۳) ”عن عبد اللہ بن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الایم احق بنفسہا من ولیہا والبکر تستاذن فی نفسہا و اذنیہا صاہبہا“۔ (موطا امام مالک، کتاب النکاح، فی استئذان البکر والایم فی انفسہا، صفحہ ۴۳۶)۔
 (۴) ”عن مالک انہ بلغہ عن سعید بن المسیب انہ قال عمر بن الخطاب لا تنکح المرأة الا باذن ولیہا اوذوی الراہی من اہلہا او السلطان“۔ (موطا امام مالک، کتاب النکاح، فی استئذان البکر والایم فی انفسہا، ص ۴۳۶)۔

کسی صاحب الرائے شخص کی اجازت سے کیا جائے تو جائز ہوگا۔
حالاں کہ وہ شخص ولی نہیں ہے لیکن اس کے نکاح کو جائز قرار
دیا گیا۔ امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ
کا مقصد یہ تھا کہ وہ عورت مہر مثل میں کمی نہ کرے اور جب
اس نے مہر مثل میں کمی نہ کی اور نکاح کفو سے کیا تو وہ مقصد
پورا ہو گیا اور نکاح جائز ہوگا۔

امام مالک نے اپنی کتاب موطا میں دو اور روایتیں بھی
بیان کی ہیں، پہلی روایت قاسم بن محمد اور سالم بن عبداللہ کے
متعلق ہے کہ وہ اپنی باکرہ بیٹیوں کا نکاح ان سے پوچھے بغیر
کیا کرتے تھے۔ دوسری روایت قاسم بن محمد، سالم بن عبداللہ
اور سلیمان بن یسار کے متعلق ہے کہ وہ کہتے تھے کہ اگر باکرہ
عورت کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کر دیا جائے تو وہ لازم
ہو جائے گا۔

اگر انی ہر دو روایتوں کا عرب اور بالخصوص مدینہ کے ساجی
پس منظر میں جائزہ لیا جائے تو یہ امر واضح ہوگا کہ یہ
روایتیں مدینہ کے عام عرف و عادت کو ظاہر کرتی ہیں۔ ولی کے

(۵) "قال محمد... فلما ابوحنیفہ قال اذا وضعت نفسها في كفاءة وام تقصر في
نفسها في صداق فالنكاح جائز و من حجته قول عمر في هذا الحديث او ذوى
الراى من اهلها انه ليس بولى وقد اجاز نكاحه لانه انما اراد ان لا تقصر
بنفسها فاذا فعلت هي ذالك جاز" - (موطا امام محمد، كتاب النكاح،
في النكاح بغیر ولی، صفحہ ۲۳۸)۔

(۶) "عن مالك انه بلغه ان القاسم بن محمد وسالم بن عبداللہ كانا ينكحان بناتهما
الا بكار ولا يستامرانهن"۔

"عن مالك انه بلغه ان القاسم بن محمد وسالم بن عبداللہ وسليمان بن يسار
كانوا يقولون في البكر يزوجها ابوها بغیر اذنها ان ذالك لازم لها"۔
(موطا امام مالك، كتاب النكاح، في استئذان البكر والایم في انفسها،
صفحہ ۲۳۶)۔

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۸

اذن و اجازت کو صحت نکاح کی شرط کے طور پر بحیثیت دلیل یا قطعی حکم شرعی کے پیش نہیں کی جا سکتیں۔

امام مالک کا صحیح مسلک :

مندرجہ بالا تجزیے کی روشنی میں ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ امام مالک ولی کی اجازت کو اتمام نکاح کے طور پر ضروری قرار دیتے ہیں نہ کہ صحت نکاح کے لیے۔ ہمارے اس نتیجہ فکر سے علامہ ابن رشد اور دیگر مصری مالکی حضرات متفق نظر آتے ہیں، البتہ بغداد کے مالکی اصحاب ولی کی اجازت کو صحت نکاح کی شرط قرار دیتے ہیں۔

امام شافعی کا نقطہ نظر :

جہاں تک اس مسئلے میں امام شافعی کا تعلق ہے، کتاب الام جلد ۵ صفحہ ۱۱ میں ان سے منقول ہے کہ جو عورت بھی بغیر ولی کی اجازت کے نکاح کرے اس کا نکاح نہیں ہوگا کیوں کہ حضور سرور کائنات نے فرمایا ہے کہ اس کا نکاح باطل ہے۔

شافعیہ کا قرآن سے استناد :

امام شافعی اپنے قول کے استناد میں حسب ذیل آیات قرآنی سے استدلال کرتے ہیں :

پہلی آیت - ”فلا تعضلوہن ان ینکحن ازواجہن اذا تراضوینہم بالمعروف“ (پھر تم ان عورتوں کو اس سے مت روکو کہ وہ اپنے زیر تجویز شوہروں سے نکاح کر لیں جب کہ وہ باہم رضامند ہوں معروف طریقہ پر)۔

امام شافعی کا استدلال یہ ہے کہ اس آیت میں جب کہ خداوند

تعالیٰ نے اولیاء کو عورتوں کے نکاح کے معاملے میں رکاوٹ ڈالنے سے منع فرمایا ہے، اولیاء کے نکاح کر دینے کے حق کو تسلیم کیا گیا ہے چنانچہ یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ نکاح بغیر ولی کے جائز نہیں کیوں کہ کسی اجنبی کو، جسے ولایت حاصل نہ ہو، منع نہیں کیا جاتا۔ لیکن امام شافعی کی یہ دلیل مغالطہ پر مبنی نظر آتی ہے کیوں کہ جس حکم میں کسی کام سے باز رہنے کے لیے ہدایت کی جائے وہ ”نہی“ ہے اور ”نہی“ عدم اختیار کو ظاہر کرتی ہے نہ کہ اثبات حق کو۔

دوسری آیت جس پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قول کی بنیاد رکھی ہے ”وانکحوا لایاملی منکم“^۸ ہے یعنی تم اپنے میں سے غیر شادی شدہ عورتوں کا نکاح کر دو۔

امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اولیاء کو خطاب کیا ہے اور لفظ ”ایم“ ایک اسم ہے جس کے معنی ہیں ”وہ عورت جس کا شوہر نہ ہو خواہ وہ عورت ہاکرہ ہو یا ثیبہ“ چنانچہ جب اس عورت پر ولایت قائم ہوگئی اور وہ مولیا علیہ بن گئی پھر وہ ولیہ کیسے بن سکتی ہے؟

فقہاء نے اس آیت کے بارے میں کہا ہے کہ سیاق و سباق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس آیت میں خطاب اولی الامر یا عامۃ الناس کو کیا گیا ہے نہ کہ محض اولیاء کو، اس لیے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ استدلال کہ ولیوں کو غیر شادی شدہ عورتوں کے نکاح کر دینے کا حکم ان کے اختیار نکاح پر دلالت کرتا ہے، مشتبہ ہے۔ نیز اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس آیت قرآنی

(۸) پارہ ۱۸، سورہ نور، آیت ۳۲۔

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۸

میں نکاح کے سلسلے میں اولیاء کو خطاب کیا گیا ہے تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ولی کی اجازت کا ہونا نکاح کے جواز کی کوئی شرط ہے بلکہ یہ امر لوگوں کے درمیان عرف و عادت کے طور پر بیان کیا گیا ہے کیوں کہ عام طور پر لڑکیاں اپنا نکاح خود نہیں کیا کرتیں۔ اس کے لیے ان کو مردوں سے میل جول پیدا کرنے کی ضرورت ہوگی اور ایسا کرنے سے ان کو بے شرم کہا جائے گا۔ اس لیے باکرہ لڑکی کے نکاح میں ولی کی موجودگی یا اجازت عام طور پر مستحب ہے نہ کہ واجب۔ اس کی مثال ”والصالحین من عبادکم وامائکم“ والی آیت ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اپنے نیک غلاموں اور کنیزوں کا نکاح کر دو۔ اس آیت سے یہ مطلب ہرگز نہیں نکالا جا سکتا کہ تم صرف ان غلاموں اور کنیزوں کا نکاح کرو جو نیک ہیں بلکہ یہ آیت اپنے عموم پر قائم رہے گی اور یہ کہا جائے گا کہ اس آیت میں صلاح و نیکی نکاح کے جواز کی شرط کے طور پر بیان نہیں ہوئی، اسی طرح ”فکاتبوہم ان علمتم فیہم خیرا“ میں غلاموں کے ساتھ ان کو ٹھیکہ پر اٹھانے کا معاہدہ خیر کے علم ہونے پر ہی موقوف نہیں ہے۔

امام شافعی (کتاب الام جلد ۵ صفحہ ۱۱) ”لا نکاح الا بولی“ کے ضمن میں آیات قرآنی ”الرجال قوامون علی النساء“ اور ”فانکحون باذن اہلہن“ کا بھی ذکر کرتے ہیں لیکن پہلی آیت کا تعلق ولایت نکاح سے نہیں ہے بلکہ اس سے عورتوں پر مردوں کی فضیلت کا اظہار مقصود ہے اور دوسری آیت کنیزوں کے نکاح کے بارے میں ہے نہ کہ آزاد عاقلہ بالغہ عورتوں کے نکاح کے سلسلے میں۔

شافعیہ کا حدیث سے استناد :

امام شافعی اور شافعیہ مذہب کے دیگر ائمہ ” لا نکاح الا بولی“ کے ثبوت میں حسب ذیل حدیثوں سے بھی استدلال کرتے ہیں :

(۱) حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

” ایما امرأة نکحت بغیر اذن ولیہا فنکاحہا باطل باطل باطل و اذا دخل بہا فلہا المہر بما استحل من فرجہا لا وکس ولا شطط فان تشاجرا فالسلطان ولی من لا ولی لہ۔“

یعنی جو عورت بغیر اذن ولی کے نکاح کرے، اس کا نکاح باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے، اس (مرد) نے صحبت کی تو عورت کو مہر ادا کرنا ہوگا، شرم گاہ کے حلال ہونے کے معاوضے میں، اور اگر تنازعہ ہو تو بادشاہ ولی ہے اس کا، جس کا کوئی ولی نہ ہو۔

(۲) حضرت ابن عباس سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث منقول ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

” کل نکاح لم یحضرہ اربعة فهو سفاح خاطب و ولی و شاہدا عدل۔“

یعنی جس نکاح میں چار چیزیں نہ ہوں وہ زنا ہے :

(۱) پیغام دینے والا۔

(۲) ولی۔ اور

(۳-۴) دو عادل گواہ۔

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۸

(۳) حضرت ابو ہریرہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا۔

” لا تنکح المرأة المرأة نفسها و انما الزانية هي التي تنکح نفسها “۔

یعنی نہ کرے کوئی عورت نکاح کسی عورت کا اور وہ عورت جس نے اپنا نکاح خود کیا وہ زانیہ ہے۔

(۴) ایک اور روایت حضرت عائشہ سے مروی ہے۔

” کانت تحضر النکاح و تخطب ثم تقول اعقدوا فان النساء لا يعقدن “۔

یعنی خود مجلس نکاح میں موجود ہوتیں اور نکاح کا پیغام دیتیں پھر فرماتیں کہ تم نکاح کر دو کیوں کہ عورتیں نکاح منعقد نہیں کرتیں۔

(۵) حضرت عائشہ سے ایک اور روایت ہے کہ

” لا نکاح الا بولی والسلطان ولی من لا ولی له “

یعنی نہیں ہے کوئی نکاح سوائے ولی کے اور جس کا ولی نہ ہو اس کا سلطان ولی ہے۔

(۶) معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ۔

” اية امرأة نکحت نفسها بغير ولی فهي زانية “
(او کہا قال)۔

یعنی جس عورت نے خود اپنا نکاح بغير ولی کے کر لیا وہ زانیہ ہے۔

تخریج :

ان سب حدیثوں کو جن سے امام شافعی رحمہ اللہ علیہ اور

دیگر شافعی ائمہ استدلال کرتے ہیں حنفی محدثین نے ضعیف کہا ہے۔ چنانچہ جہاں تک پہلی حدیث کا تعلق ہے اس کا مدار زہری کی روایت پر ہے۔ ابن جریج کا قول ہے کہ میں نے جب زہری سے ملاقات کی اور ان کے سامنے یہ حدیث پیش کی تو انہوں نے اس حدیث سے انکار کیا۔

یہ امر حدیث کے لیے ضعف کا باعث ہے۔ اگرچہ اس اعتراض کا مختلف فقہاء نے جواب دیا ہے، چنانچہ ابن حبان نے اپنی ”صحیح“ میں اس کا جواب ان الفاظ میں دیا ہے کہ کسی شخص کا اپنی بیان کردہ روایت کو بھول جانا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس شخص کی بیان کردہ روایت درست نہیں۔ کیونکہ بسا اوقات ایک شخص ایک روایت بیان کرنے کے بعد بھول جاتا ہے۔

اسی طرح ابن حزم نے محلی (جلد ۵ صفحہ ۹۳) میں لکھا ہے کہ ابن جریج ثقہ ہیں اور اس روایت کے بارے میں سلیمان بن موسیٰ بیان کرتے ہیں کہ ان سے زہری نے حدیث بیان کی تھی۔ لہذا یہ روایت حجت ہوگی، جب کہ ان لوگوں نے سن کر آگے بیان کر دی، خواہ اس کے بعد وہ خود بھول جائیں۔

لیکن یہاں صورت حال ذرا مختلف ہے وہ یہ کہ زہری کا انکار کے ساتھ روایت بیان کرنے والے کے حق میں دعائے خیر کرنا اور اپنے شاگرد کے بارے میں یہ کہنا کہ اسے وہم ہو گیا ہے روایت کے عدم صحت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ سوال محض نسیان کا نہیں بلکہ حدیث کی صحت کا ہے۔ نیز یہ کہ زہری کا خود اپنا مسلک یہ ہے کہ وہ بغیر ولی کے نکاح کو جائز قرار دیتے ہیں۔

علاوہ ازیں اس حدیث میں ”باطل“ کا جو لفظ استعمال ہوا ہے

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۸

وہ فاسد کے معنی میں ہے۔ کیونکہ اگر ولی کی اجازت کے بغیر نکاح باطل ہوتا یعنی سرے سے منعقد ہی نہ ہوتا تو پھر مجامعت کے سبب مرد و زن پر حد یا کم از کم تعزیر واجب ہوتی۔ لیکن اس فعل کو جائز قرار دیتے ہوئے مہر کی ادائیگی کا حکم دینا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک یہ نکاح فاسد ہوگا نہ کہ سرے سے باطل، جو ولی کی مابعد مرضی سے صحیح ہو جائے گا۔

دوسری حدیث کی اسناد میں ابن میسر ابو خطیب مجہول ہے اس لیے حنفی اس حدیث کی روایت کو صحیح تسلیم نہیں کرتے۔ تیسری حدیث کو دارقطنی نے دو طریقوں سے بیان کیا ہے ایک کی اسناد میں جمیل بن الحسن اور دوسرے کی اسناد میں مسلم بن ابی مسلم ہیں۔ لیکن یہ دونوں غیر معروف ہیں اس لیے ان کی روایت مقبول نہیں۔

چوتھی اور پانچویں حدیث کو بھی احناف نے ضعیف کہا ہے اور کہا ہے کہ حضرت عائشہ بغیر ولی کے نکاح کے جواز کی قائل تھیں۔ اس کی دلیل میں یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عائشہ نے اپنی بھتیجی یعنی بھائی، عبدالرحمان ابن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی کا نکاح ان کی غیر موجودگی میں جب کہ وہ ملک شام گئے ہوئے تھے منذر بن زبیر سے کر دیا تھا۔ چنانچہ ایک ایسی حدیث جس پر خود ان کا عمل نہ ہو اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے حکم شرعی کے طور پر استدلال نہیں کیا جا سکتا یا کم از کم یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ حکم واجب نہیں ہے۔ مزید برآں بعض علماء سے منقول ہے کہ ”لا نکاح الا بولی“ والی حدیث ان تین احادیث میں سے ایک ہے جو رسول اللہ سے ثابت نہیں ہیں اور اسی لیے اس کو صحیح بخاری و مسلم نے روایت نہیں کیا ہے۔

چھٹی حدیث کو دارقطنی نے متروک کہا ہے۔

اگرچہ محدثین نے سند اور روایتوں کے اعتبار سے ان اعتراضات کے جوابات دیے ہیں لیکن اس میں شک نہیں کہ یہ احادیث نقد و جرح سے خالی نہیں۔ اس کے مقابلے میں صحیحین کی روایتیں خصوصاً ابن عباس کی روایت ”الایم احق بنفسها من ولیها“ ثابت کرتی ہے کہ ولی کے مقابلے میں مولیہ کو اپنے نفس پر زیادہ اختیار حاصل ہے۔ بہر حال، ولی کو عاقلہ بالغہ پر جبر ولایت حاصل نہیں، جیسا کہ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے جن میں باکرہ اور ثیبہ عورتوں کے ان کے ولیوں کے کیے ہوئے نکاح رسول اللہ نے ان عورتوں کی شکایت پر رد کر دیے تھے کہ ولی کو ان عورتوں پر ولایت اجبار حاصل نہیں ہے۔

امام شافعی اور استدلال:

امام شافعی اپنے دعوے کے ثبوت میں استدلال سے بھی کام لیتے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ نکاح اپنی اصلیت، حکم اور نتیجے کے اعتبار سے باعث مضرت ہے۔

اصلیت کے اعتبار سے اس بناء پر کہ نکاح حضرت محمد صلعم کے قول ”النکاح رق“ اور ”النکاح عقد ضررا“ کے مطابق ایک غلامی اور اسیری ہے اور ایک ایسا معاہدہ ہے جس میں ضرر ہے اور ظاہر ہے کہ غلامی یا اسیری ایک آزاد شخص کے لیے موجب ضرر ہوتی ہے۔

حکم کے اعتبار سے نکاح اس لیے موجب مضرت ہے کہ نکاح سے شوہر کو عورت کے منافع بضع میں تصرف کا حق حاصل ہو جاتا ہے جس کے سبب مرد عورت سے جماع کا فائدہ اٹھاتا ہے۔

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۸

نیز عورت کو باہر نکالنے، گھومنے پھرنے، اور کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنے کو منع کرتا ہے اور اسی حق ملکیت کے سبب وہ طلاق کے ذریعہ جب چاہے نکاح کو ختم بھی کر سکتا ہے۔

نیز نکاح اپنے نتیجہ کے اعتبار سے عورت کے لیے اس لیے موجب مضرت ہے کہ اس کی بناء پر خواہ عورت چاہے یا نہ چاہے مرد کو عورت کے ساتھ ہم بستر ہونے کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ یہ سب نکاح کی مضرتیں ہیں لیکن نکاح اپنے اندر بہت سی ظاہری و باطنی مصلحتیں بھی رکھتا ہے جن کو رائے کامل کے بغیر نہیں سمجھا جا سکتا اور چونکہ عورت ناقص الرائے ہے اس میں عقل کی کمی ہے اس لیے اس کے کیے ہوئے نکاح میں مضرت باقی رہ جائے گی۔

لیکن حدیث نبوی ”النکاح عقداً ضرراً“ کے بارے میں محدثین کا کہنا ہے کہ یہ حدیث ناقابل قبول ہے۔ کیونکہ عقد میں منفعت ہے اور اس میں دین و دنیا کی مصلحتیں مثلاً سکون، محبت، مؤدت تولید نسل، زنا سے قنط اور عورت کی ننتے سے بے فکری پوشیدہ ہیں اور یہ ایسی مصلحتیں ہیں جو عورت کے خود کو شوہر کی ملک میں دے بغیر حاصل نہیں ہو سکتیں۔ اس لیے عورت پر جو ملکیت رکھی گئی ہے وہ ضرورت کے لحاظ سے ہے تاکہ مصلحتوں کا حصول ممکن ہو، کیونکہ یہ ملک زوج مصلحتوں کے حصول کا وسیلہ ہے اور جو امر مصلحت کا وسیلہ ہو وہ خود مصلحت ہوتا ہے اس لیے یہ کہنا غلط ہوگا کہ نکاح غلامی ہے یا ایک ایسا معاہدہ ہے جو مضر ہے۔

بہر کیف، نکاح کو غلامی کہنا تمثیل کے طور پر ہو سکتا ہے

نہ کہ تحقیق کے طور پر، ورنہ حقیقت میں تو نکاح عورت کو دوسروں کی غلامی سے محفوظ رکھتا ہے۔

اسی طرح امام شافعی کی یہ دلیل کہ عورت ناقص العقل ہے اگر تسلیم بھی کر لی جائے تو یہ ایسا نقص نہیں ہے جو عورت کے لیے نکاح کی مصلحتوں کے علم میں مانع ہو اور نہ ہی یہ کوئی ایسا نقص ہو سکتا ہے جو سرے سے نکاح کی اہلیت ہی کو سلب کر لے، کیونکہ یہ نقص دوسرے تمام معاملات میں عورت کے تصرف کرنے کی اہلیت کو سلب نہیں کرتا۔ مثال کے طور پر ایک باکرہ بالغہ عورت اپنے مال میں بلا شرکت غیرے تصرف کر سکتی ہے، جب کہ مالی تصرفات میں خفیہ خیانتیں بھی ہوتی رہتی ہیں جن کو بلا غور و فکر معلوم نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں عورت کا حدود و قصاص کے معاملات میں اقرار کرنا صحیح تسلیم کیا گیا ہے اور اس کو خطاب بالایمان اور شرعی احکام کا مکلف مانا گیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے پاس کافی عقل ہے اور اسی بناء پر شوہر کے انتخاب میں اس کی رائے کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ امر مسلمہ ہے کہ جب وہ اپنے ولی سے یہ مطالبہ کرے کہ وہ اس کا نکاح فلاں کفو کے ساتھ کر دے تو ولی کے لیے اس کفو کے ساتھ نکاح کرنا فرض ہو جاتا ہے اور اگر ولی مانع ہو تو قاضی کے لیے بطور نائب نکاح کر دینا جائز قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے یہ کہنا کہ عورت ناقص العقل ہے اور نکاح کی مصلحتوں کو نہیں سمجھتی معاملات سے غیر متعلق چیز ہے۔

امام ابو حنیفہ کا نقطہ نظر:

امام ابو حنیفہ، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، بلا اجازت ولی باکرہ کے نکاح کر لینے کو بالکل جائز قرار دیتے ہیں وہ اپنے قول

کے ثبوت میں قرآن پاک، سنت اور استدلال سے کام لیتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ کا پہلا استدلال ”ان و ہبت نفسہا للنبی ان اراد النبی ان یستکحہا“ سے ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایک مومنہ عورت نے اپنے نفس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کیا۔ پس اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو اس عورت سے نکاح کر سکتے تھے۔ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ یہ آیت عورت کے اپنے الفاظ سے نکاح کرنے کے اختیار پر نص ہے، کیونکہ نکاح کا انعقاد لفظ ”ہبہ“ سے ہو جاتا ہے۔ شافعیہ کا یہ اعتراض کہ لفظ ”ہبہ“ سے نکاح کا ہو جانا رسول اللہ کی خصوصیت ہے، صحیح نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ کے نکاح کی خصوصیت لفظ ”ہبہ“ سے نکاح ہو جانے میں نہیں ہے بلکہ بلا وجوب مہر نکاح کر لینے میں ہے۔ اس لیے کہ اس آیت کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اس کا سبب رسول اللہ کی تنگی کو دور کرنا قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ تنگی لفظ ”نکاح“ کے بجائے لفظ ”ہبہ“ سے دور نہیں ہوتی۔ اصل تنگی زر مہر کی ہے جو ہبہ سے دور کرنا مقصود ہے۔

دوسری آیت ”فلا جناح علیکم فیہا فعلن فی انفسہن“ ہے اور تیسری آیت ”فان طلقہا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجاً غیرہ“ ہے۔^۱

امام ابو حنیفہ ان آیات سے دو طرح استدلال کرتے ہیں ایک یہ کہ یہ آیات خود عورت کے اپنے آپ نکاح کرنے کے حق کی جانب صریح ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ شخص دیگر سے نکاح کر لینا پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح کرنے کی حرمت کو ختم کرنے کا باعث ہے

(۹) - سورۃ البقرہ، آیت ۲۳۱

(۱۰) - سورۃ البقرہ، آیت ۲۳۰

جو خود اس عورت کے اپنے نکاح کرنے سے ختم ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا دوسرے شوہر سے نکاح مؤثر ہوگا۔ یہ امر بھی محل نظر ہے کہ دو آیات میں الفاظ ”فعلن“ اور ”تنکح“ تانیث کے صیغے ہیں اور ان کا فاعل عورت ہے۔

قرآن پاک کی آیت ”فلا جناح علیہا ان یتراجعا“^{۱۱} بھی عورتوں کے بغیر ولی کے نکاح کی طرف نسبت کرتی ہے۔ اس آیت میں صیغہ تشبیہ کا ہے اور اس کا فاعل مرد و عورت دونوں ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرد و عورت بلا ولی کے ایجاب و قبول کر سکتے ہیں۔

قرآن پاک کی چوتھی پانچویں آیت ”و اذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فلا تعضلوهن ان ینکحن ازواجهن“^{۱۲} سے بھی امام ابو حنیفہ دو طرح استدلال کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس آیت میں نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے۔ کیونکہ ”ان ینکحن“ کا فاعل عورت ہے اور یہ خود عورت کے الفاظ سے بغیر کسی ولی کی شرط کے نکاح کے جواز کی دلیل ہے۔ دوسرے یہ کہ اس آیت میں ولیوں کو منع کیا گیا ہے کہ وہ عورتوں کو خود اپنے نکاح کرنے سے نہ روکیں، جب کہ شریعت کے مطابق دونوں فریق راضی ہوں۔

اس دلیل پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ یہ آیت عورتوں کے اپنے پہلے شوہروں سے دوبارہ نکاح کرنے کے ضمن میں نازل ہوئی ہے۔ لیکن یہ اعتراض درست نہیں، کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ آیت قرآنی اپنے عموم پر قائم رہتی ہے اور شان نزول اس کا صرف ایک پہلو یا جزو ہوتا ہے۔

(۱۱) سورة البقرہ، آیت ۲۳۰

(۱۲) سورة البقرہ، آیت ۲۳۲

حنفیہ کا احادیث نبوی سے استدلال :

بغیر ولی کے نکاح کے جواز کے بارے میں متعدد احادیث بھی ملتی ہیں۔ چنانچہ ابن عباس سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ثیبہ پر ولی کا کوئی حکم نہیں اور ثیبہ ہونا ولی کی ولایت کو منقطع کرنا ہے۔^{۱۳}

اسی طرح ابن عباس سے ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ ”ایم“ اپنی ذات کے معاملے میں ولی سے زیادہ حق رکھتی ہے^{۱۴} (”ایم“ اس عورت کو کہتے ہیں جس کا کوئی شوہر نہ ہو خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ)۔ یہ حدیثیں مسلم، ابو داؤد، ترمذی اور نسائی نے بیان کی ہیں۔

علاوہ ازیں چند واقعات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایسے پیش ہوئے ہیں جن میں باپ نے لڑکیوں کی منشاء کے خلاف نکاح کر دیے تھے۔ لڑکیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر شکایت کی تو آپ نے باپ کے کیے ہوئے نکاحوں کو رد فرما دیا۔ ان واقعات کی تفصیل حسب ذیل ہے :

پہلا واقعہ خنسا بنت خدام کا ہے۔ خنسا کا نکاح اس کے باپ نے کر دیا تھا اور وہ اس نکاح کو ناپسند کرتی تھی۔ چنانچہ وہ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی، آپ نے اس نکاح کو رد کر دیا۔^{۱۵}

(۱۳) روی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انه قال لیس لولی مع الثیب امر و هذا قطع ولایة لولی عنہا (بدائع الصنائع، الکسانی، جزو دوم صفحہ ۲۴۸ اور نصب الرایہ جلد ۳ صفحہ ۱۷۲)

(۱۴) عن عبد اللہ بن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الایم احق بنفسها من ولیها والبکر تستاذن فی نفسها و اذنها صہاتها۔ (موطا، امام مالک، کتاب النکاح، فی استئذان البکر والایم فی انفسہا)۔

(۱۵) وعن خنساء بنت خدام ان اباها زوجها وهی ثیب فکرت ذالک

دوسری حدیث حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ ”قتادہ حضرت عائشہ کے پاس آئیں اور کہا کہ میرے باپ نے اپنے بھتیجے سے میرا نکاح کر دیا ہے تاکہ اس کا حسب بڑھے۔ حضرت عائشہ نے قتادہ کو بٹھایا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے اس کے باپ کو بلایا اور قتادہ کو نکاح کا اختیار دیا۔ تب قتادہ نے کہا کہ ”اے رسول اللہ! تحقیق کہ اجازت دی میں نے اس کی جو میرے باپ نے کیا اور میں نے سوائے اس کے کوئی ارادہ نہیں کیا کہ میں عورتوں کو آگہ کر دوں کہ ان پر باپوں کو اختیار نہیں ہے۔“

اس حدیث کو نسائی نے روایت کیا ہے اور استدلال کی وجہ یہ بتائی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قتادہ کے اس قول پر کہ باپوں کو کچھ اختیار نہیں، سکوت اختیار فرمایا۔

یہ حدیث حضرت عائشہ کی پہلی حدیث ”لا نکاح الا بولی“ سے معارض ہے اس ضمن میں محدثین نے قتادہ والی حدیث کو از روئے سند صحیح تر اور قوی تر کہا ہے۔

ایک اور حدیث ابی سلمہ ابن عبدالرحمان سے مروی ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور شکایت کی کہ میرے باپ نے میرا نکاح ایک شخص سے کر دیا ہے اور میں اسے ناپسند کرتی ہوں۔ آنحضرت نے اس لڑکی کے باپ سے فرمایا کہ نکاح کا اختیار تمہیں نہیں ہے اور لڑکی سے فرمایا جاؤ جس سے تمہارا جی چاہے نکاح کر لو۔^{۱۶}

فاتت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرد نکاحه رواه البخاری وفي رواية ابن ماجه نکاح ابیہا۔ (مشکوٰۃ شریف) مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب، کراچی صفحہ ۸۵)۔

(۱۶) عن ابی سلمہ ابن عبدالرحمن قال جاءت امرأة الى رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فقالت ان ابی انکحنی رجلاً وانا کارهة فقال رسول الله صلی اللہ علیہ

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۸

علاوہ ازیں احناف بغیر ولی کے نکاح کی صحت کے ثبوت میں ام سلمیٰ کے خود آنحضرت سے، نکاح کے واقعہ کو پیش کرتے ہیں، جس میں آنحضرت نے ام سلمیٰ سے ان کے ولیوں کی موجودگی کے بغیر عقد کیا تھا۔ چنانچہ منقول ہے کہ جب آنحضرت نے ام سلمیٰ سے نکاح کی خواہش کی تو ام سلمیٰ نے فرمایا کہ میرا کوئی ولی موجود نہیں ہے تو آپ نے فرمایا کہ ”تمہارے ولیوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو مجھ سے تمہارے نکاح کو ناپسند کرے۔“ اور اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ام سلمیٰ کی جانب سے بغیر کسی ولی کے منعقد ہو گیا۔

ان تمام احادیث کی روشنی میں بہ آسانی یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ باکرہ بالغہ لڑکی پر ولی کو ولایت اجبار حاصل نہیں ہے۔ اگر نکاح ولی کی موجودگی یا اجازت کے بغیر کیا جائے تو وہ نکاح اصلاً صحیح ہوگا۔ البتہ عدم کفایت کی بناء پر اور امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق بسبب کمی مہر مثل بھی ولی کو بذریعہ عدالت نکاح فسخ کرانے کا اختیار حاصل ہوگا۔

چند مزید دلائل:

قرآن پاک اور حدیث نبوی کے علاوہ اگر اس مسئلہ کا عقلی بنیادوں پر جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوگی کہ جس طرح ایک عاقل لڑکا بالغ ہو جانے پر اپنا نکاح خود کر سکتا ہے اسی طرح ایک لڑکی بھی بالغ ہونے پر اپنے نفس کی خود مالک بن جاتی ہے اور اس پر کسی کی ولایت باقی نہیں رہتی۔ باپ کو اپنی نابالغ اولاد

وسلم لا یہا لا نکاح لک اذ ہی فانکھی من شئت (نصب الراية جلد ۳، صفحہ ۱۸۲)۔

فتح المعین مطبوعہ قاہرہ، کتاب النکاح، جلد ۲، صفحہ ۲۶۔
مجمع الانہر، مصر، جلد ۱، صفحہ ۳۳۲۔

کے نکاح کرنے کی جو ولایت حاصل ہے وہ اس کو بطور نیابت کے حاصل ہوتی ہے، کیونکہ نابالغ خود ان مصلحتوں کو حاصل کرنے سے عاجز ہے۔ اس لیے اولاد کے عجز کے سبب باپ کا ان کے نکاح میں تصرف کرنا صحیح ہوگا لیکن جب وہ اولاد بالغ ہو گئی تو وہ عجز دور ہو گیا۔ چنانچہ لڑکے کی طرح ایک لڑکی کو بھی بلوغ کے بعد اپنی ذات میں تصرف کرنے کی قدرت حاصل ہو گئی اور کسی غیر کی ولایت اس پر باقی نہیں رہی بلکہ اس پر خود اپنی ولایت قائم ہو گئی۔ اور چونکہ شرعاً نیابت ضرورت کے طور پر ثابت ہوتی ہے، اس لیے ضرورت کے ختم ہونے پر نیابت بھی ختم ہو گئی۔ اور چونکہ نیابت اور اصالت دونوں ایک وقت میں جمع نہیں ہو سکتیں اس لیے باپ کو لڑکی کے بالغ ہو جانے کے بعد اس پر بحیثیت نائب کے حق ولایت باقی نہیں رہا۔

یہ بات مسلم ہے کہ بالغ ہو جانے پر لڑکی کو اپنے مال میں تصرف کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے اور اس کے باپ یا کسی دیگر ولی کی ولایت اس کے مال پر سے زائل ہو جاتی ہے، اسی طرح جب وہ مال پر تصرف کر سکتی ہے تو نکاح کے معاملے میں بھی اس کو تصرف کا اختیار ہے اور اس پر کسی کی ولایت باقی نہیں رہتی۔ نکاح کے سلسلے میں عورت اور ولی کے حقوق کا جائزہ لیا جائے تو یہ واضح ہوگا کہ ولی کا حق عورت پر نہیں ہے بلکہ خود عورت کا حق ولی پر ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ ولی کو اپنی پسند کے کفو سے نکاح کرنے پر مجبور کر سکتی ہے لیکن اگر ولی اپنی پسند کے مرد سے اس کا نکاح کرنا چاہے تو وہ انکار کر سکتی ہے اور اس معاملے میں اس پر جبر نہیں کیا جا سکتا۔

ولی کے حق کی بنیاد دراصل کفایت پر ہے۔ چنانچہ عورت اگر

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۸

غیر کفو سے نکاح کر لے تو ولی کو حق حاصل ہوگا کہ نکاح کے لزوم اور نفاذ سے انکار کر دے تاکہ ولی کو عورت کے غیر کفو سے نکاح کر لینے کے سبب شرم و عار لاحق نہ ہو۔ لیکن اگر عورت کفو سے نکاح کرے تو پھر ولی کا مقصد پورا ہو گیا اور شرم و عار کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ جب لزوم اور نفاذ کا مانع زائل ہو گیا تو نکاح لازم اور نافذ ہو جائے گا۔

دوسرے الفاظ میں یہ بات یوں کہی جا سکتی ہے کہ اگر عورت نے غیر کفو سے نکاح کر لیا تو اس کے نفاذ میں اولیاء کو ضرر ہے اور نکاح کے عدم نفاذ میں اس عورت کو ضرر ہے۔ لہذا ضرر دو ہیں۔ اس لیے کوشش اس امر کی کرنی چاہیے کہ دونوں ضرر دور ہوں۔ چنانچہ نکاح کے نفاذ کے ذریعہ اس عورت کا ضرر دور کیا جا سکتا ہے اور اولیاء کے حق اعتراض کو تسلیم کر کے ان کے ضرر کو دور کیا جا سکتا ہے۔ شریعت میں اس کی نظیریں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر اگر ایک غلام مشترک ہو اور ایک مالک اپنا حصہ اس کو ٹھیکہ پر اٹھا دے تو دوسرے شریک مالک کو قیمت کی ادائیگی سے قبل اس امر کا اختیار حاصل ہے کہ وہ اس معاملے کو فسخ قرار دے دے۔ یا اسی طرح ایک شفیع کو یہ حق ہے کہ شفعہ کے ذریعہ اس ضرر کو دفع کرے جو خریدار کے ہبہ کر دینے کی صورت میں نفاذ ہبہ کے ذریعہ اس کے حق کو پہنچ سکتا ہے۔

تجزیہ :

مندرجہ بالا بحث کی روشنی میں ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ معاہدہ نکاح کے اصل فریق مرد اور عورت ہیں نہ کہ ان کے ولی۔ اس لیے ایک بالغ اور عاقل عورت کو یہ حق ہونا چاہیے کہ

وہ بلا وساطت ولی اپنا نکاح کرنے پر قادر ہو۔

وجہ اختلاف :

فی الحقیقت اس مسئلے میں ائمہ اربعہ کے درمیان اختلاف کی اصل وجہ یہ ہے کہ ولایت کے بارے میں جو آیات نازل ہوئیں ان سے واضح طور پر یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ باکرہ بالغہ عورت کے نکاح میں ولی کی اجازت یا موجودگی شرط ہے نیز اس سلسلے میں جو احادیث بیان کی جاتی ہیں ان کے الفاظ اور صحت کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے، چنانچہ فقہاء کا ایک گروہ چند احادیث کو اس استدلال کے ساتھ پیش کرتا ہے کہ ولایت صحت نکاح کی شرط ہے جب کہ دوسرا گروہ ایسی احادیث پیش کرتا ہے جن سے نکاح کے لیے ولایت کا شرط ہونا ثابت نہیں ہے۔ نتیجے کے طور پر جتنی آیات اور احادیث اس بارے میں وارد ہوئی ہیں وہ محتمل علیہ ہیں۔ ان کے معنی اور وسعت میں اختلاف ہے اور ان سے موافق و مخالف دونوں مفہوم نکالے جا سکتے ہیں۔

اس صورت حال کے پیش نظر جب کہ آیات قرآنی اور احادیث نبوی محتمل علیہ ہوں اور ائمہ اربعہ کے درمیان نکاح کے جائز اور ناجائز ہونے کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہو تو عامۃ المسلمین کے نزدیک جو قول راجح رہا ہو اس کو اختیار کرنا چاہیے بشرطیکہ وہ صریح نص کے خلاف اور مصلحت عامہ کے مطابق ہو۔

صحیح شرعی حکم :

چنانچہ اس پوری بحث کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ شافعیہ کا یہ نظریہ کہ عورت نکاح کی حقیقت سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتی اور اس کے نکاح کے لیے ولی کی وساطت ناگزیر ہے، دراصل عورت کی آزاد مرضی کو مشروط بنانے اور اس کے

ذاتی حق و اختیار پر ایک قدغن کے مترادف ہے۔ البتہ مسلم معاشرے کو انتشار سے محفوظ رکھنے کے لیے شرع نے اولیاء کو یہ حق دیا ہے کہ اگر لڑکی نے ولی کی اجازت کے بغیر غیر کفو میں نکاح کیا ہو یا مہر مثل سے کم پر کیا ہو تو ولی عدالت میں تنسیخ نکاح کا دعویٰ کر سکتا ہے اور عدالت معقول شرعی وجوہ کی بناء پر نکاح کو فسخ کر سکتی ہے۔

۹۔ نکاح مرد و عورت کے ایجاب و قبول سے منعقد ہوتا ہے۔

انعقاد نکاح

تشریح

نکاح کا انعقاد ایجاب و قبول پر منحصر ہے۔^{۱۷} ایجاب نکاح کی پیشکش کرنے والے کلام اول کو کہتے ہیں اور اس کو منظور کرنے والے کلام کو قبول کہتے ہیں۔^{۱۸}

نکاح کی بنیادی اور اہم ترین شرط یہ ہے کہ ایک فریق کی طرف سے ایجاب اور دوسرے کی طرف سے قبول ہو۔

الکافی میں لکھا ہے کہ ایجاب و قبول نکاح کے ستون ہیں۔ پہلا قول خواہ کسی فریق کی جانب سے ہو ایجاب کہلائے گا اور اس کا جواب دوسرے فریق کی جانب سے قبول۔^{۱۹}

معاهدہ نکاح میں عموماً ایجاب عورت کی جانب سے ہوتا ہے

(۱۷) قدوری، قرآن محل کراچی، کتاب النکاح، صفحہ ۱۳۷۔

کنزالدقائق، مطبع مجتہائی، دہلی، کتاب النکاح، صفحہ ۹۷۔

شرح وقایہ (اردو ترجمہ) ملک سراج الدین اینڈ سنز لاہور، جلد دوم، صفحہ ۳۶۳۔

الاحکام الشرعیہ فی الاحوال الشخصیہ، مصر، دفعہ ۵۔

قانون الاحوال الشخصیہ، شام، دفعہ ۵۔

(۱۸) عنایہ بحوالہ فتاویٰ عالمگیری عربی جلد ثانی، صفحہ ۱۔

(۱۹) الکافی بحوالہ فتاویٰ عالمگیری (عربی)، جلد ثانی، صفحہ ۱۔

اور قبول مرد کی جانب سے -

بعض صورتوں میں ایک شخص جو دونوں طرف سے ولی یا وکیل ہو خود ایجاب اور قبول کر سکتا ہے -^{۲۰}

۱۰۔ انعقاد کے لئے کسی رجسٹرار، قاضی یا مولوی کی ضرورت نہیں -

قاضی کی ضرورت

توضیح : فریقین ایک دوسرے سے خود اپنا نکاح کر سکتے ہیں یہ امر لازم نہ ہوگا کہ کوئی دوسرا شخص ان کا نکاح پڑھائے۔

تشریح

اسلام میں نکاح کے لیے قاضی یا پادری کی ضرورت نہیں ہے اور اس امر میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ اسلامی قانون کے بموجب نکاح قاضی یا رجسٹرار کے بغیر منعقد ہو سکتا ہے۔ اسلام میں پاپائیت کا کوئی وجود نہیں۔

۱۱۔ ایجاب و قبول زبانی یا تحریری دونوں طرح جائز ہے۔

ایجاب و قبول زبانی یا

توضیح : اگر فریقین اصالتاً یا وکالتاً مجلس نکاح میں موجود ہوں تو زبانی ایجاب و قبول لازم ہوگا الا یہ کہ کسی معذوری کے سبب ایسا کرنا ممکن نہ ہو۔

تحریری

تشریح

اگر کوئی فریق اصالتاً یا وکالتاً مجلس نکاح میں موجود نہ ہو بلکہ اس کی طرف سے ایجاب مستند تحریر کی شکل میں موجود ہو اور وہ ایجاب بموجودگی گواہان مجلس نکاح میں پڑھا جائے اور فریق ثانی اس کے جواب میں اپنی منظوری ظاہر کر دے تو نکاح

(۲۰) بدائع الصنائع، الکافی، مصر، جلد دوم، صفحات ۲۳-۲۳۲۔

منعقد ہو جائے گا۔^{۲۱} چنانچہ اگر عورت کے پاس قاصد بھیجا یا اس کو ایجاب کا خط لکھا اور عورت مذکورہ نے ایسے دو گواہوں کے سامنے جنہوں نے قاصد کے کلام کو یا خط کی عبارت کو سنا، قبول کیا تو نکاح منعقد ہو جائے گا کیوں کہ مجلس من حیث المعنی متحد ہے۔^{۲۲}

اسی طرح اگر عورت نے گواہوں سے کہا کہ فلاں مرد نے مجھے خط لکھا ہے۔ اس میں یہ مضمون ہے کہ وہ مجھ سے نکاح کرتا ہے پس تم لوگ گواہ رہو کہ میں نے اپنے نفس کو اس کے نکاح میں دیا تو نکاح صحیح ہوگا کیوں کہ گواہوں نے عورت کا کلام اس کے قبول کرنے سے سنا اور مرد کا کلام (ایجاب) اس طریقہ پر سنا کہ مذکورہ عورت نے اس کا کلام ان گواہوں کو سنایا ہے۔^{۲۳}

۱۲۔ (۱) ایجاب و قبول اصالتاً یا وکالتاً دونوں طرح جائز ہے، بشرطیکہ وکیل عاقل و بالغ ہو۔

ایجاب و قبول اصالتاً یا وکالتاً

(۲) اگر شخص غیر مجاز (فضولی) کسی کا نکاح کر دے یا اپنے اختیار سے تجاوز کرتے ہوئے موکل کی جانب سے نکاح کا ایجاب یا قبول کر لے تو ایسا نکاح موکل کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ اگر اس نے اجازت دے دی تو نافذ ہو جائے گا ورنہ کالعدم قرار پائے گا۔

(۲۱) قانون الاحوال الشخصیہ، شام، دفعہ ۷۔

(۲۲) بدائع الصنائع، الکاسانی، جلد ۲، صفحہ ۲۳۳۔

فتاویٰ عالمگیری (عربی) مطبع مجیدی کانپور، جلد ثانی کتاب النکاح صفحہ ۲۔

(۲۳) ذخیرہ بحوالہ فتاویٰ عالمگیری (عربی) مطبع مجیدی کانپور، جلد ثانی، صفحہ ۲۔

رد المحتار، مطبوعہ مصر، جلد ۲، صفحہ ۲۷۲۔

تشریح

یہ مسئلہ متفقہ ہے کہ نکاح میں ایجاب و قبول و کلاء (Agents) کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔

وکیل نکاح کی اہلیت :

بیشتر کتب فقہ کی رو سے وکیل نکاح کے لیے ضروری ہے کہ وہ عاقل ہو لیکن بلوغ شرط نہیں۔ چنانچہ صبی عاقل (ایسا لڑکا جو بھلے برے اور نفع و نقصان کی تمیز رکھتا ہو) وکیل نکاح بن سکتا ہے۔ اس کی دلیل یہ دی گئی ہے کہ جو معاہدات ایسے ہیں جن میں معاہدے کے حقوق کی نسبت وکیل اپنی ذات کی طرف کر سکتا ہے، وہاں یہ حقوق وکیل کی طرف راجع ہوں گے جیسے بیع و شراء، اجارہ و صلح۔ لیکن جن عقود کی نسبت وکیل اپنی ذات کی طرف نہیں کر سکتا بلکہ ان کی نسبت موکل ہی کی طرف کرنا لازم ہے وہاں معاہدہ کے تحت حقوق موکل کی طرف راجع ہوں گے اور وکیل اس صورت میں محض سفیر و معبر متصور ہوگا، جیسے نکاح، طلاق و خلع وغیرہ۔^{۲۴}

حنفیہ اور شافعیہ میں اختلاف :

حنفیہ کے نزدیک ایسے نا بالغ لڑکے کو جو عاقل ہو اچھے و برے، نفع و نقصان کی تمیز و سمجھ رکھتا ہو وکیل نکاح بنانا جائز ہے۔^{۲۵} ان کے نزدیک وکالت میں بلوغ و حریت کی

(۲۴) ہدایۃ الصنائع، الکاسانی، مطبوعہ مصر، جلد ۶، کتاب الوکالت، صفحہ ۳۳۔

(۲۵) در مختار بر حاشیہ رد المحتار، مصر جلد ۴، صفحہ ۳۱۷۔

مجمع الانہر، مصر، جلد ۲، کتاب الوکالت، صفحہ ۲۳۲۔

فتح المعین، مصر، جلد ۳، صفحات ۹۵-۹۴۔

فتاویٰ عالمگیری (عربی) مطبوعہ کان پور، جلد ۳، کتاب الوکالت، صفحہ ۲۵۴۔

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۱۲]

شرط نہیں۔ صرف عاقل ہونا شرط ہے۔ البتہ امام شافعی کے نزدیک صبی کی وکالت درست نہیں کیوں کہ وہ غیر مکلف ہے۔^{۲۶}

کلکتہ ہائی کورٹ نے ایک مقدمہ عرفان الدین بنام بدن شیخ میں یہ قرار دیا کہ یہ امر کہ وہ وکیل جس نے لڑکی کی جانب سے بحیثیت وکیل عمل کیا نابالغ تھا نکاح کے جواز کو متاثر نہیں کرتا کیوں کہ زیر دفعہ ۱۸۳ قانون معاہدہ ۱۸۷۲ ع ایک نابالغ، اصل شخص (Principal) اور شخص ثالث کے درمیان بحیثیت کارندہ عمل کرسکتا ہے۔^{۲۷}

تجزیہ :

وکیل، کارندہ یا ایجنٹ کا جو عام مفہوم ہمارے معاشرے میں لیا جاتا ہے اور جو ذمہ داریاں اس سے منسوب کی جاتی ہیں ان کے پیش نظر عقد کی بات چیت طے کرنے کی حد تک اس کی حیثیت معبر اور سفیر کی ہوسکتی ہے۔ لیکن جب وہ اس امر کا مجاز ہو کہ اپنے موکل یا موکلہ کا نکاح خود ایجاب یا قبول کرے کسی عورت یا مرد کے ساتھ کر دے تو اس کی حیثیت محض ایک معبر اور سفیر کی نہیں رہتی بلکہ ایک کارندہ مجاز کی ہو جاتی ہے، جس کا قول یا عمل قابل نفاذ اور اس کے موکل کے لیے قابل پابندی ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں کارندہ کے لیے لازم ہونا چاہیے کہ وہ عاقل و بالغ ہو، کیوں کہ زمانہ کے عام معیار کے مطابق ایک عاقل و بالغ شخص ہی سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنے موکل یا موکلہ کے حقوق کی

(۲۶) بدائع السمائع، الکامانی، مطبوعہ مصر، جلد ۶، کتاب الوکالت، صفحہ ۲۰۔

(۲۷) ۵۱ انڈین کیسیز صفحہ ۵۸۳۔

نگہداشت کا اہل ثابت ہوگا۔ اس سے قطع نظر، ایک نابالغ، جب خود معاہدہ کرنے کا اہل نہیں ہے تو وہ دوسروں کو اپنے کیے ہوئے معاہدہ کا کیوں کر پابند کر سکتا ہے؟ -

عقلاً بھی یہ بات مناسب معلوم ہوتی ہے کہ وکیل نکاح کا بالغ ہونا ضروری قرار دیا جائے۔ اس ضمن میں ہم خود کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے سے متفق پاتے ہیں۔

۱۳۔ نکاح ایجاب و قبول کے ایسے الفاظ سے منعقد ہو سکتا ہے جو اپنی تاثیر کے اعتبار سے عاقدین نکاح کو شرع کے مطابق فوری طور پر رشتہ ازدواج میں منسلک کر دیں۔ مثلاً

(۱) ”میں نے اپنی لڑکی تمہارے نکاح میں دے دی۔“

(ب) ”میں نے اپنی لڑکی کو تمہاری ملک میں دے دیا۔“

(ج) ”میں نے اپنی لڑکی تمہیں ہبہ کر دی۔“

توضیح: بحالت معدوری بذریعہ تحریر یا ایسے اشارہ کے ذریعہ بھی ایجاب و قبول ہو سکتا ہے جس سے فریقین ایک دوسرے کے مقصد کو غیر مبہم طور پر سمجھ لیں۔

تشریح

حنفیوں کے نزدیک نکاح مختلف کلمات مثلاً نکاح، تزویج، تملیک، ہبہ^{۲۸} وغیرہ سے منعقد ہو سکتا ہے۔^{۲۹} لیکن امام

(۲۸) حنفی لفظ ”ہبہ“ سے نکاح ہو جانے کے جواز میں ”ان المرأة المومنة

التي و هبت نفسها للنبي - - - الخ سے استدلال کرتے ہیں۔

(۲۹) ”يفذ النكاح والتزويج والتملك والهبة والصدقة ولا ينعقد بلفظ لاجارة

والاعارة والاباحة“ (قدوری، قرآن محل کراچی، صفحہ ۱۳۷) ”لاخلاف

ان النكاح ينعقد بلفظ النكاح والتزويج وهل ينعقد بلفظ البيع والهبة

والصدقة والتملك قال اصحابنا رحمهم الله وقال الشافعي لا ينعقد الا بلفظ

النكاح والتزويج“ (بدائع الصنائع، الكاساني، مصر، جلد ۲ صفحہ ۲۲۹)۔

شافعی کے نزدیک نکاح صرف نکاح یا تزویج کے الفاظ سے منعقد ہوتا ہے۔ اسی طرح شیعہ مکتب فکر میں بھی ”نکاح“ یا ”تزویج“ کے الفاظ کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا۔^{۳۰} بہر کیف ایجاب و قبول کے الفاظ ایسے ہونے چاہئیں جو لفظاً و معنماً اور عرفاً نکاح پر دلالت کرتے ہوں۔^{۳۱}

سبب اختلاف :

اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ بعض فقہاء کے نزدیک نکاح کی نیت کے ساتھ ایسے واضح الفاظ کے اظہار کی بھی ضرورت ہے جن سے سوائے نکاح کے اور کوئی مفہوم نہ نکلتا ہو لیکن دوسرے فقہاء کے نزدیک نکاح کی نیت کے علاوہ ایسے خاص الفاظ استعمال کرنے کی ضرورت نہیں جو صرف نکاح کے لیے مستعمل ہوں بلکہ اگر نکاح کا اظہار ایسے الفاظ سے بھی کر دیا جائے جو اپنے اصلی معنی کے علاوہ نکاح پر بھی دلالت کرتے ہوں تو یہ کافی ہو گا۔

گونگے بہرے کا ایجاب و قبول :

اگر فریقین یا ان میں سے کوئی ایک گونگا یا بہرا ہو تو ایجاب و قبول اشارے کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے لیکن وہ اشارہ ایسا ہونا چاہیے جس سے فریقین پر یہ واضح ہو جائے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ رشتہ زوجیت میں منسلک ہو رہے ہیں۔^{۳۲}

(۳۰) شرح وقایہ (اردو ترجمہ) ملک سراج الدین اینڈ سنز جلد ۲، صفحہ ۳۶۳۔

شرائع الاسلام مطبوعہ ایران، کتاب النکاح۔

(۳۱) قانون الاحوال الشخصیہ، شام، دفعہ ۶۔

(۳۲) فتاویٰ عالمگیری (عربی) جلد ثانی، مطبع مجیدی کان پور، صفحہ ۳۔

الاحکام الشرعیہ فی الاحوال الشخصیہ، مصر، دفعہ ۱۰۔

اگر عاقدین نکاح یا ان میں سے کوئی ایک گونگا یا بہرا ہو اور وہ مجلس نکاح میں موجود ہو اور بذریعہ تحریر ایجاب یا قبول کرے تو اشارے کے مقابلہ میں بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔

۱۴۔ ایجاب و قبول کے الفاظ میں دونوں صیغے ماضی کے ہوں گے یا ایک ماضی اور دوسرا مستقبل کا، یا ایک صیغہ امر اور دوسرا ماضی کا۔

ایجاب و قبول کے صیغے

تشریح

ایجاب و قبول کے لیے دونوں صیغے ماضی کے ہوں۔ جیسے کوئی کہے کہ میں نے اپنا یا اپنی بیٹی کا یا اپنی موکہ کا نکاح تجھ سے کیا۔ اور دوسرا کہے کہ میں نے قبول کیا۔ نکاح ان دو لفظوں سے بھی منعقد ہو جاتا ہے جن میں سے ایک لفظ ماضی کے لیے موضوع ہو اور دوسرا مستقبل یا حال کے لیے۔ مستقبل سے مراد امر کا صیغہ ہے جیسے کوئی کہے کہ میرا نکاح اپنی ذات سے کر دے یا یوں کہے کہ تو میری بیوی ہو جا۔ اور دوسرا کہے کہ میں نے تیرا نکاح اپنی ذات سے کر دیا یا میں تیری بیوی ہو گئی۔ نکاح ان دو لفظوں سے بھی ہو سکتا ہے جن میں ایک صیغہ ماضی اور دوسرا مضارع کا ہو لیکن صیغہ مضارع سے اس وقت نکاح منعقد ہوگا جب کہ متکلم اس سے استقبال کے معنی کا ارادہ نہ کرے بلکہ حال مراد ہو، ورنہ وعدہ نکاح ہوگا نہ کہ ایقاع نکاح۔ بہر حال ایجاب و قبول کے الفاظ میں ایک صیغہ ماضی کا ہونا لازمی ہے۔^{۳۳} اگر نکاح کی نسبت مستقبل کی

(۳۳) قدوری، قرآن محل کراچی، صفحہ ۱۴۷۔

کنزالدقائق مطبع مجتہائی دہلی، صفحہ ۹۷۔

فتاویٰ عالمگیری (عربی) مطبع مجیدی کانپور جلد ثانی، کتاب النکاح،

(بقیہ برحاشیہ صفحہ ۱۱۰)

صفحہ ۳۔

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۱۵]

طرف ہو یا کسی غیر متحقق شرط پر معلق ہو تو نکاح منعقد نہ ہوگا۔ ۳۴

۱۵۔ ایجاب و قبول کے لیے ایک کلام کا دوسرے کلام سے مطابق ہونا ضروری ہوگا۔

ایجاب و قبول میں
تطابق

تشریح

ایجاب و قبول کے لیے ضروری ہے کہ ایک کلام دوسرے سے مختلف نہ ہو۔ چنانچہ اگر ایک نے دوسرے سے کہا کہ میں نے اپنی بیٹی کا نکاح تجھ سے ایک ہزار درہم پر کیا اور مرد نے جواب دیا کہ میں نے نکاح قبول کیا لیکن مہر قبول نہیں کرتا تو نکاح باطل ہوگا یعنی سرے سے منعقد ہی نہ ہوگا۔ ۳۵

۱۶۔ نکاح کا جواز متناکحین یا ان کے اولیاء کے عاقل و بالغ ہونے اور دو بالغ و عاقل مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی اور ساعت میں برضا مندی فریقین ایک مجلس میں ایجاب و قبول پر پر منحصر ہے بشرطیکہ متناکحین یا ان میں سے کسی ایک کی ذات میں کوئی ایسا امر شرعی موجود نہ ہو جو مانع نکاح ہو۔

جواز نکاح

استثنا: متناکحین اگر شیعہ ہوں یا نکاح شعبہ مذہب کے مطابق پڑھایا جائے تو اس کے جواز کے لیے گواہوں کی موجودگی ضروری نہیں ہے۔

(بقیہ از حاشیہ صفحہ ۱۰۹)

درالمختار و ردالمحتار جلد ۲، مطبوعہ مصر، کتاب النکاح، صفحہ ۲۷۰۔

شرح وقایہ (اردو ترجمہ) جلد ۲، صفحہ ۳۶۳۔

غایۃ الاوطار مطبع نو لکشور لکھنؤ، جلد دوم صفحہ ۴۔

(۳۴) قانون الاحوال الشخصیہ، شام، دفعہ ۱۳۔

(۳۵) فتاویٰ عالمگیری (عربی) مطبع مجیدی کانپور، جلد ثانی، صفحہ ۲۔

درالمختار و ردالمحتار، جلد ۲، صفحہ ۲۷۳ و ۲۷۴، مطبوعہ مصر۔

تشریح

فقہا نے نکاح کی شرائط کو تین انواع میں تقسیم کیا ہے :

(۱) شرائط انعقاد نکاح -

(۲) شرائط جواز نکاح -

(۳) شرائط لزوم نکاح -

انعقاد نکاح کی شرائط کو دو انواع میں تقسیم کیا گیا ہے :

(الف) وہ شرائط جن کا تعلق عاقدین نکاح سے ہے -

(ب) وہ شرائط جن کا تعلق مجلس عقد سے ہے -

پہلی شرط انعقاد - عقل :

جن شرائط کا تعلق عاقدین نکاح سے ہے وہ عقل ، بلوغ اور رضا مندی ہیں - چنانچہ نکاح کے لیے عاقل ہونے کی شرط لازمی حیثیت رکھتی ہے - کیونکہ پاگل یا بے عقل لڑکا نکاح کی اہلیت نہیں رکھتا - لیکن صبی عاقل کا کیا ہوا نکاح اس کے ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا -^{۳۶}

دوسری شرط انعقاد - بلوغ :

انعقاد نکاح کی دوسری شرط بلوغ ہے - کیونکہ نکاح کی قابلیت بلوغ ہی سے پیدا ہوتی ہے - اگر متناکحین یا ان میں سے کوئی ایک بالغ نہ ہو تو ان کا کیا ہوا نکاح منعقد نہ ہوگا البتہ نابالغ کی طرف سے اس کا ولی ایجاب یا قبول (جیسی صورت ہو) کر سکتا ہے -^{۳۷}

(۳۶) واما شروطه فمنها العقل و البلوغ و الحرية في العاقد الا ان الاول شرط الانعقاد فلا ينعقد نكاح المجنون والصبى لا يعقل والاخرين شرط انعقاد فان نكاح الصبي العاقل يتوقف نفاذه على اجازة وليه - (فتاوی عالمگیری، کتاب النکاح، جلد ثانی، صفحہ ۱) -

(۳۷) ملاحظہ ہو باب "ولایت نکاح" کتاب ہذا -

بلوغ اور حنفیہ و شافعیہ مکاتب فکر:

شرعاً لڑکی اس وقت بالغ سمجھی جاتی ہے جب کہ اسے حیض آنا شروع ہو جائے۔ حیض آنے کی کم از کم عمر ۹ سال ہے۔ حیض نہ آنے یا بلوغ کی کوئی دوسری شہادت نہ ہونے کی صورت میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک لڑکی کی عمر بلوغ سترہ سال ہے۔ لڑکا اس وقت بالغ سمجھا جاتا ہے جب کہ اسے احتلام ہونے لگے اس کی کم از کم عمر ۱۲ سال ہے۔ احتلام یا بلوغ کی کوئی دوسری شہادت نہ ہونے کی صورت میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک لڑکا اٹھارہ سال کی عمر میں بالغ سمجھا جائے گا لیکن امام ابویوسف اور امام محمد نے امام اعظم سے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے۔ ان کے نزدیک اگر لڑکا محتلم یا لڑکی حائضہ ہو جائے یا دونوں اپنی عمر کے پندرہ سال پورے کر لیں تو بالغ متصور ہوں گے امام شافعی نے بھی صاحبین کی رائے سے اتفاق کیا ہے۔^{۳۸}

شیعیہ مکتب فکر:

شیعیہ مکتب فکر کے نزدیک بھی لڑکے اور لڑکی دونوں کا بلوغ شرعی پندرہواں سال قمری ختم ہونے پر قیاس کر لیا جائے گا۔ الا یہ کہ شہادت سے یہ ثابت کر دیا جائے کہ بلوغ اس سے پہلے ہو چکا تھا۔^{۳۹}

(۳۸) عن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ عرض علی رسول اللہ صلی علیہ وسلم غلام و
 ہوا بن اربع عشرة سنة فردہ و عرض ہوا بن خمس عشرة فاجازہ فقد جعل
 علیہ السلام خمس عشرة حدالباوغ - (بدائع الصنائع 'الکاسانی' مصر'
 جلد ۷ صفحہ ۱۷۲)۔

ہدایہ (انگریزی) صفحہ ۵۲۹۔

(۳۹) جامع الاحکام فی فقہ الاسلام مطبوعہ لکھنؤ، جلد اول، صفحہ ۱۱۰۔

نافذالوقت قانون :

پاکستان میں از روئے دفعہ ۳ قانون بلوغ (Majority Act) مجریہ ۱۸۷۵ء تقویم عیسوی کے مطابق ۱۸ سال کی عمر سن بلوغ ہے اور جن نابالغوں کا ولی بحکم عدالت مقرر کیا گیا ہو یا جو کورٹ آف وارڈز کی زیر نگرانی ہوں، ۲۱ سال کے اختتام پر بالغ متصور ہوتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کے عائلی امور مثلاً نکاح، مہر، اور طلاق کے معاملات میں قانون مذکور کا اطلاق نہیں ہوتا۔

البتہ مسلم عائلی قوانین آرڈی نینس نمبر ۸، مجریہ ۱۹۶۱ء کے تحت امتناع ازدواج اطفال مجریہ ۱۹۲۹ء میں ترمیم کے ذریعہ اطفال کی شادیوں سے پیدا ہونے والی سماجی برائیوں کے انسداد کی غرض سے متناکحین کی کم از کم عمروں کا تعین کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ از روئے قانون نافذالوقت لڑکی اور لڑکے کی قابل نکاح عمر علی الترتیب سولہ اور اٹھارہ سال قرار دی گئی ہے۔

دیگر مسلم ممالک میں عمر نکاح کا تعین :

عمر نکاح کے تعین کے سلسلہ میں دیگر مسلم ممالک میں بھی قانون سازی کی گئی ہے چنانچہ عراق کے قانون الاحوال الشخصیہ کے تحت عمر نکاح اٹھارہ سال مقرر ہے۔ قانون الاحوال الشخصیہ سوریہ اور قانون حقوق العائلة الاردنی کے تحت لڑکے کی عمر نکاح اٹھارہ سال اور لڑکی کی سترہ سال مقرر ہے۔ مراکش کے مدونة الاحوال الشخصیہ میں بھی لڑکے کی عمر نکاح اٹھارہ سال مقرر ہے مگر لڑکی کی عمر نکاح پندرہ سال مقرر ہے۔ دراصل عمر نکاح کے تعین کا مسئلہ معاشرتی حالات و کوائف پر منحصر ہوتا ہے۔

تیسری شرط انعقاد — رضا مندی :

عاقدين نکاح سے متعلق نکاح کی تیسری شرط رضا مندی ہے۔ چنانچہ طرفین کی رضا مندی کے بغیر نکاح جائز نہ ہوگا۔^{۳۱} خواہ عورت باکرہ بالغہ ہو یا ثیبہ، رضا مندی لازمی ہے۔ احناف کے نزدیک اس کا ولی اس کو نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا۔^{۳۲} چنانچہ ان کے نزدیک بالغہ عورت (باکرہ ہو یا ثیبہ) کا نکاح اس کی رضا مندی کے بغیر یا اس کی مرضی کے خلاف منعقد نہیں ہو سکتا۔ خواہ نکاح کرنے والا اس کا باپ ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن شافعیہ کے نزدیک باکرہ عورت کے نکاح میں، اگر وہ نکاح اس کے باپ اور دادا نے کیا ہو، اس کی رضا مندی شرط نہیں ہے۔^{۳۳} لیکن اگر اس کے باپ یا دادا کے علاوہ کوئی اور شخص نکاح کرنے والا ہو تو اس صورت میں باکرہ عورت کا نکاح کے لیے واضح الفاظ میں اظہار رضا مندی ضروری ہے۔^{۳۴}

اس امتیاز کا سبب یہ ہے کہ شافعیہ کے نزدیک صرف باپ یا

(۳۱) وفي الحديث المعروف البكرتستأمر في نفسها و سكوتها رضاها فدل ان اصل

الرضا منها معتبر - (المبسوط، السرخسي، مصر، جلد ۵، صفحہ ۲)۔

محمد زمان بنام نعيمه سلطان، پی اہل ڈی، ۱۹۵۲ع، پشاور، صفحہ ۳۷۔

(۳۲) رضاء المرأة اذا كانت بالغة بكراً كانت او ثيباً فلا يملك الولي اجبارها على

النكاح - (فتاوى قاضي خان، مطبوعه انديا، صفحہ ۱۵۷)۔

ولا تجبر البالغة البكر على النكاح لانقطاع الولاية بالبلوغ - (در المختار

برحاشيه رد المختار، كتاب النكاح، مصر، صفحہ ۲۰۶)۔

لسان الحكام، مطبوعه مصر، صفحہ ۱۵۳۔

(۳۳) والشافعي رحمة الله تعالى لا يعمل بهذا الحديث أصلاً (البكرتستأمر في

نفسها و سكوتها رضاها) فانه يقول في حق الاب والجد لا يشترط رضاها -

(المبسوط، السرخسي، مصر، جلد ۵، باب نكاح البكر، صفحہ ۲)۔

(۳۴) وفي تزويج غير الاب والجد لا يكتفي بسكوتها - (محولہ بالا صفحہ ۳)۔

بداية المجتهد، ابن رشد، مصر، جلد ۲، صفحہ ۵۔

دادا ہی ولی نکاح ہو سکتے ہیں۔ کسی دوسرے کو ولایت نکاح حاصل نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک شافعیوں کا یہ نقطہ نظر درست نہیں معلوم ہوتا، باکرہ بالغہ کے نکاح میں اس کی رضامندی بہر صورت شرط ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ”اہلیت نکاح“ کتاب ہذا)۔

معنوی رضامندی :

رضامندی صریح یا معنوی دونوں طرح ہو سکتی ہے۔ محض باکرہ لڑکی کا مسکرا دینا، ہنس دینا، یا خاموش رہنا یا بلا آواز رونا معنوی رضامندی سمجھی جائے گی^{۴۵}۔ لیکن اگر ہنسی سے تضحیک یا تمسخر ظاہر ہوتا ہو یا خاموشی سے غم و غصے کا اظہار ہوتا ہو تو وہ معنوی رضامندی نہیں کہلائے گی^{۴۶}۔

معنوی رضامندی صرف اس وقت صریح اجازت یا رضامندی کی قائم مقام ہوگی جب کہ نکاح کی اجازت کا طالب ولی اقرب ہو۔ اگر ولی ابعد یا اجنبی باکرہ بالغہ سے اجازت حاصل کرے گا تو ثیبہ کی طرح اس کی صریح رضامندی لازمی ہوگی^{۴۷}۔

فقہاء نے معنوی رضامندی کا اصول صرف باکرہ عورتوں کے نکاح کے سلسلے میں تسلیم کیا ہے لیکن ثیبہ (یعنی بسبب طلاق یا وفات

(۴۵) المبسوط، السرخسی، مصر، جلد ۵، باب نکاح البکر، صفحہ ۴۔
قدوری، قرآن محل کراچی، کتاب النکاح، صفحہ ۱۴۹، اصح المطابع
کراچی صفحہ ۱۶۲۔

در مختار، مصر، جلد ۲، صفحہ ۲۰۷۔

لسان الحکام، مصر، صفحہ ۱۵۳۔

(۴۶) وكذلك قالوا ان ضحكت كالمستهزئة لما سمعت لا يكون رضا والضحك
الذي يكون بطريق الاستهزاء معروف بين الناس (المبسوط السرخسی،
مصر، جلد ۵، باب نکاح البکر، صفحہ ۴)۔

(۴۷) در مختار و رد المحتار، مصر، جلد ۲، صفحہ ۲۰۹۔

المبسوط، السرخسی، مصر، جلد ۵، صفحہ ۴۔

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۱۶]

شوہر سے جدا شدہ) عورتوں کی صریحی رضامندی ضروری ہے ۴۸۔
 اگر کسی عورت کا پردہ بکارت اچھل کود، حیض، زخم یا
 عمر کی زیادتی کے سبب زائل ہو جائے تو تمام حنفی ائمہ کے نزدیک
 نکاح کے لیے اس کی معنوی رضامندی کافی ہوگی ۴۹۔ لیکن امام شافعی
 کے نزدیک وہ عورت رضامندی کے معاملے میں ثیبہ کے حکم میں
 داخل ہوگی۔ اس مسئلہ میں حنفی ائمہ کی رائے معاشرتی آداب کے
 پیش نظر صحیح معلوم ہوتی ہے۔

البتہ اگر کسی عورت کی بکارت زنا کے سبب زائل ہو جائے تو
 نکاح کے لیے باکرہ کی طرح معنوی رضامندی قابل اعتبار ہوگی یا نہیں؟
 اس ضمن میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایسی عورت باکرہ کے حکم
 میں داخل ہے۔ لیکن امام ابو یوسف و امام محمد کے نزدیک ثیبہ
 (شوہر دیدہ) کی طرح صرف صریح رضامندی کا اعتبار کیا جائے گا ۵۰
 اور یہی نقطہ نظر امام شافعی کا بھی ہے۔

وجہ اختلاف:

ائمہ کے درمیان اس فرق کی دو وجوہ ہیں ایک یہ کہ امام
 شافعی ثیبہ اور باکرہ کے لغوی معنی سے استدلال کرتے ہیں، جب
 کہ امام ابوحنیفہ ان الفاظ سے شرعی اور فقہی معنی مراد لیتے
 ہیں۔ اختلاف کی دوسری وجہ یہ ہے کہ امام شافعی سکوت یا

(۴۸) قدوری، قرآن محل کراچی، کتاب النکاح، صفحہ ۱۴۹، اصح المطابع
 کراچی، صفحہ ۱۱۳۔

رد المحتار، مصر، جلد ۲، صفحہ ۲۰۷۔

(۴۹) قدوری، قرآن محل، کتاب النکاح، صفحہ ۱۴۹، اصح المطابع کراچی
 صفحہ ۱۶۳۔

در مختار و رد المحتار، مصر، جلد ۲، صفحہ ۲۱۰۔

(۵۰) قدوری، قرآن محل کراچی، کتاب النکاح، صفحہ ۱۴۹، اصح المطابع
 کراچی، صفحہ ۱۶۳۔

معنوی رضامندی کے اصول کو باکرہ عورتوں سے بر بناء بکارت منسوب کرتے ہیں جب کہ امام ابو حنیفہ عورت کی حیاء و شرم کی بناء پر معنوی رضامندی کے اصول کا اطلاق کرتے ہیں۔

عقلاً امام ابو حنیفہ کا قول مستحسن ہے کیوں کہ کوئی عورت اپنے زنا کا اعلان نہیں کیا کرتی۔

احادیث بسلسلہ رضامندی:

رضامندی کے سلسلے میں مندرجہ بالا احکام کا حسب ذیل احادیث سے استخراج کیا گیا ہے:

(۱) ”عن عبد الله بن عباس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال الایم احق بنفسها من ولیها والبکرتستان فی نفسها و اذنها صماتها“ ۵۱۔

ابن عباس سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایّم (یعنی غیر شادی شدہ) عورت اپنے ولی کی نسبت اپنے نفس پر زیادہ حق رکھتی ہے اور باکرہ عورت سے اس کی رضامندی معلوم کی جائے اس کے نفس کے بارے میں، اور اس کی خاموشی اس کی طرف سے اجازت اور اظہار رضامندی ہے۔

(۲) دوسری روایت میں اس حدیث کو ”الثیب احق بنفسها من ولیها“ اور ”لا تنکح الایم حتی تستامر“ کے الفاظ میں بھی بیان کیا ہے۔

امام محمد نے اپنی کتاب ”موطا“ میں لکھا ہے کہ ثیبہ اور بالغہ باکرہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر مناسب نہیں۔ باکرہ کی

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۱۶]

اجازت اس کی خاموشی سے اور نیند کی رضامندی زبان کے ذریعہ معتبر ہے ۵۲۔

رضامندی غیر مشروط ہونی چاہیے ورنہ نکاح صحیح نہ ہوگا۔ البتہ بعض صورتوں میں شرط باطل ہو جاتی ہے اور نکاح صحیح قرار پاتا ہے۔

رضامندی بالجبر:

رضامندی کا بلاجبر و اکراہ ہونا ضروری ہے چنانچہ اگر مرضی جبر یا فریب سے حاصل کی گئی ہو تو نکاح فاسد ہوگا، بجز اس کے کہ بعد میں توثیق ہو جائے ۵۳۔

رضامندی بذریعہ غلط بیانی:

اگر کسی مرد نے خود کو باعتبار نسب ایسا شخص باور کرا کر، جو وہ حقیقتاً نہ ہو، عورت سے نکاح کی مرضی حاصل کر لی ہو اور اس کو نسب کے معاملے میں دھوکہ دیا ہو تو عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا، لیکن اگر وہ مرد نسب کے اعتبار سے اس سے بہتر ہو جو اس نے ظاہر کیا ہے تو عورت کو حق فسخ حاصل نہ ہوگا ۵۴۔

عورت کے معاملے میں صورت حال مختلف ہے چنانچہ اگر عورت خود کو مرد کا کفو ظاہر کرے جب کہ حقیقت میں وہ مرد کی کفو نہ ہو تو مرد پر نکاح لازم ہو جائے گا اور اسے اس بناء پر نکاح فسخ کرنے کا اختیار نہ ہوگا کیونکہ کفایت کے معاملے میں عورت

(۵۲) موطا، امام محمد، قرآن محل کراچی، صفحہ ۲۳۱۔

(۵۳) عبدالطیف بنام نیاز احمد (۱۹۰۹ع) ۳۱ الہ آباد، ۳۳۳۔

کاشوم بی بنام عبدالقادر (۱۹۲۱ع) ۳۵ بمبئی، ۱۵۱۔

(۵۴) المبسوط، السرخسی، مصر، جلد ۵، باب الاکفاء، صفحہ ۲۹۔

کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ البتہ وہ طلاق دے سکتا ہے^{۵۵}۔

اگر تفریق دخول سے قبل واقع ہو تو مرد پر کوئی مہر واجب نہ ہوگا اور نہ عورت پر عدت۔ دخول کی صورت میں مرد پر مہر مثل یا مہر مسمیٰ (جو کم ہو) واجب ہوگا۔ نیز عورت پر عدت واجب ہوگی اور مرد پر دوران عدت عورت کا نفقہ بھی واجب ہوگا۔

حق تفریق کی بنیاد:

تفریق کے حق کی بنیاد بیع میں خیار عیب کے اصول پر رکھی گئی ہے بعد دخول مہر ادا کرنے کا حکم اس عورت کے ملک بضع کے زائل ہونے کی بناء پر دیا گیا ہے اور عدت کا حکم نسب اولاد کے قیام کے سبب ہے۔

چوتھی شرط انعقاد — اتحاد مجلس:

وہ شرائط جن کا تعلق مجلس عقد سے ہے دو ہیں۔ ایک شرط مجلس نکاح ہے جس کو فقہی اصطلاح میں مکان عقد کہا جاتا ہے اور دوسری شرط مجلس عقد میں گواہوں کی موجودگی ہے۔

مجلس سے مراد وہ نشست ہے جو انعقاد نکاح کی غرض سے منعقد کی جاتی ہے۔ ایجاب و قبول کے لیے یہ امر لازمی ہے کہ دونوں (ایجاب و قبول) ایک ہی مجلس میں ہوں۔ چنانچہ اگر ایک مجلس میں ایجاب اور دوسری میں قبول ہو تو نکاح منعقد نہ ہوگا^{۵۶}۔ حتیٰ کہ

(۵۵) ماخوذ از المبسوط، امام سرخسی، مصر، جلد ۵، باب الاکفاء، صفحہ

۳۰۔ مزید ملاحظہ ہو صفحہ ۹۷ جس میں غلط بیانی کی چند مزید

صورتوں کا ذکر کیا گیا ہے مثلاً با کرہ ظاہر کرنا اور حقیقاً ثیبہ ہونا یا

حسین و جمیل ظاہر کرنا مگر کریہہ صورت ہونا۔

(۵۶) ہدایہ (انگریزی) ہملٹن، صفحہ ۲۶۔

اگر مجلس بدل جائے (مثلاً دونوں ایک مجلس میں ہوں، ایک نے ایجاب کیا مگر دوسرا قبول کرنے سے پہلے اٹھ کھڑا ہوا یا کسی ایسے کام میں مشغول ہو گیا جو مجلس بدل جانے کا موجب ہو تو کہا جائے گا کہ مجلس بدل گئی۔) تو اس دوسری مجلس میں قبول سے نکاح منعقد نہ ہوگا۔^{۵۷} صاحب بدائع الصنائع نے مجلس عقد کو انعقاد نکاح کی شرط قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ جب عاقدین نکاح مجلس میں موجود ہوں تو اتحاد مجلس کے لیے ضروری ہے کہ ایجاب و قبول ایک ہی مجلس میں کیا جائے، ورنہ نکاح منعقد نہ ہوگا۔^{۵۸}

یہاں اس سوال کا جواب دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کا ایجاب قاصد کے ذریعہ ہونے کی صورت میں اتحاد مجلس کی شرط کس طرح پوری کی جاسکتی ہے؟ مثال کے طور پر عورت کراچی میں ہے اور مرد لاہور میں، مرد لاہور سے عورت کو بذریعہ خط یا قاصد مطلع کرتا ہے کہ میں تم سے نکاح کرتا ہوں۔ اس صورت میں ایک مجلس عقد میں ایجاب اور قبول کس طرح ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب عورت کے پاس وہ خط یا قاصد پہنچا اور عورت نے دو گواہوں کے سامنے یہ بیان کرنے کے بعد کہ فلاں شخص نے مجھے خط لکھا ہے یا قاصد بھیجا ہے کہ وہ مجھ سے نکاح کرتا ہے اس ایجاب نکاح کو قبول کیا تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔ اسی طرح مستند تحریر یا ٹیپ ریکارڈ کی ہوئی تقریر ایجاب کو مجلس عقد میں گواہوں پر ظاہر کر کے فریق ثانی کی طرف سے نکاح کا قبول ہو سکتا ہے بشرطے کہ قبول کے وقت ایجاب بھی گواہوں کی موجودگی میں بیان کر دیا گیا ہو، کیونکہ قبول کے وقت ایجاب کے

(۵۷) فتاویٰ عالمگیری، (عربی) مطبع مجیدی، کان پور، جلد ثانی، صفحہ ۲۔
رد المحتار، مصر، جلد ۲، صفحہ ۲۷۳۔

(۵۸) بدائع الصنائع، الکاسانی، مصر، کتاب النکاح، جلد ۲، صفحہ ۲۳۲۔

اظہار سے مجلس عقد متحد خیال کی جائے گی۔

موجودہ دور میں رسل و رسائل کی ترقی اور آسانی کے پیش نظر فون پر بھی نکاح کا ایجاب و قبول ہو سکتا ہے بشرطے کہ ایجاب اور قبول کو دونوں گواہان بھی بیک وقت سن سکیں اور آواز پہچانتے ہوں۔

گواہوں کی موجودگی و ساعت :

مجلس عقد کی دوسری شرط ایجاب و قبول کے وقت گواہوں کی موجودگی اور ایجاب و قبول کی ساعت ہے۔ اس کے تین جزو ہیں :

(۱) موجودگی گواہان جواز نکاح کی شرط کے طور پر۔

(۲) تعداد گواہان۔

(۳) اہلیت گواہان بوقت ایجاب و قبول۔

گواہوں کی موجودگی :

ایجاب و قبول کے وقت گواہوں کی موجودگی جواز نکاح کی شرط کی حیثیت سے ماسوائے مالکیہ عام علماء کے نزدیک مسلم ہے۔ فقہاء نے اس کو نکاح کے جواز اور انعقاد کی شرط کہا ہے۔ چنانچہ برہان الدین علی ابن ابی ابکر المرغینانی (متوفی ۵۸۳ ہجری) نے اپنی مستند کتاب ”ہدایہ“ کی ”کتاب النکاح“ میں شہادت کو نکاح کے جواز کی ایک شرط کہا ہے^{۵۹} اسی طرح قاضی خان نے بھی ”کتاب النکاح“ کی فصل ”شرائط النکاح“ میں گواہوں کی موجودگی کو نکاح کی شرط جواز قرار دیا ہے^{۶۰}۔ الکسانی نے بھی اپنی کتاب بدائع

(۵۹) "ان الشهادة شرط فی باب النکاح" (ہدایہ عربی جلد دوم کتاب النکاح صفحہ ۵۔)

(۶۰) "فصل فی شرائط النکاح" منها الشهادة عندنا" (فتاویٰ قاضی خان مطبوعہ ہند صفحہ ۱۵۵)۔

الصنائع میں گواہوں کی موجودگی کو انعقاد نکاح کی شرط قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ ”نکاح پاگلوں اور بچوں کی موجودگی میں منعقد نہیں ہوتا... چونکہ شہادت ارکان عقد کی شرائط میں سے ہے اور عقد کے رکن ایجاب و قبول ہیں اور قبول کے بغیر عقد کے ایک رکن کا وجود نہیں ہوتا۔ پس جس طرح بغیر قبول کے حقیقتاً عقد کا ایک رکن موجود نہیں ہوتا اسی طرح شرعاً بغیر شہادت کے اس رکن کا کوئی وجود نہیں ہوتا“۔

شہادت نکاح کی حیثیت :

مندرجہ بالا حوالہ جات سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ فقہاء کے نزدیک گواہوں کی موجودگی انعقاد نکاح کے رکن (ایجاب و قبول) کی ایک شرط ہے۔ ان کی رائے میں نکاح میں گواہوں کی موجودگی اور ساعت عام معاہدات کے برعکس بصورت انکار تصدیق کے لیے نہیں بلکہ بجائے خود معاہدہ نکاح کے جواز کے لیے ہے چنانچہ حنفیہ، شافعیہ اور حنفیہ مکاتب فکر کے نزدیک نکاح کے وقت گواہوں کی موجودگی اور ساعت لازمی ہے“۔ بالفاظ دیگر، ان کے نزدیک ایجاب و قبول کے وقت گواہوں کی موجودگی اور ساعت معاہدہ نکاح کا ایک جزو ہے نہ کہ محض شہادت کا کوئی قاعدہ۔

(۶۱) ”فلا ینعقد النکاح بحضرة المجانین و الصبیان - - لان الشہادة من رکن العقد و رکنه و هو الایجاب و القبول و لا وجود للرکن بدون القبول فکما لا وجود للرکن بدون القبول حقیقۃ لا وجود له شرعاً بدون الشہادة“ (بدائع، الکاسانی، مصر، جلد دوم، صفحہ ۲۵۳)۔

(۶۲) ”ولا ینعقد نکاح المسلمین الا بحضور شاہدین حرین بالغین عاقلین مسلمین اورجل او امرأتین“ (قدوری قرآن محل، کراچی، صفحہ ۱۴۷ و اصح المطابع کراچی صفحہ ۱۶۱)۔

کنز الدقائق مطبع مجتہبی، دہلی صفحہ ۹۷۔

امام مالک کا لفظہ نظر :

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایجاب و قبول کے وقت گواہوں کی موجودگی جواز نکاح کی شرط نہیں ہے۔ صرف نکاح کا اعلان شرط ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک اگر نکاح گواہوں کی غیر موجودگی میں ہوا ہو مگر اس کا اعلان یا شہرت ہو گئی ہو تو ایسا نکاح جائز ہوگا۔ امام مالک اپنے قول کی بنیاد دو حدیثوں پر رکھتے ہیں، ایک یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خفیہ نکاح کرنے سے منع فرمایا۔^{۶۳} اور دوسرے یہ کہ آپ نے فرمایا، نکاح کا اعلان کرو خواہ دف کے ذریعے ہو۔^{۶۴}

امام مالک نے پہلی حدیث سے یہ نتیجہ نکالا کہ چونکہ سرکارِ دو عالم نے خفیہ نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے اس لیے بالفاظ دیگر آپ نے اعلان نکاح کا حکم دیا ہے۔ ان کا یہ استدلال منطق کے اس اصول پر قائم ہے کہ جس فعل کو منع کیا جاتا ہے اس میں اس کی ضد کے کرنے کا حکم پوشیدہ ہوتا ہے۔ اس بناء پر امام مالک نے نکاح کے جواز کے لئے اعلان کو ضروری شرط قرار دیا ہے۔ اور نکاح کے وقت دف بجانے کو بطور ذریعہ اعلان کے اختیار کیا ہے۔

دراصل امام مالک کے جواز نکاح کے لیے اعلان کو شرط قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ وہ نکاح کو اعلان کے ذریعہ زنا سے ممیز کرنا چاہتے ہیں۔ چونکہ زنا خفیہ ہوتا ہے اس لیے ان

(۶۳) "انہ نہی عن نکاح السر" (بدائع الصنائع، الکاسانی، مصر جلد دوم صفحہ ۵۳-۲۵۲)

(۶۴) "اعلنوا النکاح ولو بالدف" (بدائع الصنائع، الکاسانی، مصر جلد دوم صفحات ۵۳-۲۵۲)۔

کے نزدیک نکاح کا اعلان ایک وجوب کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے امام مالک کے نزدیک اگر کسی نکاح میں ایجاب و قبول کے وقت گواہ موجود ہوں مگر ان کو نکاح خفیہ رکھنے کی ہدایت کی جائے تو ایسا نکاح جائز نہ ہوگا۔

حنفی مسلک :

حنفی فقہاء اپنے دعوے کے ثبوت میں بالخصوص دو حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں۔ پہلی حدیث ”لا نکاح الا بشہود“ ہے کہ بغیر گواہوں کے نکاح نہیں ہوتا اور دوسری حدیث ”الزانیۃ التی تنکح نفسہا بغیر بینہ“ ہے یعنی ایسی عورت جو بغیر گواہوں کے نکاح کرے زانیہ ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک اگر شہادت نکاح شرط نہ ہوتی تو وہ عورت اس کے بغیر زانیہ سے تعبیر نہ کی جاتی۔

یہ صحیح ہے کہ شہادت نکاح زنا کی تہمت کو رفع کرنے کی غرض سے ہے لیکن گواہوں کی موجودگی کے ذریعہ نکاح کے اعلان اور اظہار کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ رسول مقبول کی مذکورہ بالا حدیث ”اعلنو النکاح“ کی صحیح تعبیر بھی یہی ہے، کیونکہ جب نکاح کے وقت گواہ موجود رہیں گے تو وہ خفیہ نہ رہے گا۔ لہذا اس حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں لیا جا سکتا کہ ”ایک نکاح جو دو گواہوں کے سامنے ہوا ہو مگر اس کا اعلان عام نہ ہوا ہو یا شہرت نہ ہوئی ہو تو وہ نا جائز ہو جائے گا“۔^{۶۵}

جہاں تک دف بجا کر نکاح کرنے کے اعلان کا تعلق ہے اس کی حیثیت محض ایک آلہ یا ذریعہ کی ہے۔ بجائے خود اعلان

(۶۵) شہزاد بیگم بنام عبدالحمید پی ایل ڈی، ۱۹۵۰ء، لاہور، ۵۴۔

نکاح کا کوئی مقررہ طریقہ نہیں ہے البتہ فقہاء نے دف بجانے کو مستحب کہا ہے۔

تجزیہ :

مندرجہ بالا بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تمام ائمہ اس پر متفق ہیں کہ شہادت نکاح کے لیے شرط ہے لیکن اختلاف اس بارے میں ہے کہ یہ شرط تکمیل نکاح کے لیے ہے یا صحت نکاح کے لیے۔ کیونکہ تکمیل نکاح کی شرط ہونے کی صورت میں نکاح تو ہو جائے گا مگر فاسد رہے گا تاآنکہ دخول سے قبل گواہی کی شرط پوری نہ کر دی جائے لیکن صحت نکاح کی شرط ہونے کی صورت میں نکاح اس وقت تک منعقد ہی نہ ہوگا جب تک کہ ایجاب و قبول کے وقت گواہ موجود نہ ہوں۔

بناء اختلاف :

اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ آیا نکاح میں شہادت کا وجوب شرعاً ہے یا محض اس لیے ہے کہ فریقین میں سے کسی ایک کے انکار کی صورت میں شہادت موجود ہو۔ جن فقہاء کے نزدیک شہادت نکاح ایک شرعی حکم ہے ان کے نزدیک صحت نکاح کے لیے شہادت کا ایجاب و قبول کے وقت ہونا ضروری ہے اور جن فقہاء کے نزدیک یہ اس لیے ضروری ہے کہ فریقین میں سے کوئی فریق عقد نکاح سے انکار نہ کر سکے، وہ اسے تکمیل کی حد تک ضروری قرار دیتے ہیں جو ایجاب و قبول کے بعد بھی ہو سکتی ہے۔

مصر و شام میں جو شرعی قانون رائج ہے اس کے تحت

شہادت کو صحت نکاح کی شرط قرار دیا گیا ہے۔^{۶۶} اور یہی نقطہ نظر صحت پر مبنی نظر آتا ہے۔

تعداد گواہان :

قرآن کریم میں جو آیت مداینہ یا معاملات کے لین دین میں گواہی کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے اس میں ضمناً گواہوں کی تعداد بھی بیان ہو گئی ہے۔ چنانچہ فقہاء آیہ کریمہ ”یا ایہا الذین آمنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمیٰ فاکتبوه... واستشهدوا شہیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشہداء ان تضلّ احد اہما فتذکر احد اہما الاخریٰ“۔^{۶۷} (یعنی اے ایمان والو! جب کسی مقررہ مدت کے لیے تم آپس میں قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو... پھر اپنے مردوں میں سے دو آدمیوں کی اس پر گواہی کرا لو اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں تاکہ ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔) پر مدار رکھتے ہوئے عام حکم قرآنی کی پیروی میں معاہدہ نکاح کے لیے بھی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کو کافی قرار دیتے ہیں۔ البتہ امام شافعی کے نزدیک دونوں گواہوں کا مرد ہونا ضروری ہے۔^{۶۸} لیکن اجماع پہلی صورت پر ہے۔

(۶۶) ”بشترط فی صحۃ عقد الزواج حضور شاعدین رجلین او رجل وامرأتین

مسلمین عاقلین بالغین سامعین الایجاب و القبول فہمین المقصود بہا“

(المادہ ۱۲ شرح قانون الاحوال الشخصیہ ، مولفہ مصطفی السباعی ،

دمشق ۱۹۵۸ ع صفحہ ۶۱)۔

مادہ ۷ احکام الشرعیہ فی الاحوال الشخصیہ ، مصر۔

(۶۷) سورہ بقرہ ، آیت ۲۸۲۔

(۶۸) شرح وقایہ (اردو ترجمہ) مطبوعہ لاہور صفحہ ۳۶۴۔

بہر کیف ایجاب و قبول کے وقت دو عاقل و بالغ مسلمان مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی موجودگی اور طرفین کے ایجاب و قبول کی سہاعت ضروری ہے صرف ایک گواہ کی موجودگی میں نکاح منعقد نہیں ہوتا۔^{۶۹} یہ امر لازم ہے کہ دونوں گواہ ایجاب و قبول کے وقت موجود رہیں اور اپنے کانوں سے ایجاب و قبول سنیں۔ اگر گواہوں نے صرف ایک کا کلام سنا یا ایک گواہ نے ایک کا کلام سنا اور دوسرے نے دوسرے کا تو نکاح منعقد نہ ہوگا۔“

امام سرخسی اپنی شہرہ آفاق کتاب المبسوط جلد ۵ باب ”النکاح بلا شہود“ صفحہ ۳۵ پر امام محمد کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”کہ اگر کسی شخص نے کسی عورت سے بغیر گواہوں کے نکاح کر لیا یا ایک شخص کی گواہی پر نکاح کر لیا اور اس کے بعد گواہی کی تکمیل کی تو نکاح جائز نہ ہوگا کیونکہ شہادت کی شرط نکاح کے وقت ہے اور ایجاب و قبول کے وقت شہادت نہیں پائی گئی۔ اور جو شہادت عقد فاسد پر قائم کی گئی وہ عقد فاسد کا اقرار ہے، عقد فاسد کا اقرار عقد صحیح نہیں ہوتا اور اس پر شہادت لانا نکاح فاسد کو نکاح صحیح میں تبدیل نہیں کر سکتا۔“^{۷۰}

(۶۹) فتاویٰ عالمگیری (عربی) مطبع مجیدی کان پور، جلد ثانی، کتاب النکاح، صفحہ ۱۔

رد المحتار، کتاب النکاح، صفحہ ۲۸۰۔

ہدایہ (عربی) مطبوعہ ہند، کتاب النکاح

(۷۰) البدائع الصنائع الکاسانی، مصر، جلد ۲ صفحہ ۲۵۵۔

رد المحتار، مصر، کتاب النکاح، صفحہ ۲۸۰۔

(۷۱) ولو تزوج امرأة بغیر شہود أو بشاہد واحد ثم أشہد بعد ذالک لم یجز النکاح لان الشرط هو الا شہاد علی العقد ولم یوجد وإنما وجد الا شہاد علی

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۱۶]

لیکن ایسا نکاح جو گواہوں کی موجودگی میں یا ایک گواہ کی موجودگی میں ہوا ہو، فاسد قرار پائے گا (نکاحاً فاسداً ہی المنکوحۃ بغیر شہود ردالمحتار، مصر، جلد ۲ صفحہ ۶۲۳)۔

اہلیت گواہان :

گواہوں کے سلسلے کی دوسری کڑی بوقت نکاح ان کی اہلیت ہے۔ چنانچہ یہ مسئلہ متفقہ ہے کہ گواہوں کا آزاد، عاقل، بالغ اور مسلمان ہونا ضروری ہے۔^۲ البتہ اگر مرد مسلمان اور عورت غیر مسلمہ ہو تو شیخین (امام ابوحنیفہ و امام ابو یوسف رحمہم اللہ تعالیٰ) کے نزدیک نکاح غیر مسلم گواہوں کے روبرو ہو سکتا ہے۔ البتہ امام محمد و امام شافعی و امام احمد بن حنبل کے نزدیک غیر مسلموں کی گواہی میں نکاح کسی بھی صورت میں جائز نہیں۔^۳

اگر گواہ فاسق یا اندھے ہوں تو حنفیوں کے نزدیک ان کی گواہی درست ہوگی مگر امام شافعی کے نزدیک ایسی گواہی نادرست ہوگی کیونکہ عدالت گواہی کی شرط ہے۔ اسی طرح ان کے نزدیک گواہ کا بیٹا ہونا بھی شرط عدل ہے۔^۴

الافرار بالعقد الفاسد والا قرار بالعقد الفاسد لیس بعقد وبالاشہاد علیہ لا ینقلب الفاسد صحیحاً۔ (المبسوط السرخسی، مصر جلد ۵ صفحہ ۳۵)۔
(۲) وشرط فی الشاہد اربعۃ امور الحربۃ والعقل والبلوغ والاسلام۔ ولا بحضرة الکفار فی نکاح المسلمین (بہر الرائق مصر، جلد ۳ صفحہ ۹۵)۔
(۳) سراج الوہاج بحوالہ فتاویٰ عالمگیری (عربی) مطبع مجیدی کان پور جلد ثانی صفحہ ۱۔

قدوری، قرآن محل، کراچی صفحہ ۱۳۷ واضح المطابع کراچی صفحہ ۱۶۱۔

وقال محمد لا یجوز و بہ قال زفر والشافعی و احمد لاشہادۃ الکافر علی المسلم۔۔۔ و صح تزوج مسلم ذمیۃ عند ذمیین۔ حاشیہ بر کنز الدقائق، مطبع مجتہائی، دہلی صفحہ ۹۷۔
(۴) شرح وقایہ (اردو ترجمہ) لاہور، صفحہ ۳۶۴۔
کنز الدقائق مطبع مجتہائی دہلی، صفحہ ۹۷۔

وجہ اختلاف :

حنفیہ اور شافعیہ میں اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ احناف شہادت کو موقع و محل کے اعتبار سے دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک حمل شہادت^{۵۵} اور دوسری ادائے شہادت^{۵۶}۔ چنانچہ انعقاد نکاح کے لیے امام ابوحنیفہ کے نزدیک فاسق گواہ بھی کافی ہیں کیونکہ اس وقت مقصود صرف سہاعت ہے البتہ ادائے شہادت کے وقت ان کی گواہی مقبول نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فی نفسہ ایک فاسق شخص میں بھی حمل شہادت کی اہلیت موجود ہے گو ایک عارضی وصف عدالت نہ ہونے کی وجہ سے بوقت اداء مردود الشہادۃ ہے۔ اس بناء پر ان کی شہادت بوقت نکاح درست ہوگی اور ان کی موجودگی میں نکاح ہو جائے گا۔

تجزیہ

اس وقت پاکستان میں جو قانون شہادت رائج ہے اس کے تحت مسلمانوں کے معاملات سے متعلق گواہوں کی اہلیت کے بارے میں اسلامی قانون شہادت کا بالکل لحاظ نہیں رکھا گیا۔ اسی طرح نکاح کے انعقاد یا بصورت انکار اس کے اثبات کے لیے بھی کوئی مخصوص التزام یا رعایت ملحوظ نہیں رکھی گئی۔

(۷۵) "حمل شہادت" سے بوقت نکاح مجاس میں موجودگی اور سہاعت مراد ہے۔

(۷۶) "ادائے شہادت" سے مراد یہ ہے کہ اگر فریقین نکاح (یعنی مرد یا عورت) میں کوئی ایک نکاح کے وجود کو تسلیم نہ کرتا ہو اور اس وقت نکاح کے اثبات کے لیے گواہی دی جائے تو اسے اصطلاحاً ادائے شہادت کہتے ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح القدیر، کتاب النکاح مصر، جلد ۲ صفحہ ۳۵۳)۔

نکاح کی شہادت، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، دو حصوں میں منقسم ہے ایک انعقاد نکاح کے لیے اور دوسری اثبات کے لیے۔ جہاں تک انعقاد کے لیے شہادت کے احکام کا تعلق ہے وہ دراصل اسلامی قانون نکاح کا ایک جزو ہیں اور (Substantive Law) کی تعریف میں آتے ہیں البتہ نکاح کے انکار کی صورت میں اثبات کے لیے کتب فقہ میں شہادت کے جو احکام پائے جاتے ہیں ان کو احکام ضابطہ (Rules of Procedure) کہا جا سکتا ہے۔

رائج الوقت قانون شہادت کے تحت اس صراحت کی غیر موجودگی میں کہ ”مسلمانوں کا نکاح غیر مسلموں کی گواہی سے منعقد نہیں ہو سکتا“۔ مسلمانوں کا نکاح غیر مسلم گواہوں کی موجودگی میں منعقد ہو سکتا ہے۔ اور اداۓ شہادت کے وقت بھی ان کی گواہی مقبول ہوگی۔ یہ صورت نص قرآن سے متصادم ہے۔ ”اذا تداینتم“ والی آیت میں ”رجالکم“ کا لفظ گواہوں کے لیے مسلمان ہونے کو شرط قرار دیتا ہے، اس لیے منجملہ دیگر معاملات کے، بالخصوص مسلمانوں کے نکاح کے انعقاد کی شہادت کے سلسلے میں اسلامی قانون شہادت کی پیروی ضروری ہے۔ اور موجودہ قانون شہادت اور عائلی قوانین میں ضروری ترمیم کی جانی چاہیے۔

والع شرعی :

نکاح کے شرعی موانع چار قسم کے ہیں :

- (۱) نسبی (۲) رضاعی (۳) ازدواجی (۴) سببی۔

(۱) نسبی موانع وہ ہیں جو قرابت نسب یعنی خون کے رشتے سے پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ ماؤں، بیٹیوں، بہنوں، پھوپھیوں، خالاؤں، بھتیجیوں سے خواہ وہ کتنے ہی بالائی یا زیرین درجہ کی ہوں نکاح بوجہ قرابت نسب ممنوع ہے۔

(۲) رضاعی موانع وہ ہیں جو بچے کے کسی اجنبی عورت کا دودھ پی لینے کی بناء پر پیدا ہوتے ہیں چنانچہ رضاعی ماؤں اور رضاعی بہنوں سے نکاح بوجہ رضاعت ممنوع ہے۔

(۳) ازدواجی موانع وہ ہیں جو ازدواج کی بناء پر پیدا ہوتے ہیں چنانچہ مدخولہ بیوی کی بیٹی، بیوی کی ماں، بیٹے، پوتے، نواسے کی بیوی سے نکاح کی ممانعت ہے۔

(۴) سببی موانع وہ ہیں جو مختلف اسباب کی بناء پر پیدا ہوتے ہیں مثلاً ایسی عورت سے نکاح جو کسی دوسرے کے نکاح میں ہو یا جس کی عدت نہ گزری ہو یا چار بیویوں کی موجودگی میں پانچواں نکاح یا ایسی حاملہ سے نکاح جس کا حمل ثابت النسب ہو، اس وقت تک کے لیے ممنوع ہے۔“ جب تک سبب امتناع دور نہ ہو جائے۔

۱۷۔ (۱) عائلی قانون کے بموجب عمل میں لایا ہوا ہر نکاح درج رجسٹر کیا جائے گا۔

نکاح کی رجسٹری

(۲) اس غرض کے لیے صوبائی حکومتیں مختلف علاقوں میں مناسب اشخاص کو بحیثیت نکاح رجسٹرار مقرر کریں گی۔

(۳) ہر ایسے نکاح کی اطلاع جس کو نکاح رجسٹرار نے سرانجام نہ دیا ہو درج رجسٹر کرنے کے لیے وہ شخص جس نے نکاح

(۷) مجمع الانہر، صفحہ ۳۲۲۔

رد المحتار، مصر، جلد ۲، صفحہ ۲۸۳۔

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۱۷]

مراجم دیا ہو نکاح رجسٹرار کو بھیجنے کا پابند ہوگا۔

(۴) نکاح کی رجسٹری انعقاد نکاح کی صرف ایک بادی النظری شہادت ہوگی۔

(۵) نکاح رجسٹر نہ کرانے کی صورت میں خاطر کو ایک ماہ قید سادہ یا پانچ سو روپے تک جرمانہ کی سزا دی جا سکتی ہے۔

تشریح

نکاح کی رجسٹری کا حکم قرآن یا حدیث سے ثابت نہیں مگر کوئی ایسی حدیث بھی موجود نہیں ہے جس سے نکاح کی رجسٹری کی ممانعت کی گئی ہو بلکہ فقہائے حنفی کے نزدیک کتابت نکاح مستحب ہے۔ (ملاحظہ ہو، فتح القدیر، ابن ہام، کتاب النکاح)۔

لیکن نکاح کا حسب ضابطہ رجسٹر ہونا یا نہ ہونا جواز نکاح پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اگر کسی کے نکاح کی رجسٹری نہ ہوئی ہو مگر نکاح کے دوسرے مطلوبہ ارکان پورے کیے گئے ہوں تو نکاح کے جواز پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔ رجسٹری نکاح کی حیثیت محض اضافی ہے، بجائے خود نکاح کی کسی شرط کا حکم نہیں رکھتی۔

نکاح کی رجسٹری کو لازمی قرار دینے کا منشاء ان دقتوں اور دشواریوں کو دور کرنا ہے جو نکاح سے انکار کی صورت میں ثبوت نکاح کے سلسلے میں پیش آتی ہیں۔ چنانچہ انتظامی مصالح کے پیش نظر رجسٹرار کا تقرر اور شرعی مصالح کے حصول کے لیے رجسٹری کے حکم میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔

پاکستان میں آرڈی نینس نمبر ۸ بابت ۱۹۶۱ ع کی دفعہ ۵ کے تحت نکاح کی رجسٹری لازمی قرار دے دی گئی ہے اور بصورت

خلاف ورزی تین ماہ قید سادہ یا ایک ہزار روپے تک جرمانہ عائد کیا جا سکتا ہے۔

بعض علماء کے نزدیک نکاح کی رجسٹری نہ کرانے کو قابل تعزیر جرم قرار دینا درست نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حکومت کا نکاح کی رجسٹری کو لازمی قرار دینا مصالح معاشرہ کے موافق ہے تو اولی الامر یا قانون ساز ادارہ کو کیوں نہ یہ اختیار حاصل ہو کہ ایک مباح یا مستحب فعل کو واجب قرار دے کر 'اس کی خلاف ورزی کو قابل تعزیر بنا دے' ورنہ اس کی پابندی کون کرے گا؟ اور اس طرح مقصد قانون ہی فوت ہو جائے گا۔ چنانچہ جن مسلم ممالک میں نکاح کی رجسٹری کو لازمی قرار دیا جا چکا ہے وہاں بھی اس امر کو شدت کے ساتھ محسوس کیا جا رہا ہے کہ لوگ اس کی تعمیل نہیں کرتے۔ چنانچہ ان ممالک کی مقننہ کو اس ضرورت کا احساس دلایا جا رہا ہے کہ اس کو قابل سزا جرم قرار دیا جائے (ملاحظہ ہو شرح قانون الاحوال الشخصیہ، 'شام' مؤلفہ مصطفی السباعی)۔

تجزیہ

اس حقیقت کے مدنظر کہ اس ملک کے عوام صدہا برس سے بلا رجسٹری نکاح کے عادی ہیں، سزا میں تخفیف اور نرمی برتنی چاہیے۔ بریں بناء مناسب ہوگا اگر تین ماہ قید کے بجائے ایک ماہ اور ایک ہزار روپے جرمانہ کے بجائے پانچ سو روپے تک جرمانہ کی سزا رکھی جائے، نیز بلا رجسٹری، نکاح کی قانونی نوعیت کو واضح کر دیا جائے، جو بہت سی غلط فہمیوں کو دور کرنے کا باعث ہوگا۔

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۱۸]

۱۸۔ (۱) کوئی شخص ایک زوجہ کے نکاح میں ہوتے ہوئے بجز عالی عدالت کی ماقبل تحریری اجازت کے دوسرا نکاح کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔

(۲) عالی عدالت صرف اس صورت میں اجازت دے گی جب کہ اسے اس امر کا اطمینان ہو گیا ہو کہ۔

(۱) وہ شخص حسب ضرورت مالی استطاعت رکھتا ہے۔

(ب) ایک زوجہ کی موجودگی میں دوسری عورت سے نکاح میں شرعی مصلحت مضر ہے، اور

(ج) اس امر کے باور کرنے کی کوئی وجہ موجود نہیں کہ وہ دوسرے نکاح کی اجازت دے جانے کی صورت میں بیویوں میں عدل نہ کرے گا۔

(۳) دوسرے نکاح کی اجازت کے لیے موجودہ زوجہ کی منظوری حاصل کرنا ضروری نہ ہوگا۔

(۴) اگر کوئی شخص بلا اجازت دوسرا نکاح کر لے تو ایسا نکاح جائز ہوگا مگر ما قبل اجازت نہ لینے کے جرم میں اس کو ایک سال تک قید سادہ اور پانچ ہزار روپے تک جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جا سکیں گی۔

تشریح

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے :

”وان ختم الا تقسطوا فی الیتیمی فانکجوا ما طاب لکم من النساء مشئی و ثلث و ربع فان ختم الا تعدلوا فواخذة او ما ملکت ایمانکم ذالک ادنی الا تعولوا“ - یعنی اگر تم کو اس بات کا حتمال ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے معاملہ میں انصاف نہ کر

سکو گے تو (انہیں اپنے نکاح میں نہ لاؤ) اور جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان سے نکاح کر لو، دو دو، تین تین اور چار چار، لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی زوجہ پر اکتفا کرو یا جو کنیز تمہاری ملکیت میں ہو (اسی پر اکتفا کرو)۔ بے انصافی سے بچنے کے لئے ایسا کرنا زیادہ قرین صواب ہے۔

حکم قرآنی مشروط ہے :

مذکورہ بالا آیت مسلمان مردوں کے بیک وقت چار عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھنے کی اجازت پر دلالت کرتی ہے، لیکن اس اجازت کے ساتھ ہی مرد کو اس کی اخلاقی ذمہ داری کا احساس دلا کر اس اجازت کو ”قدرت عدل“ پر مشروط کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا آیت کا جزو ”فان خفتم الا تعدلوا فواحدة“ یعنی اگر تم ان عورتوں کے درمیان عدل و مساوات قائم نہ کر سکو تو پھر ایک ہی عورت پر اکتفا کرو، اس حقیقت کو واشگاف الفاظ میں بیان کرتا ہے کہ بیک وقت ایک عورت سے زائد عورتوں کو نکاح میں رکھنے کی صرف اسی وقت اجازت ہے جب کہ ان کے درمیان عدل قائم رکھا جا سکے۔ چنانچہ قرآن پاک چار عورتوں تک کو بیک وقت نکاح میں رکھنے کی قانوناً اجازت دینے کے ساتھ ہی عام انسانی سطح پر ان عورتوں کے درمیان عدل و مساوات کا بھی طالب ہے۔

عدل کا معیار :

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بیویوں کے درمیان جس عدل کے قائم کرنے پر قرآن پاک زور دیتا ہے وہ کیا ہے؟ کتب فقہ میں عدل کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں :-

۱- وہ عدل جس پر انسان قادر نہ ہو، اور

۲- وہ عدل جس پر انسان قادر ہو۔

جس ”عدل“ پر انسان قادر نہیں، ظاہر ہے کہ، قرآن بھی اس کا مطالبہ نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے ”لَا يَكْفُفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وَسْعَهَا“ کہہ کر انسانی قوت و صلاحیت کو عدل کا معیار قرار دے دیا، کیونکہ جن باتوں پر انسان کا اختیار ہی نہ ہو اس سے کسی فریضہ کا تعلق نہیں ہو سکتا۔ البتہ جس عدل پر انسان قادر ہے اس کا مطالبہ قرآن ضرور کرتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ کیا ایک عام پاکستانی مسلمان ایک سے زائد عورتوں کے نکاح میں ہونے کی صورت میں ان بیویوں کے درمیان بالعموم عدل و مساوات قائم رکھتا ہے یا نہیں؟ شاید ہی کوئی ہوش مند اور باخبر شخص اس حقیقت کا منکر ہو کہ اس کا جواب ”نہی“ میں ہے۔

ایک سوال :

لہذا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی معاشرہ میں مسلمانوں کی عام اخلاق حالت گری ہوئی ہو، خدا کا خوف اور حقوق العباد کا تصور ذہنوں سے حرف غلط کی طرح مٹ گیا ہو اور حکومت یہ دیکھ رہی ہو کہ شریعت کی اجازت سے ناجائز فائدہ اٹھایا جا رہا ہے۔ ایک سے زائد بیویاں ہونے کی صورت میں پہلی بیوی سے مجرمانہ غفلت برتی جاتی ہے اور شوہر کی مرکز توجہ اس کی نئی نویلی دلہن قرار پاتی ہے۔ زندگی کے عام معاملات میں بھی بیویوں کے درمیان عدل و مساوات قائم کرنے کا تصور دماغ سے یکسر محو ہو گیا ہے۔ پہلی (موجودہ) بیوی کی اولاد بھی اپنے باپ کے لطف و کرم سے محروم ہو جاتی ہے اور گونا گوں معاشی اور سماجی مسائل پیدا ہو جاتے ہیں، جس کا نتیجہ، بعض

اوقات، ایک خاندان کی اندوہناک تباہی کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ اگر صورت حال یہ ہو تو احتیاطی تدابیر کو روبہ کار لاتے ہوئے حکومت وقت کو ایک سے زائد عورتوں کو نکاح میں رکھنے کے اختیار پر کوئی پابندی عائد کرنے کا اختیار حاصل ہے یا نہیں؟

قانون سازی کا حق :

یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے کہ معاشرہ کو برائیوں سے محفوظ رکھنے کے لیے حکومت کو مناسب قانون سازی کا حق حاصل ہے بشرطے کہ وہ قانون سازی اسلام کے بنیادی اصولوں سے متصادم نہ ہو۔

ایک سے زائد بیویاں نکاح میں رکھنے کے حق پر پابندی اور اجازت کا مشروط کر دینا مذکورہ بالا اصول کے مطابق ہے۔

چند رائیں :

مصر کے ایک متبحر عالم سید محمد رشید رضا نے ازدواج کے موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب تعدد ازدواج میں مضرتوں اور مفسد کی کثرت ہو تو ایک سے زائد بیویوں کو نکاح میں رکھنے سے منع کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ جب یہ امر ثابت ہو جائے کہ عوام الناس ایک سے زائد بیویاں ہونے کی صورت میں ان کے درمیان عدل نہیں کرتے تو اولی الامر کو تعدد ازدواج پر پابندی لگانے کا اختیار ہے۔ اس کی بنیاد اس اصول پر قائم ہے کہ امام کے لیے یہ امر جائز ہے کہ وہ ایک مباح فعل کے کرنے سے باز رکھے جس سے فساد پیدا ہوتا ہو، کیونکہ مصلحت کا حصول فساد کو باقی رکھنے سے بہتر ہے۔ نیز یہ کہ زمانے کے تغیر سے حکم میں تغیر ہو سکتا ہے بشرطے کہ وہ حکم شرعاً فرضیت کے درجے کا نہ ہو۔

مصر کے ایک اور مشہور عالم مفتی محمد عبدہ تفسیر المنار (جلد ۴ صفحات ۵۰-۳۴۹) میں تعدد ازدواج کے موضوع پر لکھتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں تعدد ازدواج میں بڑے فوائد تھے۔ جن میں سب سے اہم فائدہ یہ تھا کہ اس کے ذریعہ سے نسبی اور سسرالی تعلقات کے قیام کی وجہ سے عصیت کو تقویت حاصل ہوتی تھی۔ اور اس زمانہ میں اس سے وہ نقصانات پیش نہیں آتے تھے جو آج پیش آرہے ہیں کیونکہ اس زمانہ میں عورتوں اور مردوں دونوں کے دلوں میں دینی شعور کافی مستحکم ہوتا تھا۔ چنانچہ سوکن کا ضرر سوکن تک ہی محدود رہتا تھا لیکن آج صورت حال یہ ہوگئی ہے کہ ہر سوکن کا ضرر اس کی اولاد، ماں باپ اور تمام رشتہ داروں تک متعدی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ سوکنیں ان کے درمیان بغض و عداوت کی آگ بھڑکاتی رہتی ہیں۔ وہ اپنی اولاد کو اپنے باپوں سے بغاوت کرنے پر بھڑکاتی ہیں۔ اپنے شوہروں کو پہلی بیوی کی اولاد کے حقوق مارنے پر اکساتی ہیں اور شوہر اپنی حماقت سے اپنی محبوب ترین بیوی کے اشارہ ابرو پر رقص کرتا رہتا ہے اور اس طرح اس کا فساد پورے خاندان میں سرایت کر جاتا ہے۔ اگر عورتوں کی دینی اعتبار سے صحیح تربیت کی جائے جس کی وجہ سے ان کے دلوں میں دین کا غلبہ و اقتدار قائم ہو جائے اور وہ ان معاملات میں دین کے فیصلوں پر سر جھکا دیں تب البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ تعدد ازدواج سے قوم و ملت کو نقصان نہیں پہنچ سکتا، بلکہ یہ ایک دینی اور قومی ضرورت ہوگی جو زیادہ تر عورتوں ہی پر منحصر ہے لیکن موجودہ حالات میں اس تعدد ازدواج کی عمومیت کے ساتھ ساتھ قوم اور ملت کی صحیح بنیادوں پر تربیت کرنا اور اسے نشوونما اور ارتقاء سے ہم کنار

کر دینا قطعاً ناممکن ہے۔ دین کا نزول لوگوں کی مصلحت اور بہلائی کے لیے ہوا ہے دین کے اصول میں یہ بات بھی داخل ہے کہ ضرر کو روکا جائے اور ان کاموں کو بند کیا جائے جن سے ایک دوسرے کو ضرر پہنچایا جا سکتا ہے۔ اگر کسی خاص زمانہ میں کسی بات پر فساد مرتب ہونے لگے جو پہلے زمانوں میں مرتب نہیں ہوتا تھا تو اس میں ذرا شبہ نہیں کہ اس قاعدہ کی بناء پر کہ مفسد کو دور کرنا مصالح کو حاصل کرنے سے مقدم ہے فیصلہ اور حکم کو بدل دینا اور حالات حاضرہ کے مطابق اس فیصلہ کی تطبیق کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جب عدل نہ کیے جا سکنے یا اسی قسم کا کوئی اور اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں تعدد ازدواج حرام ہے۔

جماعت اسلامی کے امیر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے ترجمان القرآن بابت محرم ۶، ۱۳۵۶ھ میں اپنے مضمون ”نکاح کتابیہ“ کے ضمن میں لکھا ہے کہ ”شربعت کی تمام رخصتوں کے معاملہ میں، جن سے ناجائز فائدہ اٹھائے جانے کا اندیشہ پایا جاتا ہو، مسلمانوں کے اولی الامر کو امتناعی احکام جاری کرنے کا حق ہے اور اس قسم کے امتناعی احکام جائز کو ناجائز اور حلال کو حرام کیے بغیر نافذ کیے جا سکتے ہیں۔“

دیگر مسلم ممالک میں :

آج کل شام^{۸۹}، عراق^{۸۰} اور مراکش^{۸۱} کے قانون کے تحت ایک

(۷۹) شرح قانون الاحوال الشخصیہ، سوربہ، مصطفیٰ السباعی، دمشق۔

(۸۰) لا يجوز الزوج باكثر من واحدة الا باذن القاضي و بشرط لا عطاء الاذن

تحقق الشرطین التالیین :

(الف) أن تكون للزوج كفاية مالية لا عالة اكثر من زوجة واحدة۔

(ب) ان تكون هذا بمصلحة مشروعة (قانون الاحوال الشخصیہ، عراق)

(۸۱) اذا خيف عدم العدل بين الزوجات لم يجز التعدد (مدونة الاحوال

الشخصیة، مراکش)۔

سے زائد نکاحوں پر پابندی عائد ہے اور ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری عورت سے نکاح صرف قاضی کی اجازت پر موقوف ہے۔ شام میں اجازت مرد کی مالی استطاعت پر موقوف ہے۔ لیکن عراق میں اجازت دو شرطوں کی تکمیل پر دی جاتی ہے ایک یہ کہ شوہر اتنی مالی استطاعت رکھتا ہو کہ وہ ایک سے زیادہ بیویوں کا خرچ اٹھا سکے اور دوسرے یہ کہ اس نکاح میں شرعی مصلحت پائی جائے۔ قاضی کی اجازت کے بغیر (پہلی زوجہ کی موجودگی میں) دوسرا نکاح کرنے پر قید یا ۱۰۰ دینار جرمانہ کی سزا مقرر ہے۔

البتہ تیونس^{۸۲} کے قانون کے تحت تعدد ازدواج قطعاً ممنوع ہے خلاف ورزی کی صورت میں ایک سال قید اور دو لاکھ چالیس ہزار فرانک (ساڑھے سات ہزار روپے پاکستانی) جرمانہ یا دونوں میں کوئی ایک سزا دی جا سکتی ہے۔ نیز مراکش کے قانون کے تحت بھی تعدد ازدواج کو اس صورت میں منع کیا گیا ہے جب کہ عدم عدل کا خوف ہو۔

مراکش اور عراق کے قانون کے تحت عدم عدل کے خوف کی بناء پر قاضی کو اس امر کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ نکاح ثانی کی اجازت دینے سے انکار کر دے۔

پاکستان میں :

پاکستان میں از روئے عائلی قوانین آرڈی نینس نمبر ۸ مجریہ ۱۹۶۱ع تعدد ازدواج پر پابندی عائد کرتے ہوئے ایک عورت کے نکاح میں ہوتے ہوئے دوسری عورت سے نکاح کے لیے

(۸۲) تعدد الزوجات ممنوع و التزوج باكثر من واحدة يستوجب عقاباً بالسجن مدة عام و بخطية قدرها . . . ۲۳ اوباحدی العقوبتین فقط (مجلة الاحوال الشخصية تیونس)

کچھ شرائط مقرر کی گئی ہیں۔ دفعہ کا متن حسب ذیل ہے :

۶- (۱) کوئی بھی شخص ، ایک نکاح کے قیام کی موجودگی میں ، ثالثی کونسل کی ماقبل تحریری اجازت کے بغیر ، دوسرا نکاح نہ کر سکے گا اور نہ ہی وہ نکاح جو ایسی اجازت کے بغیر منعقد ہوا ہو ، آرڈی نینس ہذا کے تحت درج رجسٹر کیا جائے گا۔

(۲) درخواست برائے اجازت زیر ذیلی دفعہ (۱) مقررہ فارم پر چیرمین کو مقررہ فیس کے ساتھ دی جائے گی جس میں مجوزہ نکاح کی وجوہ قلم بند ہوں گی اور یہ بھی تحریر ہوگا کہ موجودہ بیوی یا بیویوں سے اجازت لے لی گئی ہے یا نہیں۔

(۳) زیر دفعہ ذیلی (۲) درخواست موصول ہونے پر چیرمین درخواست دہندہ اور اس کی بیوی یا بیویوں میں سے ہر ایک کو اپنا ایک نمائندہ مقرر کرنے کا حکم دے گا۔ اور اس طرح تشکیل شدہ ثالثی کونسل ، اگر اس پر مطمئن ہو کہ مجوزہ نکاح ضروری اور درست ہے تو وہ ایسی شرائط کے تحت ، اگر کوئی ہوں ، جن کو موزوں خیال کیا گیا ہو مطلوبہ اجازت عطا کر سکتی ہے۔

(۴) درخواست کا تصفیہ کرنے کے معاملہ میں ثالثی کونسل فیصلہ کی وجوہ قلم بند کرے گی اور کوئی بھی فریق مقرر کردہ طریقہ کے مطابق مقررہ میعاد کے اندر مقررہ فیس کی ادائیگی پر درخواست برائے نگرانی ، مغربی پاکستان کی صورت میں متعلقہ کالکٹر کو اور مشرقی پاکستان کی صورت میں سب ڈیویژنل آفیسر کو ، پیش کر سکتا ہے اور اس کا فیصلہ قطعی ہوگا ، جس کو کسی بھی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔

(۵) ہر وہ شخص جو ثالثی کونسل کی اجازت کے بغیر کوئی نکاح کرے گا ، اس پر لازم ہوگا کہ :

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۱۸]

(الف) مہر کی کل رقم ادا کرے، جو موجودہ بیوی یا بیویوں کا واجب ادا ہو، خواہ مہر معجل ہو یا موجل اور اگر وہ مہر ادا نہ کیا جائے گا تو بطریق مالینڈ اراضی قابل وصول ہوگا۔

(ب) استغاثہ دائر کیے جانے کی صورت میں مجرم قرار دیے جانے پر قید سادہ کا مستوجب ہوگا جو ایک سال تک ہو سکتی ہے اور یا جرمانہ عائد کیا جائے گا جو پانچ ہزار روپے تک ہو سکتا ہے یا دونوں سزائیں دی جا سکتی ہیں۔

مذکورہ بالا دفعہ کے تحت مغربی و مشرقی پاکستان کی صوبائی حکومتوں نے جو قواعد وضع کیے ہیں اس کے تحت ان اسباب کا بھی ذکر کیا گیا ہے جن کی بناء پر ثالثی کونسل تعدد ازدواج کی اجازت دے سکتی ہے، وہ اسباب حسب ذیل ہیں:

(۱) بانجھ پن۔

(۲) جسمانی کمزوری۔

(۳) تعلقات زنا شوئی کی برقراری کے لیے جسمانی ناموزونیت۔

(۴) اعادہ حقوق زوجیت کی ڈگری سے بالقصد گریز۔

(۵) موجودہ زوجہ کا پاگل پن۔

مذکور بالا قواعد کے تحت جو اسباب بیان کیے گئے ہیں وہ محض بطور تمثیل ہیں۔ درحقیقت زوجہ اول کی حیات میں دوسرے نکاح کی اجازت شرعی مصالح کی تابع ہونی چاہیے۔ شرعی مصلحت کیا ہے؟ اس کا لحاظ ہر معاملے کے حالات و واقعات پر موقوف ہوگا۔

تجزیہ

پاکستان کے نافذ الوقت قانون میں ایک بیوی کی موجودگی میں دوسرے نکاح کی اجازت کے حصول کے لیے موجودہ زوجہ کی مرضی غیر منطقی اور غیر حقیقی ہے اس کو حذف کر دینا چاہیے۔ نیز دوسری شادی کے سلسلے میں ثالثی کونسل کا تقرر بھی غیر ضروری ہے۔ کیونکہ موجودہ بیوی کو فریق کی حیثیت حاصل نہیں۔ دراصل یہ معاملہ عائلی عدالت کے روبرو پیش کیا جانا چاہیے جو شرعی مصالح کے پیش نظر سرسری ساعت کے بعد اجازت دینے کی مجاز ہو، جیسا کہ قانون ہذا کی مذکورہ بالا دفعہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

چوتھا باب

صحیح، فاسد اور باطل نکاح

تمہید :

کتب فقہ میں جو نکاح، صحیح نکاح کی مخالف صورت میں ہو اس کو نکاح فاسد یا نکاح باطل کہا گیا ہے۔ بد نصیبی سے فقہی کتابوں میں فاسد اور باطل کے الفاظ کا استعمال غیر محتاط طور پر کیا گیا ہے جس کی وجہ سے نکاح کے فاسد ہونے کا مسئلہ کافی الجھ گیا ہے۔ کیوں کہ نکاح کی جن صورتوں کو فاسد کہا گیا ہے بعض جگہ ان کو باطل بھی کہا گیا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس مسئلہ کا دقت نظر سے جائزہ لیا جائے۔

فقہاء نے نکاح فاسد کی مثال میں جو صورتیں پیش کی ہیں ان میں بعض صورتوں کو باطل بھی کہا ہے البتہ بعض صورتیں ایسی بھی ہیں جن کے لیے صرف باطل ہی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ چنانچہ کتب فقہ میں نکاح فاسد کی حسب ذیل صورتیں تصریح کے ساتھ بیان کی گئی ہیں :

- (۱) بغیر گواہوں کے نکاح۔
- (۲) ایک عقد میں دو بہنوں سے نکاح۔
- (۳) یکے بعد دیگرے دو بہنوں سے نکاح جس میں پہلا نکاح معلوم ہو تو دوسرا نکاح۔
- (۴) محرمات سے نکاح، خواہ محرمات نسبی ہوں یا ازدواجی یا رضاعی۔

- (۵) کسی مسلمان کا کسی کافرہ (غیر کتابیہ) سے نکاح -
 (۶) کسی کافر ذمی یا حربی کا کسی مسلمہ سے نکاح -
 (۷) کسی عورت کا مرد پر جبر کر کے مرد کی رضامندی کے
 بغیر نکاح -
 (۸) معتدہ غیر سے نکاح -
 (۹) لاعلمی میں منکوحہ غیر سے نکاح -
 (۱۰) علم رکھتے ہوئے منکوحہ غیر سے نکاح -
 (۱۱) چار بیویوں کی موجودگی میں پانچویں عورت سے نکاح -
 (۱۲) اپنی زوجہ کی عدت میں اس کی ہمشرہ سے نکاح -
 (۱۳) مطلقہ ثلاث سے نکاح -
 (۱۴) دیگر محرمات بالنسب یا بالرضاع کو جمع کر کے نکاح -
 یعنی ایسی دو قرابت دار عورتوں کا ایک مرد کے نکاح
 جمع ہونا جن میں سے اگر ایک کو مرد فرض کر لیں تو
 ان کا نکاح باہم جائز نہ ہو -

نکاح فاسد کی یہ صورتیں ردالمحتار و درالمختار جلد ۲ باب المہر
 صفحہ ۳۵۹ ، فتح المعین شرح الشرح کنزالدقائق جلد ۲ باب المہر
 صفحہ ۶۰ ، فتح القدير جلد ۳ ، مصر باب العتد صفحہ ۲۷۹ ،
 مجمع الانہر ، مصر جلد ۱ باب المہر صفحہ ۳۵۵ اور بحر الرائق ، مصر
 جلد ۳ صفحہ ۱۱۱ میں بیان کی گئی ہیں -

مذکورہ بالا نکاحوں میں حسب ذیل نکاحوں کے لیے باطل
 کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے :

- (۱) یک بعد دیگرے دو بہنوں سے نکاح کی صورت میں اگر
 بہ معلوم ہو کہ دوسرا نکاح کون سا ہے تو نکاح ثانی
 کے لیے باطل کا لفظ استعمال کیا گیا ہے - (ردالمحتار و

مجموعہ قوانین اسلام

درالمختار جلد ۲ صفحات ۹۳ - ۳۹۲ ، مجمع الانہر جلد ۱
صفحہ ۳۲۹ ، بحر الرائق جلد ۳ صفحہ ۱۰۳ ، فتح القدير
جلد ۲ صفحہ ۳۶۲ ، فتح المعین جلد ۲ صفحہ ۱۴۴ -

(۲) محرمات سے نکاح خواہ موبدہ (دائمی) ہو یا موقتہ
(عارضی) - (ردالمختار جلد ۲ صفحہ ۲۷۹) -

(۳) کافر کا کسی مسلمہ سے نکاح (ردالمختار و درالمختار جلد
۲ باب ثبوت النسب صفحہ ۶۵۰ و جلد ۲ باب المہر
صفحہ ۳۵۹) -

(۴) باوجود علم کے منکوحہ غیر سے نکاح (فتح القدير جلد
۳ باب العتد صفحہ ۲۷۹ ، درالمختار بر حاشیہ ردالمختار
جلد ۲ باب العتد صفحہ ۶۳۱ ، فتح المعین جلد ۲ باب
العتد صفحہ ۲۱۶ ، بحر الرائق جلد ۴ باب العتد
صفحہ ۱۵۱) -

(۵) بیک وقت ایک عقد میں دو بہنوں سے نکاح کی صورت
میں دونوں نکاح (ردالمختار ، مصر ، جلد ۲ صفحہ ۲۹۴ ،
مجمع الانہر ، مصر ، جلد ۱ صفحہ ۳۲۵ ، فتح المعین مصر ،
جلد ۲ صفحہ ۱۴۴) -

بعض کتب فقہ میں نکاح کی حسب ذیل صورتوں کے لیے
صرف باطل کا لفظ استعمال کیا گیا ہے :

- (۱) محرمات سے نکاح -
- (۲) کافر کا مسلمہ سے نکاح -
- (۳) باوجود علم منکوحہ غیر سے نکاح - اور
- (۴) عورت کی جانب سے مرد پر جبر کر کے نکاح -

نکاح فاسد اور باطل کا فرق :

دیکھنا یہ ہے کہ جس طرح فاسد اور باطل کے الفاظ ایک دوسرے سے مختلف معنی رکھتے ہیں کیا مذکورہ بالا صورتوں میں ان دونوں الفاظ کے استعمال سے ان کے احکام یعنی اثرات و نتائج میں بھی اسی طرح فرق ہے؟

جہاں تک نکاح فاسد اور نکاح باطل کی تعریف کا تعلق ہے ان میں بین فرق کیا گیا ہے۔ نکاح فاسد وہ نکاح ہے جس میں نکاح صحیح کی شرائط میں سے کوئی شرط مفقود ہو، جب کہ نکاح باطل وہ ہے جو فی نفسہ کالعدم ہو یعنی جس کا وجود اور عدم برابر ہو۔ اسی طرح ان ہر دو کے احکام یعنی اثرات و نتائج میں بھی فرق ہے۔ نکاح فاسد میں جب کہ ہم بستری ہو گئی ہو مرد کے ذمہ عورت کا مہر (مسمی یا مہر مثل جو کم ہو) واجب ہو جاتا ہے نیز طلاق یا وفات کی صورت میں عورت پر عدت واجب ہوتی ہے اور ان سے جو اولاد ہوتی ہے وہ جائز ہوتی ہے اس کے برخلاف نکاح باطل میں نہ مہر واجب ہوتا ہے نہ عدت اور نہ ہی اولاد ثابت النسب قرار پاتی ہے۔

شیخ ابن ہمام نے فتح القدير میں لکھا ہے کہ بیوع میں شرعاً فاسد اور باطل کا فرق معتبر ہے (اس لیے کہ ان کا تعلق اموال سے ہے اور اموال شرعاً محترم نہیں) نکاح میں اور فاسد اور باطل میں کوئی فرق نہیں (اس لیے کہ نکاح کا تعلق بضع سے ہے اور بضع شرعاً محترم ہے) لہذا ہر فاسد نکاح، جو مخصوص محرمات کے ساتھ کیا گیا ہو، باطل ہے۔

نتیجہ فکر :

چنانچہ مسئلہ کا دقت نظر سے جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ جو نکاح نصوص قطعیه صریحہ کے خلاف ہوں وہ

مجموعہ قوانین اسلام

باطل ہیں اور مذکورہ بالا تمام صورتوں میں نکاح باطل ہے۔ البتہ بعض دیگر صورتوں میں (جن کا ذکر آگے آئے گا) صحبت کے بعد نکاح فاسد کے احکام مرتب ہوتے ہیں۔ دراصل ان صورتوں میں بھی نکاح فاسد کے جو احکام مرتب ہوتے ہیں وہ نکاح کے احکام نہیں ہیں بلکہ وطی (جماع) کے احکام ہیں جو فقہاء نے صرف اس لیے مرتب کیے ہیں کہ یہ جماع صورتاً نکاح کے مشابہ ہونے کی وجہ سے زنا نہیں رہا اور شبہ فی المحل، شبہ فی الفعل یا شبہ فی العقد کی وجہ سے حد زنا ساقط ہو گئی۔ اسی بناء پر فاسد نکاح میں وجوب مہر، وجوب عدت اور ثبوت نسب کے باوجود بالاتفاق تمام ائمہ اور فقہاء کے نزدیک ان صورتوں میں فساد ظاہر ہو جانے پر مرد کے لیے وطی کرنا حرام ہے اور عورت کو اپنے نفس پر قدرت دینا بھی حرام ہے۔ نیز عدالت پر واجب ہے کہ مرد و عورت کے درمیان تفریق کرا دی جائے کیوں کہ ان صورتوں میں عورت کا شرعاً محل نکاح ہونا نہیں پایا گیا۔ بالفاظ دیگر جس محل (عورت) پر وطی کا فعل خالص زنا کے درجے میں ہو جس کے حرام ہونے میں کسی قسم کے شبہ کی گنجائش نہ ہو، وہ نکاح باطل ہے۔ بصورت دیگر وطی بالشبہ کے احکام مرتب ہوں گے جس کو اصطلاحاً نکاح فاسد کہا جاتا ہے۔

تجزیہ

جن صورتوں میں وطی حرام ہے ان میں فعل کے حرام ہونے کی بناء پر حکومت کو تعزیر دینے کا حق حاصل ہے۔ جمہور فقہاء کے نزدیک فعل حرام کے ارتکاب پر تعزیر دینی چاہیے۔ ضرورت ہے کہ ان افعال کو

جن کا تفصیلی ذکر اس باب میں کیا گیا ہے حکومت قابل تعزیر قرار دے کر تعزیرات پاکستان میں شامل کرے۔

نکاح صحیح

۱۹۔ وہ نکاح جو شرع کے عین مطابق ہو اور جملہ ارکان اور شرائط کی پابندی کے ساتھ بلا کسی شرعی مانع کے منعقد ہوا ہو، نکاح صحیح کہلائے گا۔

نکاح صحیح کے اثرات

۲۰۔ نکاح صحیح سے زوجین کو حسب ذیل حقوق حاصل ہوں گے :

(۱) دائمی رشتہ زوجیت و حقوق جس زوجہ (بیوی کو پابند بنانے کا حق) (الآ یہ کہ طلاق واقع ہو جائے یا کسی امر شرعی کی بناء پر تفریق واقع ہو یا کوئی فریق مر جائے)۔

(۲) حق مقاربت جنسی۔

(۳) حرمت مصاہرت۔

(۴) تولید نسل و ثبوت (قیام) نسب اولاد۔

(۵) حق مہر زوجہ۔

(۶) حق نفقہ زوجہ، راحت و آسائش بقدر استطاعت۔

(۷) حق وراثت اولاد ماہین زوجین، اور

(۸) دیگر استمتاع جس کی شرع نے اجازت دی ہو۔

تشریح

زوجین کے حقوق و فرائض کے سلسلے میں خداوند تعالیٰ اور شارع علیہ السلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو واضح اصول اور ہدایات دی ہیں۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے :

”ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف“^۱

یعنی مردوں پر عورتوں کا بھی ایسا ہی حق ہے جیسا کہ
ان پر مردوں کا حق ہے موافق دستور کے۔

حقوق کو موافق دستور کہہ کر ان میں بڑی گنجائش اور
وسعت پیدا کر دی گئی ہے۔ نیز الرجال قوامون علی النساء کے
ذریعہ عورتوں پر مرد کی برتری اور فضیلت کے اصول کو بیان
کر کے زوجہ پر شوہر کی متابعت (بجز چند استثنائی صورتوں کے)
واجب قرار دی گئی ہے۔ جس کی تفصیل قرآن و حدیث میں اور
کتب فقہ میں موجود ہے۔^۲

۲۱۔ نکاح فاسد وہ نکاح ہے جس میں نکاح صحیح کی کوئی شرط
مفقود ہو۔

نکاح فاسد

تشریح

بیلی^۳ اور امیر علی^۴ کے خیال میں اگر نکاح کے موانع شرعی یا
اسباب التحريم (Causes of Prohibition) عارضی نوعیت کے ہیں
یعنی کسی بھی وقت دور ہو سکتے ہیں تو نکاح فاسد ہوگا اور اگر
موانع شرعی دائمی ہیں تو نکاح فی نفسہ باطل اور حرام ہے۔

لیکن قرآن و سنت میں اس قسم کی کوئی تفریق نہیں کی گئی
چنانچہ اگر نکاح کے وقت متناکحین یا ان میں سے کسی ایک کی ذات

(۱) پارہ ۴ سورہ نساء۔

(۲) فتاویٰ قاضی خان، مطبوعہ ہند، کتاب النکاح، باب حقوق الزوجية،
صفحہ ۲۰۳ میں کچھ حقوق مندرج ہیں۔ اور فتاویٰ عالمگیری
(عربی) مطبوعہ ہند، کتاب النکاح کے آخر صفحہ ۴۱ میں بھی کچھ
حقوق مذکور ہیں۔

(۳) ڈائجسٹ آف محمدن لا، صفحہ ۱۵۲۔

(۴) محمدن لا، جلد دوم ہانچواں ایڈیشن، صفحہ ۲۸۰۔

پر نکاح کرنے کے سلسلے میں کوئی امر مانع شرعی (خواہ وہ عارضی ہی کیوں نہ ہو) موجود ہو تو اس عارضی امتناع کے ختم ہونے کا محض امکان نکاح کے وقت کے اثر قانونی کو تبدیل نہیں کر سکتا۔ اور اس امتناع کے باوجود اگر نکاح کیا جائے گا تو وہ باطل ہوگا، البتہ اگر مرد نے عورت سے لاعلمی میں ولی کر لی ہو تو وطی بالشبہ کی بناء پر مہر واجب ہوگا اور دونوں میں تفریق کرا دی جائے گی۔ اس صورت میں عورت پر استتار حمل کے احتمال کی بناء پر عدت واجب ہوگی اور اگر اولاد ہوگی تو ثابت النسب ہوگی۔ شیعہ مکتب فکر میں فاسد اور باطل نکاح میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ان کے نزدیک یا تو نکاح جائز ہوگا یا ناجائز۔

نکاح فاسد کے اثرات

۴۴۔ (الف) اگر دخول نہ ہوا ہو تو نکاح فاسد نکاح باطل کے حکم میں ہوگا اور نتیجتاً طرفین کو ایک دوسرے پر کوئی حق حاصل نہ ہوگا۔

(ب) دخول کی صورت میں نکاح فاسد کے حسب ذیل اثرات و نتائج مرتب ہوں گے:

- (۱) مہر مسمی یا مہر مثل دونوں میں جو کم ہو۔
- (۲) اثبات نسب اولاد۔
- (۳) حرمت مصاہرت۔
- (۴) نفقہ اولاد۔
- (۵) زوجہ کا نفقہ تا وقتیکہ فساد نکاح کا علم نہ ہو۔
- (۶) وراثت اولاد۔
- (۷) عدت بصورت تفریق یا وفات شوہر۔
- (۸) عدم توارث بین الزوجین۔

(ج) نکاح فاسد کی صورت میں فساد ظاہر ہو جانے پر

تفریق واجب ہوگی۔ اگر زوجین خود تفریق اختیار نہ کریں تو حاکم عدالت پر واجب ہوگا کہ ان میں تفریق کرا دے، نیز وہ انہیں سزا دینے کا بھی مجاز ہوگا۔

تشریح

مہر :

نکاح فاسد کی صورت میں اگر مرد نے عورت کے ساتھ دخول نہ کیا ہو اور تفریق ہو جائے تو مرد پر عورت کا کچھ مہر واجب نہ ہوگا اور نہ ہی عورت پر عدت واجب ہوگی، لیکن اگر مرد نے اس عورت کے ساتھ جماع کر لیا تو عورت مذکورہ کو مہر مسمیٰ اور مہر مثل میں سے جو کم مقدار ہو دینا ہوگا بشرطے کہ اس نکاح میں مہر طے ہو گیا ہو۔ اگر نکاح میں مہر طے نہ ہوا ہو تو عورت مذکورہ کو مہر مثل دلایا جائے گا، خواہ کتنا ہی ہو۔

نسب اولاد :

اولاد کا نسب اپنی ماں سے بہر صورت خواہ وطی جائز ہو یا ناجائز ثابت ہوتا ہے لیکن باپ سے صرف چار صورتوں میں ثابت ہوتا ہے (۱) نکاح صحیح کی صورت میں (۲) نکاح فاسد کی صورت میں (۳) وطی بالشبہ کی صورت میں (۴) اقرار بالنسب کی صورت میں۔

حرمت مصاہرت :

نکاح فاسد میں اگر دخول ہو گیا ہو تو حرمت مصاہرت قائم ہو جائے گی۔ خواہ وہ دخول حرام ہی کیوں نہ ہو اس کی

(۵) فتاویٰ عالمگیری، مطبع مجیدی کانپور، الجزء الثانی، کتاب النکاح باب الثامن فی النکاح فاسد، صفحہ ۳۵۔

بنیاد قرآن پاک کی آیت ”و ربائبکم اللاتی فی حجورکم من نسائکم اللاتی دخلتم بہن“ فان لم تکونوا دخلتم بہن فلا جناح علیکم“ ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے جن عورتوں سے جماع ہو چکا ہو ان کی بیٹیوں سے (جو دوسرے شوہر سے ہوں) نکاح کرنے کو حرام فرمایا ہے۔ اس کی بنیاد پر یہ مشہور قاعدہ بنایا گیا ہے کہ ”والعقد علی البنات یحرم الامہات والدخول بالامہات یحرم البنات“ جس کے تحت بیٹیوں سے نکاح کرنے کی صورت میں ان کی ماؤں سے نکاح کرنا حرام ہو جاتا ہے اور ماؤں کے ساتھ جماع کرنے سے ان کی بیٹیوں سے نکاح حرام ہو جاتا ہے۔

نفقہ :

نکاح صحیح ہو یا فاسد باپ پر اولاد کا نفقہ بہر صورت واجب ہے البتہ نکاح فاسد میں شوہر پر زوجہ کا نفقہ فساد ظاہر نہ ہونے تک واجب ہے اس کے بعد نہیں ، کیوں کہ جب فساد نکاح ظاہر ہو جانے پر مرد و عورت میں تفریق کرانے اور حرمت استمتاع کا حکم ہے تو نفقہ کا سوال کیوں کر پیدا ہو سکتا ہے ؟

وراثت اولاد :

چونکہ نکاح فاسد میں شبہ کی بناء پر حد زنا ساقط ہو جاتی ہے اور اولاد ثابت النسب قرار پاتی ہے اس لیے وہ اپنے والدین کی جائز وارث ہوگی اور شرع کے مطابق ترکے میں حصہ دار ہوگی۔

عدت :

نکاح فاسد میں چونکہ صورتاً نکاح پایا جاتا ہے اس لیے عورت پر بصورت تفریق یا وفات شوہر عدت واجب ہوگی بشرطے کہ دخول ہوا ہو۔ کیوں کہ علوق (استقرار حمل)

کا احتیال ہے۔ اگر دخول نہیں ہوا تو عورت پر عدت واجب نہ ہوگی کیوں کہ عدت کا حکم نکاح کی بناء پر نہیں بلکہ دخول کی بناء پر ہے۔

تفریق کی صورت میں عدت اس وقت سے شمار ہوگی جب سے قاضی نے دونوں میں تفریق کرائی ہو بشرطیکہ دخول ہو چکا ہو۔ یہی حکم خود تفریق اختیار کرنے کی صورت میں بھی ہوگا۔

فقہاء نے نکاح فاسد میں طلاق کی بجائے متارکت کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے معنی باہم ایک دوسرے کو چھوڑ دینا ہے۔ یہ طلاق سے مختلف چیز ہے۔ چنانچہ نکاح فاسد کی صورت میں دونوں میں سے ہر ایک پر فسخ نکاح واجب ہوگا۔ البتہ دخول کے بعد فریق ثانی کی موجودگی ضروری ہوگی۔

نکاح فاسد میں وفات پر عدت واجب نہیں ہوتی الا یہ کہ دخول ہو چکا ہو۔

توارث بین الزوجین :

تمام ائمہ کے نزدیک یہ مسئلہ متفقہ ہے کہ نکاح کے فاسد ہونے کی صورت میں زوجین ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے۔

۴۳۔ نکاح باطل وہ ہے جو فی نفسہ کالعدم ہو۔

۴۴۔ نکاح باطل باعتبار نتیجہ بالکلیہ بے اثر ہوتا ہے۔ اس سے ماہین فریقین کوئی ازدواجی حق یا وجوب پیدا نہیں ہوتا۔

نکاح باطل

نکاح باطل کے اثرات

تشریح

امام محمد نے نکاح باطل کے متعلق کہا ہے کہ وہ تصرفات شرعی کے اعتبار سے باطل ہوتا ہے یعنی اس کی بناء پر بیع باطل

کی طرح کوئی شرعی حق یا وجوب پیدا نہیں ہوتا۔^۶
نکاح کے باطل یا حرام ہونے کے اسباب حسب ذیل ہیں :-

- ۱- قرابت -
- ۲- رضاعت -
- ۳- مصاہرت -
- ۴- اجتماع ، دو محرمات کا -
- ۵- ملک ، دو کنیزوں کی جو آپس میں بہنیں ہوں ،
آن سے جماع -
- ۶- شرک ، مثلاً مشرکہ یا مشرک سے نکاح -
- ۷- طلاق الثلاثہ ، اپنی زوجہ کو -
- ۸- حق الغیر ، مثلاً منکوحہ غیر سے نکاح -

مذکورہ بالا اسباب کی بناء پر باطل نکاحوں کا تفصیلی بیان
آگے آئے گا۔

۴۵۔ ماؤں ، بیٹیوں ، بہنوں ، بھوپھیوں ، خالاؤں ، بھتیجیوں اور
بھانجیوں سے نکاح ، خواہ وہ کتنے ہی پشت پہلے یا بعد کی ہوں ،
حرام ہے ۔

ماؤں ، بیٹیوں ، بہنوں
بھوپھیوں ، خالاؤں ،
بھتیجیوں اور بھانجیوں
سے نکاح

تشریح

عرب میں ایام جاہلیت میں یہ عام دستور تھا کہ باپ کی
وفات کے بعد اس کی بیویاں بھی متروکہ شہر ہوتی تھیں اور
اس کے بیٹے ان سے تعلقات زوجیت قائم کر لیتے تھے۔ اسلام نے
اس رسم قبیح کا سختی کے ساتھ قلع قمع کیا چنانچہ آیت قرآنی
”لا تنکحوا ما نکح آباؤکم من النساء الا ما قد سلف“ کے ذریعہ

(۶) والباطل من التصرفات الشرعیہ مالا حکم له شرعا کالبيع الباطل (بدائع
الصنائع ، کاسانی ، جلد دوم صفحہ ۲۴۷) -

ان تمام عورتوں سے جو آباؤ اجداد کے نکاح میں رہ چکی ہوں نکاح حرام قرار دے دیا۔^۷

اسی طرح ”حرمت علیکم امہاتکم و بنتکم و اخواتکم و عماتکم و خالاتکم و بنات الاخ و بنات الاخت“^۸ کہہ کر خداوند تعالیٰ نے ہر بنائے نسب (ماؤں، بیٹیوں، بہنوں، پھوپھیوں، خالاؤں، بھتیجیوں، بھانجیوں) آباؤ اجداد اور اولاد اور دوسرے سلسلہ کے حقیقی رشتہ داروں مثلاً بھائی بہن اور ان کی اولاد سے نیز چچا، ماموں، پھوپھی اور خالہ سے خواہ کسی بالائی یا زیریں درجہ (Degree) کی ہوں نکاح مطلقاً حرام قرار دے دیا ہے۔^۹

۲۶۔ رضاعی ماؤں اور بہنوں سے نکاح حرام ہے۔

رضاعی ماؤں بہنوں
سے نکاح

تشریح

شرع اسلام میں قرابت نسبی کے ساتھ ہی قرابت رضاعی کی بناء پر بھی نکاح حرام ہے۔ چنانچہ آیت قرآنی ”حرمت علیکم و امہاتکم التی ارضعنکم و اخواتکم من الرضاۃ“ کے تحت رضاعی ماؤں اور بہنوں سے نکاح کی قطعی ممانعت کی گئی ہے۔^{۱۰}

(۷) پارہ ۴ سورۃ النساء آیت ۲۲ -

درمختار بر حاشیہ ردالمحتار باب المحرمات، مطبوعہ مصر، ص ۲۸۴ -

فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۳۵۷ مطبوعہ مصر -

(۸) پارہ ۴ سورۃ النساء آیت ۲۳ -

درمختار بر حاشیہ ردالمحتار باب المحرمات، مصر، صفحہ ۲۸۴ -

فتح القدیر، مطبوعہ مصر، جلد ۲ صفحہ ۳۵۷ -

(۹) کنزالدقائق مطبع محتبائی دہلی صفحہ ۹۷ -

قدوری، قرآن محل کراچی، صفحہ ۱۴۷ -

فتاویٰ عالمگیری عربی جلد ثانی کتاب النکاح صفحہ ۴ - درمختار بر حاشیہ

ردالمحتار باب المحرمات مصر، صفحہ ۲۸۵ -

فتح القدیر، مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۳۵۷ -

بحر الرائق جلد صفحہ ۹۹-۱۰۰ -

(۱۰) پارہ ۴ سورۃ النساء آیت ۲۳ -

عام اصول یہ ہے کہ وہ عورتیں جو بر بنائے قرابت نسب حرام ہوتی ہیں رضاعت سے بھی حرام ہو جاتی ہیں۔^{۱۱}

دودھ پینے والے پر دودھ پلانے والی عورت کے خاندان کے وہ تمام رشتہ دار حرام ہو جاتے ہیں جو دودھ پلانے والی عورت کی اپنی اولاد کے لیے حرام ہیں۔ چنانچہ ایسے جملہ بچے جنہوں نے ایک انا کا دودھ پیا ہو باہمی رضاعی بھائی بہن ہو جاتے ہیں اور ان میں باہم نکاح حرام ہو جاتا ہے۔ لیکن رضاعت کے سبب حسب ذیل عورتوں سے نکاح حرام نہیں ہے :

(۱) حقیقی بہن کی رضاعی ماں سے۔

(۲) رضاعی بہن کی حقیقی ماں سے۔

اس ماں کی تین صورتیں ہیں :

(الف) لڑکے کی حقیقی بہن کی رضاعی ماں جس کا دودھ لڑکے نے نہ پیا ہو۔

(ب) لڑکے کی رضاعی بہن کی نسبتی ماں جس نے لڑکے کو دودھ نہ پلایا ہو۔

(ج) لڑکے کی رضاعی بہن کی دوسری رضاعی ماں۔

(۳) رضاعی بھائی کی حقیقی بہن سے۔

(۴) رضاعی بیٹے کی حقیقی بہن سے۔

چنانچہ سنیوں کے نزدیک لڑکے کا باپ اس کی انا کی ماں یا بیٹی کے ساتھ عقد کر سکتی ہے جس کو اس نے دودھ پلایا ہو

(۱۱) وهو قوله عليه السلام يحرم من الرضاع كما يحرم من النسب۔

درمختار بر حاشیہ رد المحتار باب المحرمات ، مصر ، جلد ۱ ، صفحہ ۲۸۴

فتح القدیر ، مصر جلد ۲ ، صفحہ ۳۵۷۔

بحر الرائق ، جلد ۳ ، صفحہ ۲۳۹ و ۲۴۴۔

نیز چچا اور چچی کی آنا سے بھی نکاح جائز ہے۔^{۱۲}

شرائط رضاعت:

حنفیوں کے نزدیک ایک دفعہ دودھ پینا رضاعت کے رشتہ کو قائم کر دیتا ہے اور اپنے اثر کے لحاظ سے مانع نکاح ہے۔^{۱۴} البتہ شافعیوں کے نزدیک کم از کم پانچ مرتبہ دودھ پینا شرط ہے۔^{۱۳} لیکن شیعوں کے نزدیک رضاعت صرف اس صورت میں نکاح کے لیے مانع شرعی ہو سکتی ہے جب کہ لڑکے نے پندرہ مرتبہ یا کم از کم ایک دن اور ایک رات دودھ پیا ہو۔^{۱۵} لیکن رضاعت کی حرمت عارض ہونے کے لیے ضروری ہے کہ دودھ پلائے جانے کے وقت بچہ یا بچی کی عمر صاحبین کے نزدیک ۲ سال تک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک ڈھائی سال تک ہونی چاہیے۔^{۱۶} (اس مسئلہ میں مفتی بہ قول صاحبین کا ہے اور اسی پر عمل کیا جانا چاہیے)۔ اگر اس سے

(۱۲) جامع الاحکام فی فقہ الاسلام، صفحہ ۷۲۔

البحر الرائق، جلد ۳، صفحہ ۳۴۳۔ در مختار بر حاشیہ ردالمحتار، جلد ۲، صفحہ ۴۱۶۔

فتح القدیر، مصر، جلد ۳، صفحات ۱۰-۸۔ مجمع الانہر، جلد ۱، صفحات ۳۷۵-۳۷۶۔

(۱۳) قدوری، قرآن محل کراچی، صفحہ ۱۵۵۔

مجمع الانہر، جلد ۱، مطبوعہ مصر، صفحہ ۳۷۵۔

ردالمحتار، مصر، جلد ۲، صفحہ ۴۱۵۔

فتح القدیر، مصر، جلد ۳، صفحہ ۲۔

(۱۴) قدوری، قرآن محل کراچی، صفحہ ۱۵۵۔

مجمع الانہر، مصر، جلد ۱، صفحہ ۳۷۵۔

ردالمحتار، مصر، جلد ۲، صفحہ ۴۱۵۔

فتح القدیر، مصر، جلد ۳، صفحہ ۲۔

(۱۵) شرائع الاسلام، مطبوعہ طہران، ایران، صفحہ ۱۷۶۔

(۱۶) فتح القدیر، مصر، جلد ۳، صفحہ ۵۔

ردالمحتار و در مختار، مصر، جلد ۲، صفحہ ۴۱۳۔

زائد عمر کے بچے کو دودھ پلایا گیا تو حرمت قائم نہ ہوگی۔^{۱۷} اس کی علت یہ ہے کہ طبعی نظام میں بچہ کی جسمانی نشو و نما کے لیے دو سال تک کی عمر میں دودھ کا وہی درجہ ہوتا ہے جو ہمارے لیے دوسری اغذیہ کا ہے۔ دو سال کی عمر کے بعد دودھ کا پینا یا پلایا جانا بطور تفکّہ ہو سکتا ہے بطور تغذیہ نہیں۔

رضاعت کی دوسری شرط یہ ہے کہ دودھ پلانے والی کی عمر نو سال یا اس سے زائد ہو تو حرمت رضاعت قائم ہوگی چنانچہ اگر کسی لڑکی کی عمر ۹ سال سے کم ہے اور اسے دودھ اتر آیا تو اس کے پلانے سے حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی۔^{۱۸}

اس کی علت یہ ہے کہ کوئی لڑکی نو سال کی عمر سے پہلے بالغ نہیں ہو سکتی اگر نو سال سے پہلے دودھ اتر آئے تو وہ دراصل دودھ نہ ہوگا بلکہ طبی اصطلاح میں ایک رطوبت ہے جو بعض جسمانی اسباب و عوارض کی بناء پر جمع ہو جاتی ہے اور خارج ہونے لگتی ہے۔ بعض اوقات یہ رطوبت مرد میں بھی پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ فقہی مسئلہ ہے کہ اگر مرد کے جسم سے رطوبت دودھ کی شکل میں خارج ہو اور پی جائے تو حرمت رضاعت قائم نہ ہوگی۔

اس کی دوسری علت یہ ہے کہ لڑکی کی شرعی باوغ کی عمر کم از کم نو سال ہے اور وہ نو سال سے پہلے شرعاً غیر مکّلف ہے۔ اور چونکہ رضاعت سے حرمت کا ثابت ہونا ایک تکلیف شرعی ہے جو صرف مکّلف ہی پر ثابت ہو سکتی ہے اس لیے نو سال سے کم

(۱۷) قدوری ، قرآن محل کراچی ، صفحہ ۱۵۵ -

فتح القدیر ، مصر ، جلد ۳ ، صفحہ ۵ -

رد المحتار ، مصر ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۱۳ -

(۱۸) فتح القدیر ، مصر ، جلد ۳ ، صفحہ ۱۵ -

رد المحتار ، مصر ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۱۹ -

عمر کی لڑکی چونکہ غیر مکنت ہے اس لیے اس کے دودھ اتر آنے اور دودھ پلائے جانے کی صورت میں حرمت رضاعت قائم نہ ہوگی۔

عام طور پر رضاعت چھاتی سے دودھ چوسنے سے ثابت ہوتی ہے لیکن اگر دودھ چھاتی سے نکال کر منہ میں ڈال دیا جائے تب بھی رضاعت ثابت ہو جائے گی۔^{۱۹}

اگر عورت کا دودھ گائے، بھینس یا بکری کے دودھ میں ملا دیا، اگر عورت کے دودھ کا حصہ غالب ہے تو حرمت ثابت ہوگی ورنہ نہیں۔^{۲۰} لیکن اگر عورت کے دودھ کو کسی شے کے ساتھ ملا کر پکایا جس سے کہ پختہ ہو کر متغیر ہو گیا اور وہ بچہ نے کھایا تو اسے کھانے سے حرمت رضاعت متعلق نہ ہوگی کیونکہ وہ رضاعت (دودھ پلائی) نہیں ہے۔^{۲۱}

رضاعت کا اثر:

اگر بلا علم ایسے مرد و عورت آپس میں نکاح کر لیں جن کا نکاح بسبب رضاعت حرام ہو تو جب اس کا علم ہو جائے گا تو ان پر تفریق واجب ہوگی۔ اگر وہ بذات خود تفریق اختیار نہ کریں تو قاضی پر واجب ہوگا کہ ان میں تفریق کرائے۔ کیونکہ فساد عقد ظاہر ہو جانے پر وہ اپنی سابقہ حالت پر قائم نہیں رہ سکتے۔ اگر وہ قبل دخول تفریق اختیار کر لیں تو زوجہ کو

(۱۹) فتاویٰ قاضی خاں، مطبوعہ مطبع مصطفائی ہند، صفحہ ۱۹۱

ردالمحتار و درمختار، مصر، جلد ۲، صفحہ ۴۱۳۔

فتح القدیر، مصر، جلد ۳، صفحہ ۱۱۴۔

(۲۰) فتاویٰ قاضی خاں، مطبوعہ مطبع مصطفائی ہند، صفحہ ۱۹۱

ردالمحتار، مصر، جلد ۲، صفحہ ۴۲۰۔

فتح القدیر، مصر، جلد ۳، صفحہ ۱۲۔

(۲۱) بدائع الصنائع، الکامانی، مصر، کتاب الرضاعت،

ردالمحتار، مصر، جلد ۲، صفحہ ۴۲۰۔

فتح القدیر، مصر، جلد ۳، صفحہ ۱۲۔

کچھ نہ ملے گا لیکن اگر دخول کے بعد تفریق ہو تو زوجہ کو مہر مثل ملے گا۔ اگر کوئی مہر مقرر نہ ہوا ہو اور اگر مہر مقرر ہو گیا تو مہر مسمیٰ اور مہر مثل میں سے جو کم ہو ملے گا۔ چونکہ نکاح فاسد تھا اس لیے مرد پر عدت کا نفقہ واجب نہ ہوگا^{۲۲}۔

۴۷۔ کسی مرد کا اپنی ساس سے نکاح کرنا حرام ہے۔

ساس سے نکاح

تشریح

آیت قرآنی ”حرمت علیکم... وامہات نساؤکم“ (یعنی حرام کی گئیں تم پر... تمہاری بیویوں کی مائیں) کے تحت بیوی کی ماں یا نانی سے خواہ وہ کتنے ہی اونچے درجے (Degree) کی ہوں نکاح حرام ہے^{۲۳}۔

مسئلہ کی بنیاد:

مسئلہ کی بنیاد یہ ہے کہ بیوی یا شوہر کے اصول سے بوجہ ازدواج نکاح حرام ہو جاتا ہے چنانچہ بیوی کی ماں ، نانی ، دادی خواہ سگی ہوں یا سوتیلی اور کتنے ہی اونچے درجے کی ہوں اس مرد پر حرام ہیں۔ اسی طرح بیوی کے لیے شوہر کے آباؤ اجداد سے نکاح حرام ہے۔

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ زوجہ کی اولاد سے نکاح کرنے کے سلسلے میں صحبت کی قید لگائی گئی ہے یعنی یہ کہ عورت سے صحبت ہو چکی ہو۔ چنانچہ اگر صحبت سے پہلے طلاق دے دی تو اس کی اولاد سے نکاح جائز ہوگا، لیکن زوجہ کی ماں ،

(۲۲) الاحکام الشریعة الاسلامیہ فی الاحوال الشخصیہ ، مصر ، عمر عبداللہ صفحہ ۱۵۹ -

(۲۳) پارہ ۴ سورۃ نساء رکوع ۴ آیت ۱ - قدوری ، قرآن محل کراچی کتاب النکاح صفحہ ۱۴۷ -

کنزالدقائق ، مطبع مجتہبی دہلی ، کتاب النکاح ، صفحہ ۹۸ -

نانی و دادی وغیرہ سے نکاح کی ممانعت غیر مشروط اور مطلق ہے۔
 نکاح کے بعد زوجہ سے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو حرمت مصاہرت
 قائم ہو جائے گی اور اس کی ماں وغیرہ سے نکاح نہیں کیا جا سکتا۔
 بلکہ رشتہ ازدواج قائم نہ بھی رہے تب بھی حرمت باقی رہتی ہے۔^{۲۴}
 یہی صورت زوجہ کے لیے شوہر کے باپ دادا وغیرہ سے نکاح
 کرنے کے سلسلے میں ہے۔

۲۸۔ کسی مرد کا اپنی سوتیلی بیٹی سے، جو اس کی مدخولہ بیوی
 کے بطن سے ہو، نکاح حرام ہے۔

سوتیلی بیٹیوں سے نکاح

تشریح

آیت قرآنی ”حرمت علیکم... وربائبکم الٰتی فی حجورکم من
 النساء کم الٰتی دخلتم بہن فان لم تکنوا دخلتم بہن فلا جناح
 علیکم“ (تم پر حرام کی گئیں... وہ بیٹیاں جو ان عورتوں کے
 بطن سے ہوں جن سے تم نے صحبت کی ہے اور اگر تم نے صحبت
 نہیں کی ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں) کے تحت ان سوتیلی بیٹیوں سے
 نکاح حرام ہے جو ان بیویوں کے بطن سے ہوں جن سے صحبت ہو
 چکی ہو۔^{۲۵}

چنانچہ اگر زوجہ سے صحبت نہ ہوئی ہو اور بلا صحبت طلاق

(۲۴) فتاویٰ عالمگیری (عربی) مطبع مجیدی کانپور۔ کتاب النکاح باب ۳

در مختار و رد المحتار جلد ۲ صفحہ ۲۸۶۔

فتح القدیر 'مصر' جلد ۲ صفحہ ۳۵۸۔

مجمع الانہر مصر 'جلد ۱ صفحہ ۳۲۳۔

موطا 'امام مالک' نور محمد کراچی 'باب بالایحوزمن نکاح الرجل

ام المرأة - صفحات ۴۳ - ۴۴۔

(۲۵) پارہ ۴ سورہ نساء رکوع ۴ آیت ۱۔

ہو جائے تو سوتیلی بیٹی سے نکاح کی ممانعت نہیں ہے^{۲۶}۔

اس ضمن میں محض خلوت صحیحہ دخول کے مترادف نہیں ہے^{۲۷}۔

مسئلہ کی بنیاد :

در اصل اصول یہ ہے کہ بیوی یا شوہر کے فروع سے بوجہ ازدواج نکاح حرام ہو جاتا ہے چنانچہ بیوی کی بیٹی یا بیوی کے بیٹے کی بیٹی خواہ کتنے ہی نیچے درجے کی ہو یا بیوی کے نواسے یا پوتے کی بیٹی سے نکاح حرام ہو جاتا ہے۔ اسی طرح شوہر کی اولاد سے خواہ وہ سگی ہو یا سوتیلی اور کتنے ہی نیچے درجہ کی ہو نکاح حرام ہو جاتا ہے بشرطے کہ عورت سے صحبت ہو چکی ہو اگر صحبت نہ ہوئی ہو تو حرمت مصاہرت قائم نہ ہوگی۔

۲۹۔ کسی مرد کا اپنے حقیقی بیٹوں کی بیویوں سے نکاح حرام ہے۔

حقیقی بیٹوں کی بیویوں
سے نکاح

تشریح

آیت قرآنی ”حرمت علیکم... و حلائل ابناکم الذین من اصلا بکم“ کے تحت بیٹے ، پوتے یا نواسہ کی بیویوں سے خواہ وہ کتنے ہی زیریں پشت کے ہوں نکاح حرام ہے^{۲۸}۔ خواہ بیٹے نے اپنی زوجہ سے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو لیکن اگر بیٹا متبنی ہو تو اس کی زوجہ سے (بعد طلاق یا وفات شوہر) نکاح حرام نہیں ہے^{۲۹}۔

(۲۶) قدوری ، قرآن محل ، صفحہ ۹۸ -

کنز الرقائق ، مطبع مجتہائی دہلی ، صفحہ ۹۸ -

(۲۷) ذخیرہ بحوالہ فتاویٰ عالمگیری جلد ثانی کتاب النکاح باب ۳ صفحہ ۴ -

(۲۸) پارہ ۴ سورۃ النساء ۴ آیت ۲۳

قدوری ، قرآن محل کراچی ، صفحہ ۹۸ -

(۲۹) فتاویٰ عالمگیری عربی مطبع مجیدی کان پور ، جلد ثانی ، کتاب النکاح ،

باب ۳ ، صفحہ ۴ - درمختار و ردالمختار ، جلد ۲ ، صفحہ ۲۸۶ -

فتح القدیر ، مصر ، جلد ۲ ، صفحہ ۶۰-۳۵۸ -

مجمع الانہر ، مصر ، جلد ۱ ، صفحہ ۲۳-۳۲۳ -

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۳۰]

۳۰۔ ایسا نکاح جو ایک بہن کے نکاح میں ہوتے ہوئے اس کی دوسری بہن سے کیا جائے حرام ہے۔ البتہ بیوی کے مرجانے یا اسے طلاق دے دینے اور عدت گزر جانے کے بعد اس کی بہن سے نکاح جائز ہوگا۔

استثناء: اگر مرد نے لاعلمی کی حالت میں ایک بہن کے نکاح میں ہوتے ہوئے دوسری بہن سے نکاح کیا اور شبہ کی بناء پر صحبت کر لی تو نکاح ثانی پر فاسد نکاح کے احکام مرتب ہوں گے لیکن ان پر فساد ظاہر ہو جانے پر تفریق واجب ہوگی، اگر خود تفریق اختیار نہ کریں تو عدالت ان میں تفریق کرائے گی اور ان کو سزا دینے کی مجاز ہوگی۔

تشریح

بیک وقت دو سگی بہنوں کو نکاح میں رکھنے کی قرآن پاک میں ممانعت آئی ہے چنانچہ ”حرمت علیکم ان تجمعوایین الاختین“ ”دو بہنوں کو (ایک مرد کے نکاح میں) جمع کرنا تم پر حرام کیا گیا“ کے صریح حکم کے پیش نظر ایک بہن کے نکاح میں ہونے کی صورت میں اس کی دوسری بہن (یعنی سالی) سے نکاح حرام ہے۔ ۳۰

فقہاء کی رائی:

دو سگی بہنوں کے بحیثیت زوجہ اجتہاد کے سلسلے میں امام رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ ”ان تجمعوایین الاختین“ سے دراصل اپنے سیاق و سباق کے سبب ”حرمت علیکم الجمع بین

الاختین“ مراد ہے۔^{۴۱} یہی بات الکاسانی مصنف بدائع انصائع نے بھی لکھی ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ دو سگی بہنوں کا نکاح میں جمع کرنا حرام ہے ، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق ”ان تجمعوایین الاختین“ اللہ تعالیٰ کے قول ”حرمت علیکم . . . امہاتکم“ پر معطوف ہے اور اس کا سبب قطع رحمی ہے۔^{۴۲}

چنانچہ اگر ایک ساتھ نکاح کیا جائے تو دونوں نکاح باطل ہوں گے اور اگر یکے بعد دیگرے کیا جائے تو پہلا نکاح صحیح اور دوسرا باطل ہوگا۔^{۴۳} اور اگر دو بہنوں کو علیحدہ علیحدہ نکاح میں لائے اور یہ معلوم نہ ہو یا یاد نہ رہے کہ پہلے کس کے ساتھ نکاح کیا ہے تو ان میں (یعنی مرد اور دونوں عورتوں میں) تفریق کرا دی جائے گی۔^{۴۴} البتہ فتاویٰ عالمگیری جلد ثانی کتاب نکاح میں شمس الائمہ امام سرخسی کی کتاب ”محیط“ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اگر دو بہنوں سے یکے بعد دیگرے نکاح کیا جائے تو دوسرا نکاح فاسد ہوگا۔ لیکن امام سرخسی اپنی دوسری تصنیف المبسوط میں ”فان محرم بالنص الجمع بین الاختین“ کہہ کر اجتماع خواہرین کو حرام قرار دیتے ہیں۔

(۳۱) جلد ۳ صفحہ ۱۸۲ -

(۳۲) منقول لاخلاف فی آن الجمع بین الاختین فی النکاح حرام بقولہ تعالیٰ و آن تجموا بین الاختین معطو فاعلی قولہ عزوجل حرمت علیکم امہاتکم ولان الجمع بینہما یفضی الی قطیعة الرحم (جلد ۲ صفحہ ۲۶۲) -

(۳۳) فتاویٰ قاضی خان ، مطبوعہ مصطفائی ، ہند ، صفحہ ۱۶۸ - رد المحتار مصر ، جلد ۲ صفحہ ۲۹۱ -

مجمع الانہر ، مصر ، (۵۱۳۲۷) جلد ۱ صفحہ ۳۲۵ -

(۳۴) ولوتزوج اختین فی عقدین ولم یدر الاول فرق بینہ و بینہما (کنز الدقائق صفحہ ۹۸) -

رد المحتار ودر مختار ، مصر ، جلد ۲ صفحہ ۲۹۳ - مجمع الانہر ، مصر ، جلد ۱ صفحہ ۳۲۵ -

فتح القدیر میں جو در اصل ہدایہ کی شرح ہے اور جس کا پایہ کتب فقہ میں بہت بلند ہے لکھا ہے کہ نکاح باطل کے لیے بعض فقہاء نے فاسد کی اصطلاح بھی استعمال کی ہے چنانچہ بیع کے برعکس نکاح کے معاملہ میں باطل اور فاسد میں کوئی فرق نہیں ہے۔^{۳۵} مثال کے طور پر فتاویٰ قاضی خاں مطبوعہ مصطفائی، ہند، صفحہ ۱۶۸ کی اس عبارت ”واذا تزوج الحمر خمساً علی التعاقب جاز النکاح الاربع الاول ولا يجوز نکاح الخامسة وان تزوج خمساً فی عقدہ فسد نکاح الكل“ میں ”فسد“ باطل کے معنی میں ہے۔

اسلامی قانون کے حالیہ مؤلفین نے اس مسئلہ میں مختلف رایوں کا اظہار کیا ہے چنانچہ نواب سر عبدالرحمن نے دو بہنوں کے بیک وقت نکاح میں ہونے کی صورت میں صراحتاً کہا ہے کہ اگر دونوں نکاح ایک ہی معاہدہ نکاح کے ذریعہ عمل میں آئے ہوں تو دونوں نکاح باطل ہوں گے۔ اور اگر دو سگی بہنیں یکے بعد دیگرے نکاح میں آئی ہوں تو پہلا نکاح صحیح اور دوسرا باطل ہوگا۔^{۳۶}

سر عبدالرحیم دو سگی بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کی صورت میں نکاح ثانی کو فاسد قرار دینے کے حق میں نظر آتے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ ”جو نکاح مستحل محارم کے ساتھ کیا جائے وہ باطل ہے مثلاً اپنی حقیقی بہن یا بھتیجی وغیرہ کے ساتھ اور ایسی عورتوں سے نکاح جو عارضی طور پر منوع ہو مثلاً بحالت عدت یا بغیر دو گواہوں کی موجودگی کے“ فاسد ہے۔^{۳۷}

(۳۵) فتح القدیر، مصر جلد ۲ صفحہ ۳۸۲۔

(۳۶) انسٹی ٹیوٹس آف مسلمانز لا ۸۱-۸۰۔

(۳۷) اصول فقہ اسلام حیدرآباد دکن، ۱۹۲۹ء صفحہ ۲۶۵۔

سکسینہ نے بھی ایسے نکاح کو فاسد لکھا ہے^{۳۸}

جسٹس امیر علی نے بھی ایسے نکاح کو فاسد قرار دیا ہے۔^{۳۹}
ان کی دلیل یہ ہے کہ ”پہلا نکاح کسی بھی وقت فسخ کیا
جاسکتا ہے اور اس طرح دوسرا نکاح خود بخود صحیح ہو جائے گا“
ملا اور طیب جی نے بھی ایسے نکاح کو فاسد لکھا ہے۔

عدالتی نظائر :

شارحین و مؤلفین کے اس نقطہ نظر کا اثر عدالتی فیصلوں پر
بھی پڑنا لازمی و لابدی تھا چنانچہ ہند و پاکستان کی عدالتوں
کے فیصلوں کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ عدالتوں میں
اس باب میں دو مختلف رائیں موجود رہی ہیں۔ ایک یہ کہ ایسا
نکاح باطل ہے اور اولاد نا جائز اور وراثت کی حقدار نہیں ہو سکتی
اور دوسری رائے یہ کہ ایسا نکاح فاسد ہے۔ اولاد جائز اور وراثت
کی مستحق اور زوجہ بعد زفاف (مجامعت) مہر (مقررہ یا مثل جو کم
ہو) کی حقدار ہوگی۔

چنانچہ اس ضمن میں سب سے پہلا مقدمہ شریف النساء بنام
خضر النساء ہے^{۴۰} جس میں دوسری بہن کے نکاح کو باطل قرار دیا
گیا ہے۔ دوسرا مقدمہ عزیز النساء بنام کریم النساء ہے^{۴۱} جس میں
ایسے نکاح کو باطل اور کالعدم قرار دیا گیا۔ لیکن بمبئی ہائی کورٹ
نے اپنے فیصلے بمقدمہ تاج بی بنام مولا خاں^{۴۲} کلکتہ ہائی کورٹ کے

(۳۸) دی مسلم لا صفحہ ۲۱۹۔

(۳۹) محمڈن لا ہانچواں ایڈیشن صفحہ ۲۸۰۔

(۴۰) ۳- صدر دیوانی عدالت منتخب رپورٹس ۲۱۰۔

(۴۱) (۱۸۹۵) آئی ایل آر ۲۳ کلکتہ ۱۳۰۔

(۴۲) (۱۹۰۳) آئی ایل آر ۳۱ بمبئی ۳۸۵۔

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۳۰]

مندرجہ بالا فیصلہ سے اختلاف کیا اور دوسرے نکاح کو محض فاسد قرار دیتے ہوئے اولاد کو صحیح النسب اور جائداد کا وارث قرار دے دیا۔ اس کے بعد مدراس اور لاہور کی ہائی کورٹوں اور اودھ چیف کورٹ نے اس قسم کے مقدمات میں بمبئی ہائی کورٹ کی نظیر کا اتباع کیا^{۳۳}

اگر ان نظائر کا دقت نظر سے جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوگی کہ کلکتہ ہائی کورٹ نے آیت قرآنی ”حرمت علیکم... ان تجمعوا بین الاختین“^{۳۴} اور اولین تالیفات کو اہمیت دی جب کہ بمبئی ہائی کورٹ نے فتاویٰ عالمگیری میں محیط مؤلفہ سرخسی^{۳۵} کے حوالے اور ییلی و جسٹس امیر علی کی تحریروں کو درخور اعتناء سمجھا۔

شارحین و مؤلفین میں دوسری بہن کے نکاح کو باطل یا فاسد سمجھنے کا اصل سبب یہ ہے کہ نکاح کے جواز یا عدم جواز پر غور کرتے ہوئے زنا، حد، مہر، عدت، نفقہ اور نسب اولاد کے مسائل

(۳۳) عطا محمد بنام صیقل بی بی ۷ انڈین کیسیز ۸۲۰

تالی محمد بنام محمد دین آئی ایل آر ۱۲ لاہور ۵۲

مسماة کنیزا بنام حسن احمد خان اے آئی آر ۱۹۲۶ ع اودھ ۲۳۰ -

(۳۴) پارہ ۴ سورۃ النساء رکوع ۴ آیت ۱ -

(۳۵) اگر دونوں (بہنوں) کے ساتھ دو عقدوں میں نکاح کیا تو بعد والی کا

نکاح فاسد ہوگا اور مرد مذکور کو اس کا چھوڑنا واجب ہوگا اور اگر

قاضی کو معلوم ہو گیا تو دونوں میں تفریق کرا دے گا پس اگر مرد

مذکور نے اس کو قبل دخول کے چھوڑا تو کوئی حکم ثابت نہ ہوگا

اور اگر بعد دخول کے چھوڑا تو اس کو مہر مسمیٰ اور مہر مثل میں سے

کم مقدار ملے گی اور عورت مذکورہ پر عدت واجب ہوگی اگر حمل

ہو گیا تو بچہ کا نسب ثابت ہوگا اور مرد مذکور اپنی زوجہ سے جدا

ہے گا یہاں تک کہ اس کی زوجہ کی بہن کی عدت گزر جائے۔ (محیط

نوالہ فتاویٰ عالمگیری جلد ثانی صفحہ ۱۳۶، اردو ترجمہ) -

کا بھی ساتھ ساتھ جائزہ لیا گیا جس کی بناء پر اصل مسئلہ ، کہ نکاح باطل ہے یا فاسد ، الجھ کر رہ گیا ۔ بلاشبہ یہ مسائل بڑی حد تک ایک دوسرے سے مربوط ہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اصل مسئلہ یعنی نکاح کے جواز یا عدم جواز کو ثانوی حیثیت دی جائے اور اس کی جداگانہ اور منفرد حیثیت کو نظر انداز کر دیا جائے ۔

قانون اسلام کے اکثر شارحین و مؤلفین نے حرمت نکاح (Prohibition of Marriages) پر جو بحث کی ہے وہ نوعیت حرمت کے بجائے ان اسباب کے لحاظ سے کی ہے جن کی بناء پر حرمت لازم آتی ہے چنانچہ اکثر شارحین و مؤلفین کا یہ نقطہ نظر ہے کہ نسب (affinity) رضاعت (fosterage) اور ازدواج (marriage) کے مستقل اسباب امتناع کی بناء پر نکاح باطل ہوتا ہے اور دیگر اسباب امتناع چونکہ عارضی ہیں اور کسی بھی وقت دور ہو سکتے ہیں اس لیے دو بہنوں کا اجتماع چار عورتوں سے زائد کو بیک وقت نکاح میں رکھنا ، مشرکہ عورت سے نکاح ، معتدہ غیر یا منکوحہ غیر سے نکاح محض فاسد ہے ، باطل نہیں ۔^{۳۶}

تجزیہ :

نکاح کے شرعی موانع کئی اسباب سے پیدا ہوتے ہیں اور اسباب کی نوعیت کے لحاظ سے ان موانع کی نوعیت و حیثیت متعین ہوتی ہے چنانچہ اگر سبب مستقل اور دائمی ہے تو امتناع نکاح ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہوگا اور اگر سبب عارضی ہے تو امتناع نکاح بھی عارضی ہوگا لیکن جہاں تک نکاح کے موانع شرعی کا تعلق ہے اس کے فوری قانونی اثر کے لحاظ سے مستقل اور

(۳۶) محمدن لا ، سید امیر علی ، ہانچواں ایڈیشن ، باب ۷ صفحہ ۳۳۱ -

غیر مستقل ، دائمی اور عارضی میں کوئی فرق نہیں چنانچہ پہلے سبب امتناع دور ہونا چاہیے اس کے بعد ہی نکاح صحیح ہو سکتا ہے۔ محض اس توقع یا امکان کے پیش نظر کہ وہ امتناع نکاح کے بعد کسی بھی وقت دور ہو سکتا ہے (مثال کے طور پر دو سگی بہنوں کے بیک وقت نکاح میں ہونے کی صورت میں ایک کو طلاق دے کر یا ایک کی وفات پر) اس لیے ایسے نکاح کو باطل کے بجائے فاسد قرار دینا قرآن پاک کے کھلے اور واضح حکم کی علانیہ خلاف ورزی ہے۔

مزید برآں قرآن پاک کی جس آیت میں نسبی رضاعی اور ازدواجی موانع بیان کئے گئے ہیں اسی آیت میں دو سگی بہنوں کے اجتماع سے بھی منع کیا گیا ہے اور دوسگی بہنوں کے اجتماع کو ازدواجی سبب کی بناء پر منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ نکاح سے پہلے وہ ازدواجی سبب دور ہونا چاہیے (یعنی یا تو پہلی بہن کو طلاق دے کر علیحدہ کر دیا جائے یا وہ فوت ہو جائے) اس کے بعد ہی دوسری سگی بہن سے نکاح حلال ہو سکتا ہے ورنہ دوسرا نکاح حرام اور باطل ہو گا۔^{۳۷} البتہ اگر مرد نے بر بنائے شبہ اس دوسری بہن کے ساتھ صحبت کر لی تو مرد پر اس کا مہر واجب ہوگا اور عورت پر عدت واجب ہوگی اگر اولاد پیدا ہو تو وہ ثابت النسب ہوگی لیکن ان میں تفریق کرانی واجب ہوگی اور تاوقتیکہ اس دوسری بہن کی عدت نہ گزر جائے مرد کے لیے پہلی بہن سے صحبت کرنا جائز نہ ہوگا۔^{۳۸} یہ حکم صرف وطی بالشبہ کی بناء پر ہوگا ورنہ نہیں۔ کیونکہ عورت

(۳۷) وتحریم الجمع بین الاختین ومن فی معناہما (سراج الوہاج بحوالہ فتاویٰ علمگیری ثانی صفحہ ۲)۔

(۳۸) بدائع الصنائع ، الکامانی ، مصر ، جلد ۲ صفحہ ۲۶۳۔

فی نفسہ محل نکاح ہے جس کی بناء پر شبہ واقع ہو سکتا ہے۔

شرع اسلام میں نہ صرف دو بہنوں کے اجتماع کی ممانعت کی گئی ہے بلکہ حنفیوں کے نزدیک ایک بہن کو طلاق دینے کے بعد اس کی عدت کے دوران اس کی دوسری بہن سے نکاح بھی جائز نہیں ہے۔ خواہ رجعی طلاق کی عدت میں ہو یا بائن کی۔ البتہ شافعیوں کے نزدیک بائن طلاق کے بعد عدت کے گزرنے کا انتظار کیے بغیر دوسری بہن سے نکاح کیا جا سکتا ہے۔^{۴۹}

۳۱۔ ایسی دو قرابت دار عورتوں سے بیک وقت یا یکے بعد دیگرے (جب کہ ایک عورت نکاح میں پہلے سے ہو) نکاح جن میں سے اگر ایک کو مرد فرض کر لیا جائے تو ان میں نکاح حرام ہو ناجائز ہے۔

ایسی دو قرابت دار
عورتوں کا نکاح میں
اجتماع جن کا باہم
نکاح حرام ہو

تشریح

شرعی اصطلاح میں ایسی دو عورتوں سے نکاح کو جو باہم ایسی قرابت رکھتی ہوں کہ اگر ان میں سے ایک مرد ہو تو ایسا نکاح حرام ہو، "ناجائز اجتماع" (Unlawful Conjunction) کہا جاتا ہے۔ چنانچہ پھوپھی، بھتیجی، خالہ، بھانجی، کو ایک مرد کا اپنے نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔^{۵۰}

(۴۹) فتاویٰ عالمگیری جلد ثانی عربی صفحہ ۷ (اردو ۱۳۹) ہدایہ (انگریزی) صفحہ ۳۰

قدوری قرآن محل کراچی صفحہ ۱۳۸۔

"و حرم تتزوج اخت معندہ۔" کنزالدقائق مطبع مجتہانی دہلی، صفحہ ۹۸۔

(۵۰) بین امرأتین ایتہ فرضت ذکرأ حرم النکاح (کنزالدقائق ۹۸)۔

مجمع الانہر، جلد ۱، صفحہ ۳۲۵۔

ردالمحتار در المختار، جلد ۲، صفحہ ۹۲-۳۹۱۔

احادیث نبوی :

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ”عورت اور اس کی پھوپھی اور عورت اور اس کی خالہ کو کوئی مرد نہ جمع کرے“۔^{۵۱}

امام مالک نے بھی اسی خیال کی تائید فرمائی ہے اور اپنی موطا میں ایک حدیث بیان کی ہے کہ ”ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھوپھی اور بھتیجی اور خالہ بھانجی میں جمع نہ کرے۔“ اس کے علاوہ سعید بن المسیب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ”منع ہے (نکاح) بھتیجی سے پھوپھی کے اوپر اور بھانجی سے خالہ کے اوپر“۔^{۵۲}

ان احادیث کی روشنی میں جو اصول مرتب ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر ایسی دو عورتیں کہ اگر دونوں میں سے کسی ایک جانب سے ہم ایک کو مرد فرض کر لیں تو دونوں میں نسب یا رضاعت کے سبب نکاح جائز نہ ہو تو ان کا ایک

(۵۱) اخبرنا مالک حدثنا ابو الزناد عن عبدالرحمن الاعوج عن ابی ہریرہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یجمع الرجل بین المرأة و عمتها ولا بین المرأة و خالتها۔

اخبرنا مالک اخبرنا یحییٰ بن سعید انه سمع سعید بن المسیب ینہی ان ینکح المرأة علی عمتها او علی خالتها (موطا امام محمد، اردو، قرآن محل کراچی، ص ۲۳۰)۔

لا یجوز الجمع بین امرأتین لو فرضت کل منہما ذکرآ حرمت علیہ الاخری (مادہ ۳۹، شرح قانون الاحوال الشخصیہ، مصطفیٰ السباعی، دمشق، صفحہ ۱۱۳)۔

(۵۲) عن ابی ہریرہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یجمع بین المرأة و عمتها ولا بین المرأة و خالتها (موطا امام مالک کارخانہ تجارت کتب کراچی، صفحہ ۴۴۲)۔

عن سعید بن المسیب انه کان یقول ینہی ان ینکح المرأة علی عمتها او علی خالتها و ان یطاء الرجل ولیدہ و فی بطنہا جنین لغيرہ (موطا امام مالک، کارخانہ تجارت کتب کراچی، صفحہ ۴۴۲)۔

مرد کے نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں ہے۔^{۵۴}

استثنا :

البتہ اس سلسلے میں صرف ایک استثنا ہے وہ یہ کہ ایک عورت اور اس کے سابق شوہر کی (پہلی بیوی کے بطن سے پیدا شدہ) بیٹی سے نکاح جائز ہوگا۔^{۵۶} اس لیے کہ اگر اس عورت کو مرد تصور کر لیا جائے تو وہ بیٹی اس کے لیے اجنبی ہوگی اور ان کے درمیان نکاح جائز ہوگا۔

نتیجہ :

اگر ایسی دونوں قرابت دار عورتوں سے ایک ہی ساتھ نکاح کیا جائے تو دونوں نکاح باطل ہوں گے اور اگر یکے بعد دیگرے کیے جائیں تو پہلا نکاح صحیح اور دوسرا باطل ہوگا۔

صحیح شرعی حکم :

اسلامی قانون کے حالیہ مؤلفین نے ایسی دو عورتوں کے اجتماع کی صورت میں دوسرے نکاح کو فاسد لکھا ہے۔

لیکن محولہ بالا حدیث نبوی کی روشنی میں ایسا نکاح ممنوع ہونے کے سبب باطل قرار دیا جانا چاہیے بشرطیکہ مرد کو اس قربت اور حرمت کا علم ہو ، اگر باوجود علم نکاح کیا گیا تو نکاح باطل ہوگا اور صاحبین کے نقطہ نظر کے بموجب مرد پر حد جاری ہو جائی گی۔^{۵۵} البتہ عدم علم کے سبب دخول

(۵۲) محیط بھوالہ فتاویٰ عالمگیری (عربی) جلد ثانی ، صفحہ ۷۰۔

(۵۳) ولا باس بان بجمع امرأة و ابنة زوج کان لها من قبل۔ (قدوری ،

قرآن محل کراچی ، صفحہ ۱۳۸)۔

(ردالمحتار ، جلد ۲ صفحہ ۲۹۲)۔

(مجمع الانہر ، جلد ۱ صفحہ ۳۲۶)۔

(۵۵) فتح القدیر ، جلد ۳ ، کتاب الحدود۔

کے بعد ایسے نکاح پر نکاح فاسد کے احکام مرتب ہوں گے۔

۳۳۔ کسی مسلمان مرد کا ایک مشرکہ یا بت پرست عورت سے نکاح

مشرکہ سے نکاح

حرام ہے :

مگر شرط یہ ہے کہ وطی بالشبہ کی بناء پر نکاح فاسد کے احکام مرتب ہوں گے۔ فساد ظاہر ہو جانے پر ان میں تفریق کرنا واجب ہوگا۔ اگر فساد ظاہر ہو جانے پر وہ خود تفریق اختیار نہ کریں تو عدالت ان میں تفریق کرائے گی اور سزا دینے کی مجاز ہوگی۔

تشریح

خداوند تعالیٰ نے قرآن پاک میں ”لا تنکحوا المشرکات حتی یومن“ (نہ کرو نکاح مشرک عورتوں سے تاوقتیکہ وہ ایمان نہ لے آئیں) کہہ کر مسلمان مردوں کو مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت فرمائی ہے ۵۶۔

تمام کتب فقہ حنفیہ میں مجوسی اور بت پرست عورتوں کے ساتھ نکاح کو ناجائز لکھا ہے اسی طرح ستارہ پرست عورتوں سے جو آسمانی کتاب کا اقرار نہ کرتی ہوں نکاح کو ناجائز لکھا ہے ۵۷۔ ہدایہ میں بھی مجوسی عورت سے نکاح کو ناجائز لکھا ہے ۵۸۔ اسی طرح فتاویٰ قاضی خان میں بھی مشرکہ سے نکاح ناجائز لکھا ہے ۵۹۔ کنزالدقائق میں ایسے نکاح کو حرام لکھا ہے ۶۰۔

(۵۶) سورہ بقرہ رکوع ۲۷ آیت ۵۔

لا یحل نکاح الوثنیات ولا المجوسیات ولا الصائبات اللاتی بعدن الکواکب ولا یومن بکتاب منزل۔ (احکام الشرعیة فی الاحوال الشخصية، مصر، دفعہ ۳۲)۔

(۵۷) قدوری، قرآن محل کراچی صفحہ ۱۳۸۔

(۵۸) ہدایہ (عربی) مطبع مجتہبی، دہلی، کتاب النکاح، صفحہ ۲۹۰۔

(۵۹) فتاویٰ قاضی خان، مطبع مصطفائی ہند، جلد اول، صفحہ ۱۶۹۔

(۶۰) و حرم تزوج... والمجوسية والوثنية (کنزالدقائق، مطبع مجتہبی

دہلی، صفحات ۹۹-۹۸)۔

حالیہ مؤلفین میں محمد یوسف نے اپنی کتاب کی جلد ۲ صفحہ ۱۱۵ پر مشرک یا بت پرست عورت سے نکاح کو ناجائز لکھا ہے البتہ ولسن نے لکھا ہے کہ ”اگر کسی مسلم مرد کا کسی مشرک عورت سے نکاح ہو جائے تو من ابتداء باطل (Void Ab initio) نہ ہوگا بلکہ فاسد ہوگا اور اگر مجامعت ہوئی ہو تو زوجہ مہر (مقررہ یا مثل جو کم ہو) پانے کی مستحق ہوگی اور اولاد جائز ہوگی“۔ ملا نے بھی مقدمہ احسان حسن بنام پنا لال مندرجہ اے آئی آر ، ۱۹۲۸ ع پٹنہ ۱۹ کا حوالہ دیتے ہوئے مشرک سے نکاح کو محض فاسد لکھا ہے^{۶۱}۔ البتہ نواب سر عبدالرحمن نے بت پرست عورت سے نکاح کو باطل لکھا ہے^{۶۲}۔

بیلی (صفحہ ۴۰) نے بھی ایسے نکاح کو ناجائز لکھا ہے لیکن صفحہ ۱۵۳ پر اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ تعلق فی نفسہ ناجائز نہیں بلکہ اس تعلق پر جو اعتراض ہے وہ مذہب کی تبدیلی سے دور ہو سکتا ہے۔

جسٹس امیر علی کی رائے میں ایک مسلم مرد اپنا نکاح ہندو عورت سے کر سکتا ہے وہ اس ضمن میں مسلم بادشاہوں کی مثال بھی دیتے ہیں جنہوں نے راج پوت عورتوں سے نکاح کیے۔ ان کے نزدیک مشرک سے نکاح کی ممانعت اپنی نوعیت اور اثر کے اعتبار سے اضافی (Relative) ہے اور نکاح کے بطلان کو ظاہر نہیں کرتی لہذا اگر کوئی مسلمان مرد کسی مشرک عورت سے نکاح کر لے تو وہ محض فاسد ہوگا اور اولاد کی صحیح النسبی پر کوئی اثر نہ پڑے گا، کیوں کہ مشرک عورت کسی بھی وقت اسلام قبول

(۶۱) اے ڈائجسٹ آف اینگلو محمدن لاء ، چھٹا ایڈیشن ، صفحہ ۱۳۱۔

(۶۲) پرنسپلز آف محمدن لاء ، پندرہواں ایڈیشن ، صفحہ ۲۳۷۔

(۶۳) انسٹی ٹیوٹس آف مسلمانز لاء آرٹیکل نمبر ۱۳۴ ، صفحہ ۸۲۔

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۳۲]

کر سکتی ہے جس سے امتناع فوری طور پر دور ہو جائے گا اور نکاح صحیح ہو جائے گا^{۶۳}۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ امتناع جس کے دور ہونے کا امیر علی ذکر کرتے ہیں کیا ہے؟ یقیناً وہ امتناع عورت کا مشرکہ ہونا ہے جو نکاح میں مانع ہے۔ جب امتناع شرک کا ہے تو وہ نکاح سے پہلے دور ہونا چاہیے یا بعد میں؟

یہاں یہ ذکر دل چسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اسلام میں مشرکہ کتیز سے مجامعت بھی ناجائز ہے^{۶۴}۔ جب مشرک کنیز سے مجامعت بھی ناجائز ہے تو ایک مشرک عورت کے بغیر اس کے ایمان لانے نکاح کا جواز کیوں کر پیدا ہوتا ہے۔

قرآن پاک میں صراحتاً مشرکہ عورتوں سے نکاح کی ممانعت کی گئی ہے، تاآنکہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ چنانچہ ایمان لانا مقدم شرط ہے۔
عدالتی لفظہ نظر:

جہاں تک ہند و پاکستان کی عدالتوں کا تعلق ہے ان کا رجحان مشرکہ سے نکاح کو فاسد قرار دینے کی طرف ہے چنانچہ مقدمہ محولہ بالا احسان حسن بنام پنا لال میں ایک ہندو عورت نے اسلام لانے بغیر ایک مسلمان مرد سے شادی کر لی اور اس سے کئی بچے پیدا ہوئے، پٹنہ ہائی کورٹ نے یہ قرار دیا کہ نکاح فاسد ہے اور بچے جائز ہیں^{۶۶}۔

در اصل یہ حکم دخول کی بناء پر ہے چنانچہ تمام ائمہ اس پر متفق ہیں کہ ایسی صورت میں فریقین میں تفریق

(۶۳) محمدن لاء، پانچواں ایڈیشن، صفحہ ۲۸۲۔

(۶۵) فتاویٰ عالمگیری، جلد ثانی، صفحہ ۸۔

رد المحتار، جلد ۲، صفحہ ۲۹۷۔

(۶۶) اے۔ آئی۔ آر، ۱۹۲۸ ع پٹنہ ۱۹۔

کرانا واجب ہوگا۔ جائز النسبی کا حکم اس بناء پر ہے کہ فعل جماع زنا کی تعریف میں نہیں آتا اور چونکہ اولاد کا نسب مرد سے ثابت ہوتا ہے اور چونکہ مرد مسلمان ہے اس لیے نسب کو جائز قرار دیا گیا ہے کیونکہ صورتاً نکاح پایا گیا ہے۔

۳۳۔ مسلمان عورت کا نکاح کسی کافر، مشرک کتابی یا غیر مسلم مرد سے مطلقاً حرام ہے۔

غیر مسلم سے نکاح

تشریح

خداوند تعالیٰ نے سورہ بقرہ کے چھبیسویں رکوع میں فرمایا ہے ”ولا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا“ یعنی مشرک مردوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔

تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ ایک مسلمان عورت کا مشرک مرد سے نکاح جائز نہیں ہے^{۶۷}۔ یہ حکم دخول اور بے دخولی دونوں صورتوں میں متعلق ہوگا۔ چنانچہ نکاح کے بعد دخول کی صورت میں نہ اولاد کا نسب ثابت ہوگا اور نہ عورت پر عدت کیوں کہ وہ فعل حرام ہوگا اور نکاح ہر صورت میں باطل قرار پائے گا^{۶۸}۔ بیلی نے ایسے نکاح کو مسلمان مرد کا مشرک سے نکاح کی صورت پر قیاس کر کے فاسد لکھا ہے،^{۶۹} جو غلط نظریہ پر مبنی ہے۔

یہاں ایک اشتباہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلم مرد کے مشرک سے نکاح اور غیر مسلم مرد سے مسلمہ کے نکاح میں احکام میں فرق اور امتیاز کیوں روا رکھا گیا ہے جبکہ ہر دو قرآنی آیات کے

(۶۷) لا یجوز تزوج المسلمة من مشرک ولا کتابی کذا فی صراج الوہاج (فتاویٰ عالمگیری، جلد ثانی، ۸، عربی)۔

(۶۸) نکح کافر مسلمة فولدت منه لا یثبت النسب منه ولا تجب العدة لانه نکاح باطل (درالمختار پر حاشیہ رد المختار، جلد ۲، باب ثبوت النسب، صفحہ ۶۵۰)۔

(۶۹) ڈائجسٹ آف محمدن لاء، صفحہ ۱۵۳۔

(۷۰) ”لاتنکحوا المشرکات حتی یومن“ اور ”لاتنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا“

الفاظ یکساں ہیں ؟

اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اگرچہ ہر دو قرآنی آیات کے الفاظ یکسانیت رکھتے ہیں لیکن جب ان پر عمل کیا جاتا ہے تو فقہی نقطہ نظر سے اس کے متفرع احکام میں قدرتی طور پر عملاً فرق واقع ہو جائے گا کیوں جب مرد-مسلم ہو اور عورت مشرکہ ، تو آنحضرت رسول صلعم کی حدیث کے پیش نظر کہ ”بچہ والدین میں سے جو بہتر دین والا ہوگا اس کا تابع ہوگا“ بچہ کو باپ کا تابع قرار دیا جائے گا نیز نسب ثابت کرنے کی ضرورت بھی پیش آئے گی اس لیے نکاح فاسد کے احکام متعلق کر کے مہر، نفقہ اور عدت وغیر کے احکام مرتب ہوں گے۔ لیکن جب مرد غیر مسلم اور عورت مسلمہ ہو تو احکام میں لازماً فرق واقع ہو جائے گا کیونکہ اسلامی نقطہ نظر سے یہ امر مسلم ہے کہ اسلام کو دیگر مذاہب پر برتری حاصل ہے لہذا مرد کے غیر مسلم ہونے کے سبب اس کو مسلمہ عورت پر دینی برتری حاصل نہیں بلکہ دین کے اعتبار سے عورت مرد سے برتر ہے اس لیے بچے کو ثابت النسب قرار دینے سے ایک غیر مسلم کو ایک مسلمہ پر فضیلت حاصل ہو جائے گی۔ اس بناء پر نکاح کو صورتاً منعقد تصور نہ کیا جائے گا ، کیونکہ مسلمہ عورت کا غیر مسلم مرد کے مقابلہ میں حقیر ہونا اسلامی مقتضیات کے خلاف ہے۔

۳۴- کسی مسلمان مرد کا منکوحہ غیر سے باوجود علم کے نکاح کرنا حرام ہے :

منکوحہ غیر سے نکاح

مگر شرط یہ ہے کہ منکوحہ غیر سے بلا علم نکاح کی صورت میں اگر دخول ہو گیا ہو تو نکاح فاسد کے احکام مرتب ہوں گے۔ البتہ فساد ظاہر ہو جانے کے بعد ان پر تفریق واجب ہوگی۔ اگر فریقین خود تفریق اختیار نہ کریں تو عدالت ان میں تفریق کرا دے گی اور انہیں سزا دینے کی مجاز ہوگی۔

تشریح

کسی کی منکوحہ عورت سے نکاح کی ممانعت قرآن پاک میں
 ”والمحصنت من النساء الا ما ملکت ایمانکم“ کے الفاظ میں آئی ہے۔

امام رازی کا نقطہ نظر:

امام رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ ”والمحصنت“
 کا لفظ ”حرمت علیکم“ کے الفاظ کا اسی طرح تابع ہے جس طرح
 ”امہاتکم“ کا لفظ ”حرمت علیکم“ کا تابع ہے۔ بالفاظ دیگر امام رازی
 کی رائے میں کسی دوسرے کی بیوی سے نکاح کرنا اسی طرح حرام
 ہے جس طرح کسی کا اپنی ماں کے ساتھ نکاح کرنا۔

ائمہ اربعہ کی رائے:

ائمہ اربعہ میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ جس
 عورت کا نکاح کسی مرد کے ساتھ کیا جائے اس کا دوسرے کے
 نکاح سے آزاد ہونا ضروری ہے یعنی کسی دوسرے کے عقد میں نہ
 ہو۔ کیونکہ عورت کے لیے بوقت نکاح موزوں ذات (Fitting subject)
 ہونا ضروری ہے۔ اگر وہ عورت کسی ایک کے عقد میں ہے تو
 پھر وہ کسی دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کے لیے کیونکر موزوں
 ذات (Fitting Subject) ہو سکتی ہے؟ نیز یہ کہ جب پہلے
 شوہر کا حق اس پر قائم ہو تو دوسرے شوہر کا حق کیونکر
 قائم ہو سکتا ہے۔ کیونکہ قانوناً یہ ممکن نہیں ہے کہ دونوں
 شوہر بیک وقت ایک عورت پر اپنا حق قائم رکھ سکیں۔^۱
 چنانچہ کسی مسلمان مرد کے لیے کسی دوسرے کی زوجہ سے نکاح

(۱) منکوحۃ الغیر فہی غیر محل او لایمکن اجتماع ملکین فی آن واحد
 علی شئی واحد فالعقد لم یوثر ملکاً فاسداً۔ (رد المحتار، جاد ۲،
 باب العدة، صفحہ ۶۲۳)۔

کرنا حرام ہے۔ ۴

قانون نافذ الوقت :

تحت قانون نافذ الوقت دفعہ ۳۹۳ تعزیرات پاکستان ایسی عورت جو ایک شوہر کی موجودگی میں دوسرے شخص سے نکاح کر لے دو زوجی (Bigamy) کے جرم کی مرتکب ہوگی۔

بمقدمہ لیاقت علی بنام کریم النساء^۴ یہ قرار دیا گیا کہ اگر کوئی مسلم شادی شدہ عورت اپنے شوہر کی حیات میں کسی دوسرے شخص سے نکاح کر لے تو ایسا نکاح باطل ہوگا اور اولاد ناجائز۔

استثناء :

اس ضمن میں صرف یہ استثنا ہے کہ اگر وہ نکاح بلا اس علم کے منعقد ہوا ہو کہ وہ عورت کسی دوسرے شخص کی زوجہ ہے اور مرد نے عورت سے صحبت کر لی ہو تو اس صورت میں اس پر بر بنائے وطی (نہ کہ بر بنائے نکاح) نکاح فاسد کے احکام مرتب ہوں گے جو حقیقت میں وطی بالشبہ کے احکام ہیں۔ اسی بناء پر تمام ائمہ اس پر متفق ہیں کہ علم ہوتے ہی طرفین جدائی اختیار کر لیں اگر انہوں نے جدائی اختیار نہ کی تو عدالت ان میں تفریق کرا دے گی۔

۳۵۔ کسی مسلمان مرد کا چار بیویوں کی موجودگی میں ہانچواں نکاح باطل ہے۔

چار بیویوں کی موجودگی
میں ہانچواں نکاح

(۷۲) "ولا یجوز لارجل ان یتزوج زوجة غیرہ" (سراج الوہاج بحوالہ فتاویٰ عالمگیری جلد ثانی صفحہ ۷)۔

"ولا یجوز التزوج بزوجة الاخر" (المادہ ۳۸، قانون الاحوال الشخصية شام)۔

"یحرم نکاح زوجة الغیر" (المادہ ۲۷) الاحکام الشرعیہ فی الاحوال الشخصية مصر

(۷۳) آئی۔ ایل۔ آر۔ ۱۵، الہ آباد، صفحہ ۳۹۶۔

تشریح

شرع اسلام میں ایک مسلمان کو چار شادیاں تک کرنے کی اجازت ہے۔ خواہ یکے بعد دیگرے کی جائیں خواہ ایک ساتھ۔ یہ اجازت قرآن پاک کی چوتھی سورۃ کے پہلے رکوع کی تیسری آیت میں ”فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلث وربع“ کے تحت کی گئی ہے لیکن قرآن پاک میں ساتھ ہی یہ ہدایت بھی نازل کی گئی ہے کہ ”فان خفتم الا تعدلوا فواحدة“ (یعنی اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ تم ان میں عدل قائم نہ رکھ سکو گے تو ایک ہی پر اکتفا کرو)

تمام ائمہ اس پر متفق ہیں کہ اسلام میں بیک وقت چار عورتوں کو نکاح میں رکھنے کی اجازت ہے۔ بالفاظ دیگر چار سے زائد بیویوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنے کی ممانعت کی گئی ہے۔

چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ ابن شہاب زہری نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثقیف کے ایک شخص سے جس کے پاس ۱۰ بیویاں تھیں فرمایا کہ ”چار بیویوں کو روک لو اور باقی کو جدا کر دو“۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب قبیلہ ثقیف کے لوگ اسلام لے آئے تھے۔

فتاویٰ قاضی خاں مطبع مجتہائی ہند صفحہ ۱۶۸ پر لکھا ہے کہ

(۷۴) ”اخبیرنا ابن شہاب قال بلغنا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لرجل من ثقیف وکان عنده عشر نسوة حین اسلم الثقیفی فقال له اسک منهن اربعاً و فارق سائرهن“ (موطا ، امام محمد ، عربی - اردو ، قرآن محل کراچی ، صفحہ ۲۳۲)۔

اگر کوئی آزاد مسلمان مرد یکے بعد دیگرے پانچ عورتوں سے نکاح کرتا ہے (اور ان پانچوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھتا ہے) - تو پہلے چار نکاح صحیح ہیں مگر پانچواں نکاح ناجائز ہوگا اور اگر وہ پانچوں عورتوں کو بیک وقت نکاح میں لاتا ہے تو پانچوں نکاح فاسد ہوں گے۔^{۵۵}

یہاں اصل میں ”فسد“ کی اصطلاح ”بطل“ کے معنی میں استعمال ہوئی ہے لہذا پانچوں نکاح باطل اور قانوناً بے اثر ہوں گے۔ نواب سر عبدالرحمن نے لکھا ہے کہ اس سے پہلے کہ چار بیویوں میں سے ایک کو طلاق دی جائے اور اس کی عدت پوری ہو جائے پانچویں عورت سے نکاح باطل ہے۔^{۵۶}

اس کے برخلاف بیلی اور امیر علی پانچویں نکاح کو فاسد قرار دیتے ہیں ان کے خیال میں یہ امتناع (Prohibition) اضافی (Relative) ہے جو چار بیویوں میں سے کسی ایک کو طلاق دے کر علیحدہ کر دینے یا چاروں میں سے کسی ایک کی وفات واقع ہو جانے کی صورت میں کسی بھی وقت دور ہو سکتا ہے چنانچہ امتناع کے دور ہونے پر فساد دور ہو جائے گا اور نکاح من ابتداء صحیح (Valid abinitio) ہو جائے گا۔^{۵۷}

بیلی اور امیر علی کے اتباع میں ملانے بھی پانچویں نکاح

(۷۵) و اذا تزوج الحر خمساً علی التعاقب جاز النکاح الاربع الاول ولا یجوز نکاح الخمسة وان تزوج خمساً فی عقدة فسد نکاح الكل (فتاویٰ قاضی خان صفحہ ۱۶۸) -

(بحر الرایق، جلد ۳، صفحہ ۱۸۱) -

رد المحتار، جلد ۲، باب المهر صفحہ ۳۵۹ -

(۷۶) انسٹی ٹیوٹس آف مسلمانز لا، آرٹیکل ۱۳۴ -

(۷۷) محمدن لا، سید امیر علی، پانچواں ایڈیشن، باب ۶، صفحہ ۲۸۰ -

کو فاسد لکھا ہے۔^{۷۸} یہی صورت طیب جی اور سکسینہ کی بھی ہے جو بیلی اور امیر علی کی پیروی میں پانچویں نکاح کو فاسد کہتے ہیں۔

بیلی اور امیر علی نے دراصل ایک فارمولا وضع کیا ہے جو دائمی اور عارضی موانع کا ہے۔ اس کا تفصیلی ذکر اجتماع خواہرین کے سلسلے میں کیا جا چکا ہے۔ اگر بیلی اور امیر علی کے نقطہ نظر کو تھوڑی دیر کے لیے صحیح مان لیا جائے تو اس سے مضحکہ خیز نتائج برآمد ہوں گے مثال کے طور پر یہ تعداد پانچ کے بجائے آٹھ یا اس سے زائد (مثلاً سو، دو سو) بھی ہو سکتی ہے۔ امیر علی کے خیال کے مطابق ایسے سب نکاح فاسد ہوں گے کیونکہ شوہر کسی بھی وقت بقیہ بیویوں کو طلاق دے کر چار کو اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے یا چار کے سوائے سب بیویاں مر سکتی ہیں اور امتناع خود بخود دور ہو جانے سے نکاح صحیح ہو جائیں گے۔

ایک اعتراض :

لیکن فرض کیجیے کہ وہ مرد کسی بیوی کو طلاق نہیں دیتا اور سب کے ساتھ مجامعت کرتا ہے اور ہر ایک سے اولاد پیدا ہوتی ہے اور کوئی زوجہ اس کو داغ مفارقت دے کر اس دینا سے رخصت نہیں ہوتی بلکہ وہ مرد خود ہی ان سب کو جیتا جاگتا چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو پانچویں بیوی یا چار سے زائد بیویوں کی (جن کی تعداد ۸ یا اس سے بھی متجاوز ہو سکتی ہے) کیا حیثیت ہوگی؟ بیلی اور امیر علی کے نقطہ نظر کے مطابق اول چار کے علاوہ باقی سب نکاح فاسد ہوں گے

(۷۸) دی ہرنسپلز آف محمدن لا ، پندرہواں ایڈیشن ، دفعہ ۲۵۵

اولاد جائز اور ترکہ کی مستحق ہوگی مگر اول چار بیویوں کے مقابلے میں مابعد بیویوں کو کوئی حصہ نہیں ملے گا۔

تجزیہ :

قرآن پاک نے چار بیویوں کی حد مقرر کر دی ہے اور نکاح فاسد کے پردے میں یہ حد ایک مذاق بن کر رہ جاتی ہے۔ حقیقت میں چار بیویوں کی موجودگی میں پانچویں عورت سے نکاح باطل کے درجہ میں ہے لیکن شبہ فی الفعل یا فی المحل کے سبب وطی کی صورت میں اس پر نکاح فاسد کے احکام مرتب ہوں گے جو دراصل وطی بالشبہ کے احکام ہیں اور اسی بناء پر عدالت طرفین میں تفریق کرا دے گی۔

جہاں تک عدالتوں کا تعلق ہے لاہور ہائی کورٹ نے بمقدمہ مسماة اللہ دیٰ بنام سرکار میں یہ قرار دیا کہ ایسا نکاح باطل نہیں ہے۔^{۷۹} لیکن یہ صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب کہ شبہ فی الفعل یا فی المحل پایا گیا ہو۔

۳۶۔ معتدہ غیر سے دوران عدت نکاح باطل ہے :

معتدہ غیر سے نکاح

مگر شرط یہ ہے کہ معتدہ غیر سے بلا علم نکاح کی صورت میں وطی بالشبہ کی بناء پر نکاح فاسد کے احکام مرتب ہوں گے البتہ فساد ظاہر ہو جانے کے بعد ان پر تفریق واجب ہوگی۔ اگر فریقین خود تفریق اختیار نہ کریں تو عدالت ان میں تفریق کرائے گی اور سزا دینے کی مجاز ہوگی۔

تشریح

معتدہ غیر سے نکاح کے سلسلے میں قرآن پاک کا انداز بیان اگرچہ بیانیہ ہے لیکن اپنے اندر ایک حکمی نوعیت رکھتا

ہے چنانچہ ”یتربصن بانفسهن“ کہہ کر خداوند تعالیٰ نے ایسی عورتوں کو اپنے نفس کو روکے رکھنے کا حکم دیا ہے اور نکاح سے باز رہنے کی ہدایت فرمائی ہے۔^{۸۰}

عدت میں نکاح کرنے کے سلسلے میں ابن شہاب ، سعید بن مسیب اور سلیمان بن یسار سے روایت ہے کہ طلحہ بن عبداللہ کی بیٹی رشید ثقی کے نکاح میں تھیں رشید ثقی نے ان کو طلاق دے دی تو عدت ہی میں ابو سعید بن منبہ یا ابوالجلاس بن منبہ سے (ان کی لڑکی نے) نکاح کر لیا۔ اس پر حضرت عمر نے ان دونوں کو تادیباً درمے لگائے اور ان کے درمیان تفریق کرا دی۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ جس عورت نے عدت میں نکاح کر لیا اگر شوہر نے جماع نہ کیا ہو تو ان دونوں کو جدا کر دیا جائے اور وہ پہلے شوہر کی بقیہ عدت کو پوری کرے۔ اب دوسرا شوہر بمنزلہ دوسرے لوگوں کے اپنا پیغام (منگنی) بھیجے گا اور وہ عورت اس سے چاہے تو نکاح کر سکتی ہے اور اگر دوسرے شوہر نے جماع کر لیا ہو تو ان کو جدا کر دیا جائے اور وہ عورت پہلے شوہر کی بقیہ عدت کو پوری کرے پھر دوسرے کی عدت کو پوری کرے لیکن دوسرے شوہر سے کبھی نکاح نہ کرے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے فرمایا ہے کہ اگر وہ شوہر اس عورت سے جماع کر لے تو اس عورت کو مہر ملے گا اس لیے کہ اس کی شرم گاہ سے فائدہ اٹھایا گیا ہے اور جب وہ پہلے شوہر کی عدت گزار لے تو اس سے دوسرا شادی کر سکتا ہے۔ امام محمد نے فرمایا ہے کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے حضرت علی بن

(۸۰) "ولا تعزموا عقدة النکاح حتی يبلغ الكتاب اجله"۔

ابی طالب کے قول کی طرف رجوع کیا تھا۔ امام محمد نے فرمایا ہے کہ اسی پر ہمارا عمل ہے۔ امام ابو حنیفہ اور اکثر حنفی فقہاء کی بھی یہی رائے ہے۔^{۸۱}

فتاویٰ عالمگیری میں معتدہ غیر سے نکاح کا ذکر منکوحہ غیر سے نکاح کے ساتھ کیا گیا ہے اور ایسے نکاح کو ناجائز لکھا ہے۔^{۸۲} ہدایہ میں بھی لکھا ہے کہ ایک اجنبی شخص کے لیے معتدہ غیر سے نکاح بہ دوران عدت ممنوع ہے۔ کیونکہ اس سے نسب اولاد شبہ میں پڑ سکتا ہے۔ فتاویٰ قاضی خان میں بھی منکوحہ یا معتدہ غیر سے نکاح کو ناجائز لکھا ہے۔^{۸۳}

موجودہ مصری اور شامی قوانین کے تحت منکوحہ غیر سے نکاح اور معتدہ غیر سے اس کی عدت کے ختم ہونے کے پہلے نکاح کرنا حرام ہے۔ خواہ وہ عدت طلاق کے سبب ہو یا شوہر کی وفات کے سلسلے میں ہو۔ یا وہ عدت نکاح فاسد یا وطی بالشبہ کے سبب تفریق واقع ہونے کی بناء پر ہو۔^{۸۴}

حالیہ مولفین میں عبدالرحمن^{۸۵} نے ایسے نکاح کو باطل اور

(۸۱) موطا امام محمد (عربی۔ اردو) مطبوعہ قرآن محل کراچی، صفحہ ۲۳۹-۴۰۔

(۸۲) لا یجوز للرجل ان یتزوج زوجة غیره و کذا لک المعتدۃ (السراج الوہاج بحوالہ فتاویٰ عالمگیری کتاب النکاح باب ثالث فی بیان المحرمات، صفحہ ۷)۔ لا یجوز للرجل ان یتزوج المعتدۃ سواء کانت العدة عن طلاق او وفاة او دخول فی نکاح فاسد او شبہۃ نکاح (البدائع و الصنائع بحوالہ فتاویٰ عالمگیری، کتاب النکاح، باب ثالث فی بیان المحرمات صفحہ ۷)۔

(۳) فتاویٰ قاضی خان، (عربی) جلد ۱، صفحہ ۱۶۹۔

(۸۳) محرم نکاح زوجة الغير و معتدۃ قبل التضاء عدتها سواء کانت معتدۃ لطلاق او وفاة او فرقة من نکاح فاسد او وطء بالشبہۃ۔ (مادہ ۲۷، احکام الشرعیۃ فی الاحوال شخصیۃ، مصر)۔

(۸۵) انسٹی ٹیوٹس آف مسلمانز لا۔

فی نفسہ کالعدم لکھا ہے لیکن بیلی^{۸۶} ولسن^{۸۷} ملا^{۸۸} اور امیر علی^{۸۹} معتدہ غیر سے نکاح کو فاسد قرار دیتے ہیں۔ امیر علی اگرچہ معتدہ غیر سے نکاح کو فاسد قرار دیتے ہیں اور اولاد کو جائز مگر عدت گزرنے کے بعد رشتہ زوجیت کو جاری رکھنے کی صورت میں از سر نو نکاح کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ امیر علی اس ضمن میں متضاد بیانات کے شکار نظر آتے ہیں چنانچہ اگر زمانہ عدت میں نکاح فاسد ہے اور فساد انقضائے عدت سے دور ہو جاتا ہے اور نکاح درست ہو سکتا ہے تو پھر نئے نکاح کی ضرورت کیوں لاحق ہوئی؟

جہاں تک عدالتوں کا تعلق ہے صدر دیوانی عدالت مدراس صفحہ ۱۵۷ میں ایسے نکاح کو باطل قرار دیا گیا۔^{۹۰} بمقدمہ مسماة بخت بی بی بنام قایم دین یہ قرار دیا گیا کہ معتدہ غیر سے نکاح ناجائز ہے اور مجامعت اس کو درست نہیں کر سکتی۔^{۹۱} بمقدمہ مسماة رورو بنام باغ سنگھ ایسے نکاح کو کلیتہً بے اثر قرار دیا گیا لیکن اولاد کو جائز اور عورت کو مہر کا مستحق بھی قرار دیا۔^{۹۲} بمقدمہ جھنڈو بنام حسین بی بی دوران عدت نکاح کو باطل قرار دیا گیا۔^{۹۳}

ہمارے نزدیک معتدہ غیر سے نکاح باطل ہے۔ ایسی عورت کو

-
- (۸۶) ڈائجسٹ آف محمدن لا ' صفحہ ۱۵۳ -
 (۸۷) ڈائجسٹ آف اینگلو محمدن لا ' صفحہ ۱۱۴ -
 (۸۸) ہرنسپاز آف محمدن لا ' پندرہواں ایڈیشن ' دفعہ ۲۵۷ ' صفحہ ۲۲۵ -
 (۸۹) محمدن لا ' پانچواں ایڈیشن ' جلد ۲ ' صفحہ ۳۳۹ ' ۳۳۹ -
 (۹۰) بحوالہ مکناٹن ' ۵۶۶ -
 (۹۱) اے۔ اے۔ آئی۔ آر ۱۹۳۴ ع لاہور ۹۰۷ -
 (۹۲) اے۔ اے۔ آئی۔ آر ۱۹۳۵ ع لاہور ۲۳ -
 (۹۳) آئی۔ ایل۔ آر ۴ ' لاہور ' صفحہ ۱۹۲ -

نہ صرف نکاح سے منع کیا گیا ہے بلکہ قرآن پاک میں دوران عدت
 ”لا تعزموا عقدہ النکاح حتی یبلغ الكتاب اجلہ“ کہہ کر وعدہ نکاح یا
 منگنی وغیرہ سے بھی منع کیا گیا ہے۔^{۹۴}

موطاء امام مالک میں قاسم بن محمد کی روایت سے ایک حدیث
 بیان کی گئی ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عدت کے دوران میں
 کسی شخص کا معتدہ غیر سے نکاح کرنے کی خواہش کا اظہار بھی
 ممنوع ہے۔^{۹۵}

حقیقت میں معتدہ غیر سے نکاح باطل ہے اور اس سے دخول
 کی صورت میں نسب ثابت نہیں ہوگا لیکن اگر نکاح کے وقت یہ
 علم نہ ہو کہ عورت معتدہ غیر ہے اور اس سے دخول کر لیا تو
 وطی بالشبہ کی بناء پر نکاح فاسد کے احکام مرتب ہوں گے لیکن
 فساد ظاہر ہو جانے کے بعد طرفین پر تفریق واجب ہوگی۔

۷۳۔ مطلقہ ثلاثہ کا بغیر حلالہ کرانے اپنے سابق شوہر سے نکاح
 جدید حرام ہے۔

مطلقہ ثلاثہ سے نکاح

تشریح

مطلقہ ثلاثہ لغوی معنی میں اس عورت کو کہتے ہیں جس کو
 تین طلاقیں دی جا چکی ہوں۔ فقہی اصطلاح میں مطلقہ ثلاثہ اس
 عورت کو کہا جاتا ہے جس کو تین طلاقیں دی گئی ہوں، خواہ
 ایک وقت میں یا مختلف اوقات میں خواہ ایک لفظ سے (مثلاً تجھ
 کو تین طلاقیں دیں) یا تین لفظوں سے (مثلاً میں نے تجھ کو طلاق
 دی، طلاق دی، طلاق دی)۔ تین طلاقوں کے بعد عورت اس

(۹۴) سورة البقرة آیت ۲۳۵

(۹۵) موطا امام مالک (عربی - اردو) مطبوعہ کراچی، صفحہ ۴۳۵ -

مرد کے لیے حرام ہو جاتی ہے اس سے نہ رجوع کا حق باقی رہتا ہے اور نہ عدت گزرنے پر عقد ثانی کا۔ البتہ اگر کسی عورت کو دو طلاقیں دی گئی ہوں تو مرد کو دوران عدت رجوع کا حق حاصل رہتا ہے۔

قرآن پاک میں آیا ہے ”الطلاق مرتان فامساک بمعروف أو تسریح باحسان“ یعنی یہ طلاق (جس کے بعد رجوع جائز ہے) دو مرتبہ ہے پھر یا تو معروف طریقہ پر روک لینا ہے یا خوش اسلوبی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔

اس آیت کی رو سے ایک مرد ایک رشتہ نکاح میں اپنی بیوی پر زیادہ سے زیادہ دو مرتبہ طلاق رجعی کا حق استعمال کر سکتا ہے۔ چنانچہ جو شخص اپنی زوجہ کو دو مرتبہ طلاق دے کر اس سے رجوع کر چکا ہو وہ جب کبھی اس کو تیسری بار طلاق دے گا تو وہ عورت اس سے کلی طور پر جدا ہو جائے گی۔ بالفاظ دیگر ایک طلاق یا دو طلاق دینے کی صورت میں شوہر کو یہ حق حاصل رہتا ہے کہ عدت گزرنے سے پہلے جب چاہے رجوع کر لے اور عدت گزر بھی جائے تب بھی باہمی رضامندی سے مرد و عورت دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔ لیکن تیسری بار طلاق دینے کے بعد نہ مرد کو حق رجوع رہتا ہے اور نہ ہی دونوں آپس میں دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں الا یہ کہ وہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لے اور وہ اسے بعد صحبت طلاق دے دے۔ یا فوت ہو جائے تب عدت گزرنے کے بعد وہ مرد اس سے نکاح کر سکتا ہے۔ ایسی صورت میں مرد دیگر سے نکاح کرنے کی قید خود

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۳۷

قرآن کی آیت ”فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ“^{۹۷} کے تحت لگائی گئی ہے۔

اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے مشرکین عرب میں طلاق کی کوئی حد نہ تھی، مرد جس قدر طلاقیں چاہتا اپنی زوجہ کو دیتا رہتا اور عدت گزرنے سے پہلے رجوع کر لیا کرتا اور اس طرح عورت کو معلق رکھ کر ستایا کرتا تھا۔ اس صورت حال کو بدلنے کی غرض سے یہ آیات نازل ہوئیں جن سے تین سے زیادہ طلاقیں دینے کا امکان نہ رہا نیز تیسری طلاق کے بعد بدون حلالہ رجوع کرنے کا حق بھی باقی نہ رہا۔^{۹۸}

قرآن کریم کا منشاء یہ ہے کہ جو لوگ گھڑی گھڑی طلاق دیتے ہیں اور عدت کے اندر رجوع کر لیتے ہیں ان کو ایسا کرنے سے باز رکھا جائے۔ اگر کوئی مرد ایک یا دو بار اپنی زوجہ کو طلاق دے کر دوران عدت اس سے رجوع کر چکا ہے تو تیسری دفعہ طلاق دے جانے کی صورت میں وہ عورت اس کے لیے حرام ہو جائے گی اور اگرچہ مرد و عورت باہم پھر نکاح کر لینے پر راضی بھی ہوں تب بھی نکاح نہ ہو سکے گا، الا یہ کہ وہ عورت اپنا نکاح کسی دوسرے شخص سے کرے اور پھر وہ شخص اسے طلاق دے دے یا فوت ہو جائے تب اگر پہلا شوہر اور وہ عورت یہ خیال کریں کہ وہ حدود اللہ پر قائم رہیں گے تو پھر وہ اپنا نکاح کر سکتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک ہی وقت میں تین طلاق دیے جانے کی صورت میں طلاق دینے والے سے جحلف

(۹۷) - سورہ البقرہ، آیت ۲۳۰ -

(۹۸) - تفسیر ابن کثیر -

شرعی دریافت کیا جاتا تھا اگر وہ کہتا کہ میری نیت ایک طلاق دینے کی تھی (اور تین کا لفظ یا تین بار طلاق، طلاق، طلاق کے الفاظ میں نے تاکید کی غرض سے استعمال کیے تھے) تو ایک طلاق رجعی کا حکم دیا جاتا تھا اور اگر اس کی نیت تین طلاق کی ہوتی تھی تو تین شمار کی جاتی تھیں۔

چنانچہ حضرت محمود بن لبید سے روایت بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلعم کو بتایا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین اکٹھی طلاقیں دی ہیں۔ آپ غضبناک ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کیا خدا کی کتاب کے ساتھ کھیلا جاتا ہے حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔^{۹۹}

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ دیکھا کہ لوگوں نے طلاق کو ایک کھیل بنا لیا ہے تین طلاقیں دے دیتے ہیں اور جب دیکھتے ہیں کہ بیوی ہاتھ سے گئی تو کہہ دیتے کہ ہماری نیت تو ایک طلاق رجعی تھی اور اس طرح شریعت کی اجازت سے ناجائز فائدہ اٹھایا جا رہا ہے تو آپ نے ایک وقت میں دی جانے والی تین طلاقوں کو طلاق بائن کے حکم میں داخل فرمایا جس سے مرد کا نہ صرف حق رجوع ختم ہو گیا بلکہ دوبارہ نکاح کرنے کا حق بھی باقی نہ رہا۔

مطلقہ ثلاثہ کے مسئلے میں جمہور فقہاء کا یہ نقطہ نظر ہے کہ اگر ایک مرد اپنی زوجہ کو ایک ہی وقت میں یکے بعد دیگرے

(۹۹) "وعن محمود بن ابیہ قال اخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن رجل طلق امرأة ثلاث تطلیقات جميعاً فقام غضبان ثم قال أیلعب بکتاب اللہ عز و جل وانا بین اظہر کم" (نسائی بحوالہ مشکوٰۃ شریف (عربی - اردو) قرآن محل ، کراچی ، صفحہ ۱۲۵)۔

تین طلاقیں دے دے یعنی علی الفور تین مرتبہ پے در پے طلاق، طلاق، طلاق کے الفاظ ادا کرے یا یہ کہے کہ میں نے تجھے تین طلاقیں دیں تو اس فعل سے تین طلاقیں پڑ جائیں گی جس کے نتیجہ میں عورت فی الفور مرد کے رشتہ زوجیت سے علیحدہ ہو جائے گی اور مرد کو اس عورت سے رجوع کرنے کا اختیار باقی نہ رہے گا۔ نیز یہ کہ عورت و مرد عدت گزرنے کے بعد بھی باہم نکاح نہ کر سکیں گے تا آن کہ وہ عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے اور وہ مرد بعد صحبت اس کو طلاق دے دے یا فوت ہو جائے۔

فقہاء کا یہ گروہ اپنے دعوے کے ثبوت میں منجملہ دیگر احادیث کے (جن کا تفصیلی ذکر طلاق کے باب میں آئے گا) حسب ذیل احادیث سے استناد کرتا ہے، جن کو امام بخاری^{۱۰۰} نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے :-

(۱) قال عویمر العجلانی فی مجلس اللعان :

”کذبت علیہا ان امسکھا یا رسول اللہ فطلقہا ثلاثہ قبل
أن یرہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔“

واقعہ یہ ہے کہ عویمر العجلانی نے اپنی زوجہ کو لعان کیا اور اس سے پہلے کہ رسول اللہ صلعم تفریق کا حکم دیتے، عویمر نے ایک ہی مجلس میں بلفظ واحد تین طلاقیں دے دیں چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ عویمر نے رسول اللہ سے کہا کہ ”میں نے جھوٹ بولا اگر میں اس کو اپنے پاس رکھوں پس اس (عویمر) نے اس پر تہمت لگائی اور (زوجہ) کو تین طلاقیں دیں، اس سے پہلے

(۱۰۰) صحیح بخاری، مطبع مجتہبی دہلی، باب ”عن اجاز طلاق الثالث“
جلد دوم، صفحہ ۷۹۱۔

کہ رسول اللہ صلعم حکم دیتے۔“

جمہور فقہاء اس حدیث سے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”طلاق الثلاث بلفظ واحد“ سے انکار نہیں فرمایا۔ اگر لفظ واحد سے تین طلاقیں دینا جائز نہ ہوتا تو آنحضرت علیہ السلام سکوت نہ فرماتے۔ چنانچہ سرکار دو عالم کا سکوت مندرجہ بالا حدیث کے پیش نظر ”وقوع الطلاق الثلاث بلفظ واحد“ کے معاملے میں تقریر کے قائم مقام ہے۔

لیکن بعض فقہاء متذکرہ بالا حدیث کو اس استدلال کے ساتھ تسلیم نہیں کرتے کیونکہ ان کے نزدیک وہ عورت جس سے لعان کیا گیا ہو اس پر نفس لعان کے سبب طلاق ہو جاتی ہے اس لیے زوجہ ملاحنہ کو طلاق دینا ان کے نزدیک ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی اجنبی عورت کو طلاق دینا۔

اس سلسلے میں امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابن شہاب زہری کی روایت سے ایک اور حدیث بیان کی ہے کہ سہل بن سعد نے فرمایا کہ میں مجلس ملاحنہ میں موجود تھا اور اس سے پہلے کہ لعان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تفریق کا حکم دیتے عویمر نے اپنی زوجہ کو تین طلاقیں دے دیں، پس ہمارے لیے یہ سنت (قاعدہ شرعی) ہو گئی کہ لعان کے بعد تفریق کرا دی جائے^{۱۱}۔

اس اصول کی بناء پر حنفی فقہاء کے نزدیک لعان سے خود بخود تفریق نہیں ہو سکتی بلکہ عدالت کے ذریعہ ہوگی اور جب تک عدالت تفریق نہ کرائے نکاح قائم رہے گا۔

ایک دوسری حدیث ہے: ”عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

(۱۰۱) صحیح بخاری، مطبع مجتہبی دہلی، جلد ۲، صفحہ ۶۹۵۔

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۳۷]

أند قال : فقلت : يا رسول الله أرأيت لو طلمتها ثلاثاً الآن يحل لي ان اراجعها ؟ قال : لا كانت تبين منك ، وتكون معصية -

واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر نے اپنی زوجہ کو ایک طلاق دی تھی بعد میں انہوں نے رسول اللہ صلعم سے معلوم کیا کہ اگر میں اس کو تین طلاقیں دیتا تو کیا میرے لیے یہ حلال ہوتا کہ میں اس سے رجوع کرتا ، رسول اللہ نے جواب دیا ، نہیں وہ عورت تمہاری طلاقوں سے بائن ہو جاتی اور اس سے رجوع کرنے میں گناہ ہوتا۔

ایک اور حدیث ہے ”عن مالک انه بلغه ان رجلاً قال لابن عباس انى طلقت امرأتى مائة تطليقة فماذا ترى على فقال له ابن عباس طلقت منك بثلاث وسبع و تسعون اتخذت بها آيات الله هزواً“ - (ایک شخص نے ابن عباس سے کہا کہ میں نے اپنی عورت کو سو طلاقیں دیں - ابن عباس نے جواب دیا کہ وہ تین طلاقوں میں تجھ سے بائن ہو گئی - اور ستاونوں طلاقوں سے تو نے ٹھٹھا کیا اللہ کی آیتوں سے) ۱۰۲ -

اسی طرح امام مالک نے اپنی موطا میں بیان کیا ہے کہ ایک شخص عبداللہ بن مسعود کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی عورت کو دو سو طلاقیں دیں ، ابن مسعود نے کہا کہ وہ عورت تجھ سے بائن ہو گئی ۱۰۳ -

مذکورہ بالا احادیث (اور دیگر احادیث سے جن کا تفصیلی ذکر

(۱۰۲) موطا امام مالک (عربی اردو) اصح المطابع کراچی ، کتاب الطلاق صفحہ ۳۵۶ -

(۱۰۳) موطا امام مالک (عربی اردو) اصح المطابع کراچی ، کتاب الطلاق صفحہ ۳۵۷ -

طلاق کے باب میں آئے (۵) اور آثار صحابہ سے جمہور فقہاء، یہ استدلال کرتے ہیں کہ ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے جانے کی صورت میں خواہ وہ تین طلاق کہہ کر دی جائیں یا طلاق ، طلاق ، طلاق کہہ کر دی جائیں ، تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

فقہاء کے دوسرے گروہ کا ، جس میں زبیر بن عوام ، عبدالرحمن بن عوف ، عکرمہ ، طاؤس ، محمد بن اسحاق ، حارث عکلی ، داؤد بن علی الظاہری ، حافظ ابن تیمیہ ، ان کے شاگرد حافظ ابن القیم اور شیعہ امامیہ مذہب کے علماء شامل ہیں ، مسلک یہ ہے کہ اگر مرد نے اپنی زوجہ کو ایک وقت میں تین طلاقیں دے دیں یا یہ کہا کہ میں نے تجھے تین طلاقیں دے دیں تو وہ طلاق مغلظہ نہ ہوگی بلکہ ایک طلاق رجعی ہوگی۔ اور مرد کو دوران عدت حق رجوع حاصل رہے گا۔ اور عدت گزر جانے پر بھی اگر دونوں رضامند ہوں تو باہم دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔ ان حضرات کے نزدیک تین طلاقوں کی صورت میں یہ ہے کہ ایک طہر میں ایک طلاق دے۔ دوسرے میں دوسری اور تیسرے میں تیسری طلاق دے۔ تب یہ طلاق مغلظہ ہوگی اور عورت حلالہ کے بغیر پہلے شوہر کے لیے حلال نہ ہوگی۔

فقہاء کا یہ گروہ اپنے استدلال کی بنیاد آیت قرآنی ”الطلاق مرتین فامساک بمعروف او تسریح باحسان“ پر رکھتا ہے کہ طلاق یکم بعد دیگرے کے سوائے نہیں ہو سکتی نیز پہلی دو طلاقوں میں رجوع کا حق باقی رہتا ہے کیونکہ اگر تینوں طلاقیں ایک ساتھ دی جائیں اور ایک ساتھ نافذ ہوں تو پھر مراجعت کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا ، جو منشاء قرآن کے خلاف ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن نے شوہر

کو تین طلاقوں کا اختیار دیا ہے جو تین مرتبہ استعمال کیا جانا مقصود ہے تا کہ پہلی یا دوسری بار طلاق دینے کے بعد اگر مرد اس پر نادم ہو تو دوران عدت مراجعت کے ذریعہ مضرت کے تدارک کا امکان باقی رہے اور بلا جدید عقد کے رجوع کیا جاسکے نیز عدت گزرنے کے بعد بھی اگر دونوں رضامند ہوں تو باہم عقد کر سکیں جب کہ تیسری مرتبہ طلاق دیے جانے کی صورت میں مراجعت کا حق باقی نہ رہے گا اور نہ ہی بدون حلالہ عقد جدید کا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے ”مرتن“ کا لفظ استعمال فرمایا ہے نہ کہ ”اثنتین کا“۔ اس سے دراصل طلاق کا دو مرتبہ دیا جانا مقصود ہے نہ کہ ایک ہی دفعہ میں دو یا تین طلاقیں دینا۔

چنانچہ ”الطلاق مرتن“ کے الفاظ کا تقاضا یہ ہے کہ وقفوں کے ساتھ طلاق دی جائے کیونکہ اگر کسی شخص نے ایک ہی مرتبہ دو طلاقیں دے دی ہوں تو اس کے متعلق یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ اس نے اپنی بیوی کو دو مرتبہ طلاقیں دی ہیں، جیسے کہ اگر کوئی شخص دوسرے آدمی کو بیک وقت دو روپے دے تو یہ کہنا صحیح نہیں ہو سکتا کہ اس نے دو مرتبہ روپے دیے ہیں تا وقتیکہ روپے دینا وقفوں کے ساتھ نہ ہو۔ چنانچہ اگر قرآن کے الفاظ کا مقصد صرف رجوع کے حق کو ظاہر کرنا ہوتا تو پھر الفاظ ”مرتان“ کے استعمال کا کوئی فائدہ نہیں رہتا کیونکہ رجوع کرنے کا حق تو اس وقت بھی ثابت ہے جب کہ آدمی ایک مرتبہ ہی دونوں طلاقیں دے دے۔

فقہاء کا یہ گروہ اپنے دعویٰ کے استدلال میں حضرت ابن عباس سے

حسب ذیل روایت بھی پیش کرتا ہے :

رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں ، وہ اپنے اس فعل پر سخت غمگین ہوئے ، رسول اللہ نے ان سے پوچھا کہ تم نے اپنی بیوی کو کیسے طلاق دی ؟ رکانہ نے جواب دیا ”تین“ ایک مجلس میں ، اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تحقیق کہ وہ ایک طلاق ہوئی اگر تم چاہو تو اس سے رجوع کر سکتے ہو ، رکانہ نے جواب دیا کہ میں نے اس سے رجوع کیا۔“ -

اس حدیث کو جمہور فقہاء تسلیم کرنے سے منکر ہیں ایک تو اس لیے کہ ابن عباس کا مسلک اس کے خلاف ہے ، دوسرے یہ کہ طلاق دینے والے نے لفظ ”الثلاثہ“ استعمال نہیں کیا تھا بلکہ ”البتہ“ کا لفظ استعمال کیا تھا جس کے لفظی معنی کاٹ دینا ہے اور فقہی اصطلاح میں قطعی یا لازمی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکانہ سے حلفیہ پوچھا کہ تیرا ارادہ کیا تھا ، رکانہ نے جواب دیا کہ میں نے ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا ، اس لیے حضور علیہ السلام نے اس عورت سے رجوع کا حکم دے دیا تھا۔

در اصل اختلاف اس میں ہے کہ اگر تین طلاقیں ایک ساتھ دی جائیں تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی یا صرف ایک طلاق (رجعی) واقع ہوگی۔ اس اختلاف کے دو اسباب ہیں ایک یہ کہ جن فقہاء کے نزدیک طلاق ان افعال سے مشابہ ہے جو انسان کے اپنے ذمہ لازم کرنے کی وجہ سے لازم ہو جاتے ہیں ان کے نزدیک اگر تین اکٹھی طلاقیں بیک وقت دی جائیں تو ان کا حکم تین متفرق

مجموعۂ قوانین اسلام [دفعہ ۳۷

طلاقوں کا ہوگا اور طلاق مغلظہ ہو جائے گی اور جن فقہاء کے نزدیک طلاق ان افعال سے مشابہ ہے جو اپنے صحیح اور جائز ہونے میں شرعی پابندیوں کے محتاج ہیں، ان کے نزدیک بیک وقت تین طلاقیں ایک طلاق کے حکم میں داخل ہوں گی۔

دوسری وجہ اختلاف یہ ہے کہ جن فقہاء کے نزدیک آیت طلاق ”الطلاق مرتان... حتی تنکح زوجاً غیرہ“ (الخ) ایک امر اور حکم کی حیثیت رکھتی ہے ان کے نزدیک اس کے خلاف عمل ناجائز، ممنوع اور حرام ہے چنانچہ اگر تین طلاقیں ایک وقت میں دی جائیں تو صرف ایک نافذ ہوگی اور باقی بے اثر رہیں گی۔ لیکن جن فقہاء کے نزدیک آیت طلاق میں حکم مذکور نہیں بلکہ طلاق احسن کو بیان کیا گیا ہے ان کے نزدیک تین طلاقیں بیک وقت دینے سے تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی البتہ اس طرح طلاق دینے والا گناہ گار ہوگا کیونکہ اس نے ایک مشروع قاعدہ کی خلاف ورزی کی ہے۔ اس دعوے کی دلیل میں وہ یہ مثال پیش کرتے ہیں کہ جمعہ کی اذان کے بعد خرید و فروخت نہ کرنے کا حکم ہے لیکن اگر خرید و فروخت کی جائے تو وہ جائز اور قابل نفاذ ہوگی البتہ خرید و فروخت کرنے والا گناہ گار ہوگا، اسی طرح غصب کردہ زمین پر نماز پڑھنا جائز نہیں لیکن اگر نماز پڑھ لی جائے تو نماز ادا ہو جائے گی لیکن نماز پڑھنے والا گناہ گار ہوگا۔

موجودہ زمانے میں اکثر مسلم ممالک مثلاً مصر، ۱۰۶ شام ۱۰۵ تیونس وغیرہ میں فقہاء کے دوسرے گروہ کے نقطہ نظر کی پیروی

(۱۰۴) الاحکام الشرعیہ فی الاحوال الشخصیہ، مصر، دفعات ۲۲۹-۲۲۷ -

(۱۰۵) شرح قانون الاحوال الشخصیہ، شام، مؤلفہ مصطفی السباعی،

دفعہ ۹۴، صفحہ ۱۵۸ -

کی گئی ہے اور طلاق علی الہال (خلع) و طلاق متمم للثلاث کے علاوہ تین طلاقیں بیک وقت دی جائیں تو ان کو ایک طلاق کے حکم میں داخل کیا گیا ہے۔

پاکستان میں بھی از روئے آرڈی نینس نمبر ۸ مجریہ ۱۹۶۱ ع کے مطابق اسی پر عمل درآمد کیا جا رہا ہے۔

البتہ عائلی قوانین آرڈی نینس کی دفعہ ۷ کے تحت یہ کہا گیا ہے کہ ہر وہ شخص جو اپنی زوجہ کو طلاق دینے کا خواہش مند ہے، طلاق دینے کے بعد بعجلت ممکنہ چیٹرمین کو اس کی تحریری اطلاع دے گا اور اس تحریری اطلاع کی ایک نقل اپنی زوجہ کو بھی ارسال کرنے کا پابند ہوگا۔ نیز یہ کہ چیٹرمین کو مذکورہ اطلاع نامہ موصول ہونے کے بعد تک نوے یوم تک وہ طلاق مؤثر نہ ہوگی، الا یہ کہ اس سے قبل صراحتاً یا کسی اور طریقہ پر رجوع کر لیا گیا ہو۔ علاوہ ازیں اس دفعہ کی ذیلی دفعہ (۷) میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر طلاق اس وقت دی جائے جب کہ عورت حاملہ ہو تو وہ طلاق اس وقت تک مؤثر نہ ہوگی جب تک کہ مذکورہ مدت نہ گزر جائے یا وضع حمل نہ ہو جائے۔

قانون ہذا میں طلاق کا مؤثر ہونا چیٹرمین کو اطلاع نامہ حوالہ کرنے کے بعد نوے یوم تک کے لیے موقوف اور معلق کر دیا گیا ہے۔ گویا طلاق اپنے اثرات و نتائج کے اعتبار سے چیٹرمین کو اطلاع نامہ موصول ہو جانے کے نوے دن تک غیر مؤثر رہے گی۔ اس دفعہ کے تحت چند سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) طلاق کی اطلاع دینے کی کوئی مدت مقرر نہیں کی گئی بالفرض طلاق گواہوں کے روبرو اور زوجہ کی موجودگی

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۳۷]

میں زبانی یا تحریری دی گئی ہو مگر اس کا اطلاع نامہ حسب دفعہ مذکورہ چیئرمین کے حوالہ نہ کیا گیا ہو تو حسب احکام عائلی قوانین آرڈی نینس طلاق غیر موثر رہے گی؟

(۲) اطلاع نامہ دیے جانے کے بعد نوے یوم تک طلاق معلق رکھنے کے معنی یہ ہیں کہ طلاق غیر نافذ ہے اگر کوئی شخص ایک طلاق دینے کے بعد چیئرمین کو اطلاع نامہ حوالہ کر دے مگر دوسرے طہر میں دوسری طلاق دے تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ اور ذیلی دفعہ (۶) پر کیا اثر مرتب ہوگا؟

(۳) اگر طلاق کا نفاذ چیئرمین کو اطلاع دینے کے نوے یوم بعد ہوگا تو عدت کب سے شمار ہوگی؟ اگر عدت نوے دن کے بعد شمار ہوگی تو مرد کا حق رجوع بھی باقی رہتا ہے، اس صورت میں نوے دن کے دوران رجوع کرنے کا کیا حکم ہوگا؟ کیونکہ اگر طلاق نافذ نہیں ہوئی اور غیر موثر ہے تو پھر مرد رجوع کس امر یا فعل سے کرے گا؟ اور اگر نوے دن گزرنے سے قبل رجوع کر لیا تو اس کی دی ہوئی طلاق، ایک طلاق رجعی شمار ہوگی یا نہیں اور کیا اس کو صرف دو طلاقیں دینے کا حق باقی رہ جائے گا؟ اگر طلاق نوے دن تک غیر موثر ہے تو پھر مرد کا فعل رجوع تین طلاقوں کے حق کو کیوں کر متاثر کرے گا؟

(۴) ثالثی کونسل کی صورت میں، بالفرض محال، مرد رجوع کرنا چاہے مگر عورت راضی نہ ہو اور بالفرض محال

چیٹرمین زوجہ کے استدلال سے مطمئن ہو تو مرد کے حق رجوع کے بارے میں کیا صورت ہوگی؟

تجویز

بہتر ہوگا ، اگر ثالثی کونسل کی تشکیل مرد کے طلاق دینے سے پہلے ہو اور اگر طلاق دیدی گئی ہو تو اس کے اثر و نفاذ کو نوے دن تک معلق رکھنا خلاف شرع ہے۔ طلاق واقع ہو جانے کی صورت میں فوراً نافذ ہو جائے گی اور عدت بھی فوراً شروع ہو جائے گی نوے یوم گزرنے سے قبل مرد کو حق رجوع حاصل ہوگا اور وہ بلا مرضی زوجہ حق مراجعت استعمال کر سکتا ہے۔ نوے یوم گزر جانے کے بعد حق رجوع ختم ہو جائے گا۔ ضرورت ہے کہ مندرجہ بالا امور کی روشنی میں دفعہ مذکورہ میں مناسب ترمیم کی جائے۔

بہر کیف ، جہاں تک مطلقہ ثلاثہ سے کسی مرد کے نکاح کا تعلق ہے ، بدون حلالہ ایسا نکاح باطل ہوگا۔ البتہ دخول کی صورت میں اس نکاح پر وطی بالشبہ کے احکام مرتب ہوں گے کیونکہ صورتاً نکاح پایا گیا ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر سخت تعزیر عائد ہوگی ، بشرطیکہ اس کو حرمت کا علم ہو۔ لیکن امام ابو یوسف ، امام محمد اور امام شافعی کے قول کے مطابق اگر وہ مرد حرمت سے واقف ہو تو اس پر حد لگائی جائے گی۔^{۱۰۶} شیخ قاسم نے اپنی تصحیح میں لکھا ہے کہ فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے۔ لیکن فتاویٰ قہستانی میں مضمرات سے منقول ہے کہ

(۱۰۶) شرح وقایہ (اردو ترجمہ) ملک سراج الدین اینڈ سنز ، لاہور

باب "صحبت موجب حد اور غیر موجب حد" صفحہ ۵۲۹ -

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۳۸]

صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے، کیونکہ علم کے بعد کسی شبہ کی گنجائش نہیں رہتی، نہ شبہ فیالعقد کی اور اور نہ شبہ فیالمحل کی۔ اسی لیے صاحبین کے نزدیک یہ وطی خالص زنا ہوگی اور حد جاری کی جائے گی۔ اس ضمن میں صاحبین کی رائے زیادہ منطقی ہے۔

صاحب ہدایہ نے مرد کا اپنی مطلقہ ثلاثہ سے بدون حلالہ نکاح کو ناجائز لکھا ہے۔ اسی طرح فتاویٰ عالمگیری میں بھی ایسے نکاح کو ناجائز لکھا ہے، 'بیلی' ملا اور امیر علی ایسے نکاح کو فاسد (Invalid) قرار دیتے ہیں۔ البتہ نواب سر عبدالرحمن نے ایسے نکاح کو باطل (Void) لکھا ہے۔

جہاں تک عدالتوں کا تعلق ہے ان کا رجحان بدون حلالہ مطلقہ ثلاثہ سے نکاح کو باطل قرار دینے کے حق میں ہے۔

ہمارے نزدیک مطلقہ ثلاثہ سے نکاح کے سلسلے میں حکم قرآنی صاف اور واضح ہے۔ ایسا نکاح باطل قرار دیا جانا چاہیے۔ البتہ اگر مرد نے عورت سے جماع کر لیا ہو تو حرمت کا علم ثابت نہ ہونے پر مرد پر حد زنا نہ لگائی جائے گی بلکہ صرف تعزیر دی جائے گی اور ان میں تفریق کرا دی جائے گی۔ نیز حد زنا نہ لگانے جانے کی صورت میں وطی بالشبہ کی بناء پر نکاح فاسد کے احکام مرتب ہوں گے۔

۳۸۔ ایسی عورت سے نکاح جو حاملہ ثابت النسب ہو باطل ہے۔

حاملہ ثابت النسب
سے نکاح

تشریح

یہ مسئلہ متفقہ ہے کہ ایسی عورت سے نکاح باطل ہے جو حاملہ ہو اور جس کا نسب ثابت ہو یعنی اس کے شوہر سے یا مالک سے

اس کا حمل ہو۔^{۱۰۷} لیکن اگر وہ حمل خود اسی شخص کے زنا کا نتیجہ ہو تو ایسا نکاح اور صحبت دونوں جائز ہیں^{۱۰۸} البتہ اگر ایسی عورت کا حمل کسی اور شخص کے زنا کا نتیجہ ہے تو نکاح جائز ہوگا مگر شوہر پر لازم ہوگا کہ وضع حمل (Delivery) تک اس سے مجامعت نہ کرے۔^{۱۰۹} مصری قانون کے تحت بھی ایسے نکاح کو باطل کہا گیا ہے۔^{۱۱۰}

۳۹۔ اگر کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ زنا کرے تو اس کی ماں اور بیٹی اس پر حرام ہو جائے گی۔

زانیہ کی ماں اور بیٹی
سے نکاح

تشریح

امام ابوحنیفہ اور بعض دیگر ائمہ مثلاً سفیان ثوری امام اوزاعی امام احمد بن حنبل وغیرہ کے نزدیک اگر کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ زنا کرے تو اس کی ماں اور بیٹی اس پر حرام ہو جائے گی اور زانی و زانیہ میں حرمت مصاہرت قائم ہو جائے گی لیکن امام شافعی کے نزدیک نکاح صحیح سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے، زنا سے

(۱۰۷) "و حبلی ثابت النسب لا یجوز نکاحها اجاءاً" (فتاویٰ عالمگیری جلد ثانی، صفحات ۷-۸)۔

(۱۰۸) "اذا تزوج امرأة قد زنی هو بها و ظہر بها حبل فالنکاح جائز عندالکل وله ان یطاها عندالکل" (فتاویٰ عالمگیری، جلد ثانی، صفحات ۷-۸)۔

(۱۰۹) وقال ابوحنیفہ و محمد رحمہم اللہ تعالیٰ یجوز ان یتزوج امرأة حاملاً من الزنا ولا یطأها حتی تضع وقال ابو یوسف لا یصح والفتویٰ علی قولها کذا فی المحيط (فتاویٰ عالمگیری، جلد ثانی، صفحہ ۷)۔

ہدایہ مطبع مجتہبی دہلی، جلد ۲، صفحہ ۲۹۲۔

مجمع الانہر مطبوعہ مصر، جلد ۱، صفحہ ۳۲۹۔

(۱۱۰) یحرم نکاح الحامل ثابت النسب حملها ویصح نکاح الحامل من الزنا ولا یواقعها الزوج حتی تضع حملها ما لم یکن الحمل منه (الاحکام الشریعة فی الاحوال الشخصیہ، مصر، دفعہ ۲۹)۔

ثابت نہیں ہوتی۔ چنانچہ ان کے نزدیک زانیہ کی ماں یا بیٹی سے نکاح حرام نہ ہوگا۔ لیکن جمہور علماء امام ابو یوسف کی رائے سے متفق ہیں۔^{۱۱۱} اس کی بناء یہ ہے کہ اصل وجہ امتناع جنسی تعلق ہے نہ کہ نکاح۔

چنانچہ اگر کسی شخص نے ایک عورت سے زنا کیا تو اس عورت کی ماں اس زانی پر حرام ہو جائے گی۔ اس کی ماں کی ماں وغیرہ خواہ کتنے ہی اونچے درجہ پر ہوں سب حرام ہوں گی نیز اس عورت کی بیٹی اور بیٹی کی بیٹی خواہ کتنی ہی بعد کی پشت میں ہوں سب حرام ہوں گی۔ اسی طرح اس عورت نے جس سے زنا کیا ہے اس مرد زانی کے آباء و اجداد خواہ کتنے ہی پہلی پشتوں میں ہوں اور مرد کے بیٹے اور پوتے پر پوتے خواہ کتنے ہی بعد کی پشت میں ہوں سب حرام ہوں گے۔^{۱۱۲}

حرمت مصاہرت جس طرح مجامعت سے ثابت ہوتی ہے اسی طرح شہوت سے مساس کرنے، بوسہ لینے، شرم گاہ پر نظر کرنے سے بھی ثابت ہوتی ہے۔^{۱۱۳}

حرمت مصاہرت اسی وقت ثابت ہوتی ہے جب کہ شہوت ہو اور شہوت کی حد یہ ہے کہ خواہش کے لیے اس کے قلب

(۱۱۱) ورائی جمہور التابیین ثبوتہا بالزنی (احکام الشریعة الاسلامیہ، عمر

عبد اللہ، مصر، ۱۹۶۱ ع)

(۱۱۲) فتح القدیر بحوالہ فتاویٰ عالمگیری، جلد ثانی، (عربی) صفحہ ۴۰۰۔

ہدایہ (عربی) مطبع مجتہائی، جلد ۲، صفحہ ۲۸۹۔

مجمع الانہر، مطبوعہ مصر، جلد ۱، صفحہ ۳۲۶۔

(۱۱۳) من مس امراة بشهوة حرمت علیہ امہا و بنتہا (حدیث نبوی)

فتح القدیر بحوالہ فتاویٰ عالمگیری (عربی) جلد ثانی صفحہ ۵

ایہ (عربی) مطبع مجتہائی دہلی، جلد ۲، صفحہ ۲۸۹۔

میں حرکت ہو ”آلہ تناسل“ منتشر ہو اور اگر پہلے سے منتشر ہو تو اس میں زیادتی واقع ہو جائے۔

قانون مصر کے بموجب کسی شخص کے لیے اس عورت کی ماں اور بیٹی سے جس سے کہ وہ مرد زنا کر چکا ہو ، نکاح کرنا حرام قرار دیا گیا۔ اسی طرح اس عورت کے لیے زانی مرد کے اصول و فروع سے نکاح حرام ہے لیکن اس مرد کے اصول اور فروع کا اس زانیہ عورت کے اصول و فروع سے نکاح کرنا حرام قرار نہیں دیا گیا۔ ۱۱۴

اگر کوئی زانی مرد اس عورت کے اصول یا فروع سے نکاح کر لے تو ایسا نکاح قبل دخول باطل کے حکم میں ہوگا۔ لیکن اگر بلا علم حرمت صحبت کر لی تو اس پر نکاح فاسد کے احکام مرتب ہوں گے ، لیکن فساد ظاہر ہو جانے پر تفریق واجب ہوگی۔ اگر وہ خود تفریق نہ کریں تو قاضی کو چاہیے کہ وہ ان میں تفریق کرا دے۔ ایسی صورت میں اگرچہ طرفین پر شبہ فی المحل کے سبب حد نہ لگائی جائی گی لیکن ان پر تعزیر لازم ہوگی۔

چونکہ صورتاً نکاح پایا گیا ہے اس لیے مرد پر عورت کا مہر ، عورت پر عدت اور دوران عدت مرد پر اس کا نفقہ واجب ہوگا اور اولاد جائز ہوگی۔ ۱۱۵

(۲۱۴) یحرم علی الرجل ان یتزوج اصل مزنیة و فرعہا و تحرم العزنی بہا علی اصولہ و فروعہ ولا تحرم علیہم اصولہا و فروعہا (الاحکام الشریعة فی الاحوال الشخصیہ ، مصر ، دفعہ ۲۴)۔

(۱۱۵) احکام الشریعة الاسلامیہ (عمر عبداللہ ، مصر ، ۱۹۶۱ ع ، صفحہ ۱۴۲)۔

۴۰ - متعہ حرام ہے -

تشریح

متعہ اس معاہدہٴ نمائل نکاح (Quasi Marriage) کو کہتے ہیں جو عورت سے جنسی استفادے کی غرض سے مرد و عورت کے درمیان بالعوض (For Consideration) ایک معینہ مدت کے لیے کیا جائے۔

اس معاہدے کے تحت مرد کو عورت پر یہ اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ اس عورت کو بلا شرکت غیرے ایک مدت معینہ کے لیے اپنی داشتہ بنا کر رکھے جس کے دوران عورت کو دوسروں کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کرنے کی اجازت نہ ہو۔

ایران اور عراق میں اس قسم کے نکاحوں کی اکثر و بیشتر مثالیں ملتی ہیں لیکن برصغیر ہند و پاکستان میں شاذ ہی ایسا ہوتا ہے۔ دراصل یہ رواج صابین اور زرتشتیوں میں موجود تھا۔ صفوی دور حکومت میں جب شیعہ سرکاری مذہب قرار پایا تو متعہ کا رواج پھر ہو گیا۔

سنیوں کے نزدیک متعہ بالاتفاق حرام ہے ۱۱۶ شیعوں میں اٹنا عشری شیعہ متعہ کو جائز سمجھتے ہیں جب کہ ان کے دوسرے فرقے مثلاً اسماعیلیہ اور زیدیہ اس جنسی تعلق کو ناجائز تصور کرتے ہیں۔ اٹنا عشری شیعوں کے نزدیک ایک شیعہ مرد ایک وقت میں جتنی عورتوں سے چاہے متعہ کر سکتا ہے۔ عورت کا شیعہ یا کتیبیہ ہونا ضروری ہے۔ دوسرے مذاہب کی

(۱۱۶) ۵۱۱۱، باب المحرمات، جلد ۲، صفحہ ۲۹۲۔

مجمع الأنور جلد ۱، صفحہ ۳۳۱

عزرتوں سے متعہ جائز نہیں لیکن ایک شیعہ عورت صرف شیعہ مرد ہی کے ساتھ متعہ کر سکتی ہے۔

متعہ کا معاہدہ ایک مقررہ مدت کے لیے ہوتا ہے جو لفظ تمتع کے ساتھ منعقد ہوتا ہے نکاح کے الفاظ استعمال نہیں ہوتے۔ عورت سے استفادہ کے عوض میں مرد کو کچھ معاوضہ (بصورت نقد یا جنس) ادا کرنا ہوتا ہے۔ اگر کوئی معاوضہ مقرر نہ ہو تو معاہدہ باطل اور کالعدم ہوگا۔ اگر عورت سے صحبت ہوئی ہو تو کل معاوضہ قابل ادا ہوتا ہے ورنہ نصف۔ متعہ میں عورت کو طلاق نہیں دی جاتی بلکہ مدت مقررہ کے گزرنے پر معاہدہ خود بخود ختم ہو جاتا ہے اور فریقین علیحدہ ہو جاتے ہیں البتہ مرد کسی بھی وقت مابقیہ مدت عورت کے حق میں ہبہ کر کے معاہدہ کو ختم کر سکتا ہے لیکن عورت مقررہ مدت سے قبل خود کو آزاد نہیں کر سکتی۔ متعہ کے نتیجہ میں فریقین ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے البتہ اولاد جائز قرار پاتی ہے۔ متعہ میں عورت نفقہ کی مستحق نہیں کیوں کہ صحیح معنی میں تمتوعہ عورت پر زوجہ کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

متعہ اور قرآن :

سنی علماء متعہ کی حرمت کے ثبوت میں قرآن پاک کی حسب ذیل آیت پیش کرتے ہیں :-

”والذین ہم لفروجہم حافظون الاعلیٰ ازواجہم او ما
ملکت ایمانہم فانہم غیر ملومین فمن ابتغی وراء ذالک
فاولئک ہم العادون۔“ ۱۱۷

(۱۱۷) پارہ ۱۸ سورہ مومنون رکوع ۱ آیات ۵، ۷۔

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۴۰]

(وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں کے اور ان عورتوں کے جو ان کی ملک میں ہوں کہ ان پر (اپنی شرمگاہوں کو محفوظ نہ رکھنے میں) وہ قابل ملامت نہیں ہیں، البتہ جو اس کے علاوہ کچھ اور چاہیں وہی حد سے بڑھنے والے ہیں۔ یعنی اپنی منکوحہ عورت یا مملوکہ کنیز کے سوا کسی اور سے جماع کرنے والے فعل حلال کی حد سے آگے نکل جانے والے ہیں۔)

اس آیت میں جن عورتوں سے جنسی تعلق قائم کرنے کی اجازت دی گئی ہے ان کی صرف دو قسمیں ہیں۔ ایک زوجہ اور اور دوسرے کنیز جو اس مرد کی ملک ہو۔ اس کے علاوہ باقی تمام عورتوں سے جنسی تعلق ناجائز ہے۔ متوعہ عورت نہ زوجہ ہے اور نہ کنیز، کیوں کہ شریعت میں جو حقوق و فرائض زوجہ کے بیان کیے گئے ہیں ان کا اطلاق متوعہ عورت پر نہیں ہوتا نہ متوعہ عورت کے لیے نفقہ، نہ طلاق، نہ ایلا، نہ ظہار، نہ لعان اور نہ وراثت۔ بلکہ وہ چار بیویوں کی حد سے بھی مستثنیٰ ہے اسی طرح نہ ہی اس کے کنیز ہونے کا سوال پیدا ہوتا ہے کیوں کہ وہ اس مرد کی ملک نہیں ہوتی نہ اسے فروخت کیا جاسکتا ہے اور نہ کسی دوسرے شخص کو ہبہ کیا جاسکتا ہے، اور چون کہ وہ ان دونوں قسم کی عورتوں سے خارج ہے لہذا اس کا طالب قرآن کی زبان میں ”حد سے گزرنے والا“ ہے۔

متعہ اور حدیث :

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسلام کے ابتدائی زمانے میں متعہ

کے رواج کو عرب میں باقی رہنے دیا گیا تھا لیکن بعد میں یہ اجازت (جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے زیادہ سے زیادہ معنوی کہی جا سکتی ہے) واپس لے لی گئی تھی چنانچہ مسلم نے ربیع بن معبد جہنی سے روایت کی ہے کہ ان کے باپ نے ان سے یہ حدیث بیان کی کہ وہ رسول اللہ کے ساتھ تھے اور آپ نے فرمایا کہ اے لوگو! میں نے تمہیں عورتوں سے استمتاع (وقتی استفادہ) کی اجازت دی تھی اور اب اللہ نے اس کو قیامت تک کے لیے حرام کر دیا۔ پس جس شخص کی ایسی عورت ہو اس کو چھوڑ دے اور جو کچھ اس کو دیا ہے اس سے واپس نہ لے۔ مسلم نے اس روایت کو دوسرے طریقوں سے بھی بیان کیا ہے۔ نیز ابن ماجہ نے صحیح اسناد کے ساتھ حضرت عمر سے روایت کیا کہ حضرت عمر نے خطبہ پڑھا اور کہا رسول اللہ نے متعہ کی تین بار اجازت دی پھر اس کو حرام کر دیا اگر کوئی متعہ کرے گا اور وہ محصن ہوگا تو میں اس کو ضرور رجم کروں گا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب حضرت عمر سے متعہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ متعہ حرام ہے۔

مسلم نے ایک اور روایت بیان کی ہے کہ ”ہم کو رسول اللہ نے سال فتح مکہ میں متعہ کی اجازت دی جب ہم مکہ میں داخل ہوئے، پھر نہ نکلے مکہ سے یہاں تک کہ منع کیا ہم کو متعہ سے۔“

خازنی نے اپنی سند سے جابر سے ایک حدیث میں روایت کی ہے کہ ”رسول اللہ نے غزوہ تبوک میں خطبہ پڑھا اور ثنا بیان کی اللہ کی اور منع کیا متعہ سے۔“

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۴۰]

احادیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ابن عباس متعہ کو جائز سمجھتے تھے اور ان کے ساتھ بعض تابعین مثلاً ابن جریج، طاؤس اور عطاء بھی متعہ کے حلال ہونے کے قائل تھے لیکن ابن عباس اس کو مطلقاً جائز نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے خیال میں اس کا جواز حالت اضطرار کی حد تک تھا۔^{۱۱۸}

بخاری و مسلم نے حضرت علی سے ایک اور روایت بیان کی ہے کہ حضرت علی نے ابن عباس کے بارے میں سنا کہ وہ متعہ کے معاملے میں نرمی برتتے ہیں تو آپ نے ابن عباس سے فرمایا کہ اے ابن عباس متعہ کو چھوڑ دے، تحقیق کہ رسول اللہ نے خیبر کے دن اس سے اور گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ ابن عباس نے اپنے قول سے رجوع کر لیا تھا۔

تجزیہ :

ہمارے خیال میں فتح مکہ کے موقع پر متعہ کے جائز ہونے کے سلسلے میں غلط فہمی ہے۔ حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر مسلمانوں نے قلیل مہر پر وہاں کی عورتوں سے نکاح موقتی^{۱۱۹} کرنا شروع کر دیے تھے۔ اور نیت یہ تھی کہ کچھ دن بعد انہیں چھوڑ کر مدینہ واپس چلے جائیں گے۔ رسول اللہ نے چند دن مسلمانوں کے اس فعل کو دیکھا اور سکوت اختیار کیا لیکن چونکہ یہ فعل نکاح کی روح کے منافی تھا اس لیے منع فرما دیا۔

(۱۱۸) "حلت متعہ کے جواز کے سلسلے میں خود ابن عباس کے الفاظ ہیں" ماہی کالمیتۃ لاتحل الا للضرر " کہ اس کی مثال مردار گوشت کی سی ہے جو سوائے شخص مضطر کے اور کسی کے لیے حلال نہیں۔
(۱۱۹) نکاح موقتی اور متعہ میں تھوڑا سا فرق ہے جس کا تفصیلی ذکر اگلی دفعہ میں کیا گیا ہے۔

جہاں تک ابن عباس والی روایت کا تعلق ہے، خود ابن عباس سے ترمذی نے روایت بیان کی ہے کہ متعہ کا رواج اول اسلام میں موجود تھا چنانچہ جب کوئی شخص شہر میں آتا تھا اور اس کو اس شہر سے واقفیت نہ ہوتی تھی تو وہ عورت سے اس مدت تک کے لیے نکاح کر لیتا تھا جب تک کہ وہ چاہتا تھا کہ اس شہر میں مقیم رہے، وہ عورت اس کے مال کی حفاظت کرتی تھی اور اس کی چیزوں کو درست رکھتی تھی یہاں تک کہ ”الاعلیٰ ازواجہم او ما ملکت ایمانہم“ والی آیت نازل ہوئی۔ پس کہا ابن عباس نے کہ اب ان دو کے سوا ہر فرج حرام ہے۔^{۱۲۰}

احادیث مندرجہ بالا کے مطالعہ سے یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ متعہ فتح خیبر، غزوہ تبوک اور فتح مکہ تک جائز رہا۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے جہاں تک فتح خیبر والی حدیث کا تعلق ہے اس میں دو خبریں ہیں ایک گدھے کے گوشت کے حرام ہونے کی اور دوسری متعہ کے حرام ہونے کی۔ دونوں حدیثوں کا راوی ایک ہی شخص ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے دونوں خبروں کو جمع کر دیا حالانکہ مقام و زبان کے اعتبار سے دونوں حدیثیں علیحدہ ہیں۔ علامہ ابن قیم کا کہنا ہے کہ فتح خیبر کے موقع پر متعہ کیونکر جائز ہو سکتا ہے (یا اس موقع پر منع کرنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے) جب کہ وہاں کوئی مسلمان عورت موجود نہ تھی۔ غزوہ تبوک والی حدیث کا راوی ضعیف ہے۔ محدثین کا کہنا ہے کہ متعہ صرف تین روز کے لیے فتح مکہ کے موقع پر (معنوی طور پر بذریعہ سکوت رسول صلعم)

(۱۲۰) ترمذی ابواب النکاح جلد ۱ باب ماجاء فی نکاح المتعہ

جائز قرار دیا گیا تھا اور بعد میں منسوخ ہو گیا۔

نتیجہ فکر:

بہر حال، احادیث کے تفصیلی مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حرمت متعہ کا آخری اور قطعی حکم فتح مکہ کے سال میں دیا گیا اور حضرت عمر نے اپنے زمانہ خلافت میں اس کو بحیثیت قانون سختی کے ساتھ نافذ کیا۔ قرآن پاک یا سنت نبوی میں متعہ کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

۴۱۔ نکاح موقت باطل ہے۔

نکاح موقت

تشریح

نکاح موقت اس نکاح کو کہتے ہیں جو گواہوں کی موجودگی میں عورت سے ایک معینہ مدت کے لیے کیا جائے۔ امام زفر کے نزدیک ایسا نکاح صحیح ہے اور تعین مدت کی شرط باطل ہے کیونکہ فاسد شرطیں نکاح کو باطل نہیں کرتیں۔ لیکن امام زفر کا یہ نقطہ نظر صحت پر مبنی نہیں کیونکہ نکاح کے مقاصد نکاح موقت سے حاصل نہیں ہو سکتے۔ معاہدہ نکاح کی ایک شرط اس کا دوامی ہونا ہے جو نکاح موقت میں مفقود ہے۔

فی الحقیقت نکاح موقت اپنے اندر متعہ کا حکم رکھتا ہے اور جس طرح متعہ باطل ہے اسی طرح نکاح موقت بھی کالعدم ہے۔ لیکن امام زفر نکاح موقت کو متعہ سے ممیز کرنے اور اس کو جائز قرار دینے کے سلسلے میں ایک دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ متعہ لفظ ”تمتع“ سے منعقد ہوتا ہے جب کہ نکاح موقت میں لفظ ”نکاح“ استعمال ہوتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ متعہ بیع کی مثل بغیر مسہر کے منعقد نہیں ہو سکتا جب کہ نکاح موقت بغیر

ذکر مہر کے منعقد ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ دلیل اس لیے صحیح قرار نہیں دی جا سکتی کہ اس معاملے میں الفاظ کی بہ نسبت اصل معنی کا اعتبار کیا جائے گا۔ مدت کے تعین کے سبب نکاح کا اصل مفہوم ہی بدل جاتا ہے اس لیے ایسا نکاح صحیح نہیں کہلایا جا سکتا۔

البتہ اگر نکاح کی ایک ایسی مدت مقرر کی جائے جس کے ختم ہونے تک عاقدین کا زندہ رہنا عادتاً محال ہو تو نکاح دوامی (مستقل) متصور ہوگا اور صحیح کہلائے گا۔^{۱۲۱}

۴۲۔ نکاح دیوانی (سول میرج) جو احکام شریعت کے مطابق نہ ہو کالعدم ہے۔

نکاح دیوانی

تشریح

نکاح دیوانی (یعنی سول میرج) اس نکاح کو کہتے ہیں جو کسی نافذالوقت دیوانی قانون کے تحت اور اس کے مطابق کیا جائے۔ اگر یہ نکاح احکام شریعت کے مطابق نہ ہوا ہو تو کالعدم ہوگا۔

(۱۲۱) "وروی الحسن عن ابی حنیفہ ان الزوجین اذا وقتا مدة لا یعیش

مثلاً الیہا صحیح النکاح لانہ فی معنی الموبد (عینی و فتح)۔

ہدایہ (عربی) باب المحرمات جلد ۲ صفحہ ۲۹۳۔

مجمع الانہر باب المحرمات جلد ۱ صفحہ ۳۳۱۔

پانچواں باب

ولایت نکاح

نابالغ کا نکاح

۴۳۔ نابالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح عدالت مجاز کی اجازت سے ان کے ولی کر سکتے ہیں۔

توضیح : نابالغ پر حق ولایت اس کے بالغ ہونے پر ختم ہو جاتا ہے۔

تشریح

ائمہ اربعہ اور شیعوں کا اس امر میں اتفاق ہے کہ نابالغ کا نکاح اس کا ولی کر سکتا ہے۔ نابالغ کے نکاح کی دلیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل کہ آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے چھ سال کی عمر میں نکاح کیا اور نو سال کی عمر میں رخصتی ہوئی، نابالغ لڑکے اور لڑکی کے نکاح کے جواز میں بیان کی جاتا ہے۔

اس کے بر خلاف امام ابن شبرمہ اور قاضی ابوبکر الاصم نے (ابن شبرمہ امام اعظم کے ہم عمر عراق کے مشہور فقیہہ گزرے ہیں) نابالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح کر دینے کی ممانعت فرمائی ہے ان کے نزدیک باری تعالیٰ کے فرمان کے بموجب نکاح اس وقت کیا جائے جب وہ نکاح کی عمر (بلوغت) کو پہنچ جائیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر بلوغت سے پہلے نکاح جائز ہوتا تو قرآن کریم میں ”حتی اذا بلغوا النکاح“ کہنے کا کوئی فائدہ نہیں رہتا۔

نابالغ کے نکاح کے عدم جواز میں دوسری دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ ولایت حاجت پر منحصر ہے۔ نابالغ کو نکاح کی کوئی حاجت نہیں کیونکہ نکاح کا مقصد طبعی شہوت کی تکمیل اور جائز تولید نسل ہے اور نابالغ کو ان دو میں سے کسی پر قادر نہ ہونے کے سبب نکاح کی کوئی حاجت نہیں۔

اس کے عدم جواز کی تیسری دلیل یہ ہے کہ نکاح کے احکام بلوغ کے بعد لازم ہوتے ہیں اس لیے نابالغ کا نکاح غیر ضروری ہے۔ جو فقہاء نابالغ کے نکاح کے جواز کے قائل ہیں وہ حضرت عائشہ والی حدیث کے علاوہ مندرجہ ذیل آثار کو بھی بطور دلیل پیش کرتے ہیں :

- (۱) قدامہ بن مظعون نے اپنا نکاح زبیر رضی اللہ عنہ کی لڑکی سے اس کی پیدائش کے دن کر لیا تھا اور کہا تھا کہ اگر میں مر جاؤں تو یہ میری وارث ہوگی۔
 - (۲) حضرت عمر نے اپنی نابالغ بیٹی کا نکاح عروہ بن زبیر سے کیا۔
 - (۳) عروہ بن زبیر نے اپنی بھتیجی کا نکاح اپنے بھانجے سے کیا اور وہ دونوں نابالغ تھے۔
 - (۴) ایک شخص نے اپنی نابالغ بیٹی کو عبداللہ بن حسن کو ہبہ کیا جس کو حضرت علی نے جائز قرار دیا۔
 - (۵) ایک عورت نے ابن مسعود سے نکاح کیا اور اپنی نابالغ بیٹی کا نکاح (جو پہلے شوہر سے تھی) مسیب بن نجبہ سے کر دیا۔ اور عبداللہ نے اس کو جائز قرار دیا۔
- اس کے علاوہ وہ فقہاء جو نابالغ کی شادی کے جواز کے قائل

ہیں قرآن کی حسب ذیل آیت کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں :

الائى یئسن من المحیض من نساء کم ان ارتبتم فعد تهن ثلاثة اشهر و الائى لم یحضن - " (سورة الطلاق آیت ۴) -

اس آیت قرآنی میں ان مطلقہ عورتوں کی عدت کی مدت کا ذکر کیا گیا ہے جن کو (بوجہ کبرسنی) حیض آنا بند ہو گیا ہو یا جن عورتوں کو (بوجہ صغرسنی) حیض نہ آتا ہو -

عدت کا شرعی سبب نکاح ہے - اگر صغیرہ کا نکاح جائز نہ ہوتا تو عدت بعد طلاق کیوں کر واجب ہوتی؟

امام سرخسی نے "حتی اذا بلغوا النکاح" والی آیت کے سلسلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ لفظ "نکاح" سے "احتلام" (جسمانی بلوغ) مراد ہے -^۱ چنانچہ ان کے نزدیک "حتی اذا بلغوا النکاح" والی آیت کو صغیر و صغیرہ کے نکاح کی دلیل میں پیش نہیں کیا جا سکتا -

جہاں تک نابالغوں کے نکاح کی عدم ضرورت کا تعلق ہے نکاح کی جملہ مصلحتوں میں سے ایک مصلحت مرد و عورت میں موافقت ہے اور یہ مقصد کوئی شے اس قدر پورا نہیں کرتی جتنا کفو سے نکاح، اور کفو ہر وقت دستیاب نہیں ہوتا - اگر ولی بالغ ہونے کا انتظار کرے تو کفو کے ہاتھ سے نکل جانے کا اندیشہ ہے کہ وقت پر اس جیسا نہ ملے - اس لیے نکاح کی حاجت نابالغیت میں بھی پیدا ہو سکتی ہے اور جب حاجت پیدا ہو جاتی ہے تو ولایت قائم ہو جاتی ہے -

البتہ زمانہ حال میں اس کا تعین کہ پیدا شدہ حاجت نابالغ یا

(۱) المبسوط جلد ۴ صفحہ ۲۱۲ باب النکاح الصغیر و الصغیرہ -

نابالغہ کے مفاد میں ہے عدالتوں کو کرنا چاہیے تاکہ بے روک ٹوک صغر سنی کی شادیوں سے جو سماجی مسائل پیدا ہو جاتے ہیں معاشرے کو ان سے محفوظ رکھا جاسکے۔ کیونکہ موافقت کا امکان فریقین میں سمجھ بوجھ بھی چاہتا ہے اور صغر سنی کی شادی کا نتیجہ کفو ہونے کے باوجود غیر موافقت بھی ہو سکتا ہے۔

یہ امر کہ صغر سنی کی شادیوں کو پاکستان میں ممنوع قرار دے دیا گیا ایک سماجی مسئلہ ہے، اور اس مسئلہ کو خالص مذہبی انداز میں سوچنے کے بجائے سماجی اور معاشرتی پہلو سے بھی سوچنا اور غور کرنا چاہیے۔

دوسری بات جو اس سلسلے میں ذہن نشین رکھنی چاہیے یہ ہے کہ نابالغوں کی شادیاں کرنا کوئی امر تاکیدی نہیں ہے، بلکہ ایک امر مباح ہے۔ مقتدر اعلیٰ یا ملک کا قانون ساز ادارہ معاشرے کے مفاد میں اس کو موقوف، معطل یا مقید کر سکتا ہے لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہ ہوگا کہ مقتدر اعلیٰ یا قانون ساز ادارہ ایسے نکاح کو ناجائز خیال کرتا ہے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ معاشرتی مصالح کے پیش نظر سماجی برائیوں کے انسداد کی غرض سے اس امر کو موقوف یا مقید کر دیا ہے۔ اسلام میں مقتدر اعلیٰ کے حق قانون سازی کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اس کو اختیار ہے کہ وہ بندگان خدا کو فتنہ و فساد اور شر سے محفوظ رکھنے کے لیے بعض امور کو (جو اگرچہ مباح ہیں) معطل یا مقید کر دے یا اس میں شرعی حدود میں رہتے ہوئے امتناعی احکام جاری کرے۔^۲ مثال کے طور پر

(۲) مجمع الانہر باب کتاب القضا، جلد دوم، صفحہ ۱۵۰۔

حجة البالغہ، شاہ ولی اللہ، دہلی، جلد ۲، صفحہ ۱۱۲۔

لباب المعجل، علامہ ابن خلدون، صفحہ ۱۲۷۔

قحط کے سبب عہد فاروقی میں کچھ عرصے کے لیے چور کے ہاتھ کاٹنے کی سزا کو موقوف کر دیا گیا تھا۔ اس طرح ایک طلاق کو تین طلاق کا قائم مقام قرار دیا گیا تھا یا حضرت فاروق اعظم نے مؤلفۃ القلوب کو زکوٰۃ دینے سے منع کر دیا تھا، یا اس خوف کی بناء پر کہ کہیں مسلمان اہل کتاب کی آبرو باختہ عورتوں میں نہ پھنس جائیں حضرت حذیفہ بن الیمان کو یہودیہ عورت کو نکاح میں رکھنے سے منع کر دیا تھا۔

فقہاء امت میں بھی اس مسئلہ پر بحیثیت اباحت ہی بحث ہوتی ہے نہ کہ بحیثیت وجوب و سنت کے۔ دور سلف میں بھی زمانہ کے تقاضوں کو پوری پوری اہمیت دی جاتی رہی ہے :

تجزیہ

پاکستان میں نافذ الوقت قانون کے تحت نابالغوں کی شادی کرنا ممنوع اور قابل سزا جرم ہے۔ نابالغوں کی شادیوں کا مطلقاً ممنوع قرار دینا مصالح شرعیہ کے خلاف ہے۔ اس ضمن میں ضروری ہے کہ نافذ الوقت قانون میں مناسب ترمیم کی جائے اور نابالغوں کی شادیوں کی اجازت دی جائے البتہ بعض مصالح کے پیش نظر یہ اجازت عدالتوں کی صوابدید پر موقوف کی جا سکتی ہے۔ مختلف اسلامی ممالک کے رائج الوقت قوانین میں بھی اس قسم کی گنجائش رکھی گئی ہے چنانچہ اگر لڑکا یا لڑکی بالغ ہو جائے مگر نکاح کی مقررہ عمر تک نہ پہنچے اور نکاح کا خواہشمند ہو تو وہ قاضی کی اجازت سے نکاح کا اہل قرار دیا جاتا ہے۔ البتہ رخصتی کے سلسلہ میں مناسب عمر کا تعین کیا جاسکتا ہے مصر میں نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح اس کا ولی کر سکتا ہے۔

۴۴۔ ہر عاقل و بالغ مسلمان جس کو بلحاظ احکام شرع حق ولایت پہنچتا ہو ولی نکاح ہو سکتا ہے۔

توضیح : کوئی کافر یا مرتد مسلمان کا ولی نہیں ہو سکتا۔

تشریح

یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ ولی کا عاقل بالغ اور مسلمان ہونا ضروری ہے۔ فاتر العقل یا نابالغ خود اپنے اوپر قدرت نہیں رکھتا اور خود اپنے معاملات میں قانوناً مختار نہیں اس لیے دوسرے کے معاملات میں ولی نہیں بن سکتا۔

جہاں تک ولی کے مسلمان ہونے کا تعلق ہے اس مسئلہ میں تمام ائمہ متفق ہیں کہ ولی نکاح مسلمان ہونا چاہیے۔ چنانچہ ایک کافر کسی مسلمان نابالغ لڑکے یا لڑکی کا ولی نہیں ہو سکتا۔ اس مسئلہ کی بنیاد یہ ہے کہ ولایت کا سبب میراث ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ ”لا یتوارث اهل ملتین شیئاً“ یعنی دو متفرق ملت والے وارث نہیں ہوں گے یہاں ملتین سے مراد کفر اور اسلام ہے اس لیے کافر مسلمان کا ولی نہیں ہو سکتا۔

قرآن کریم بھی مسلمان پر کافر کی ولایت کو منع فرماتا ہے چنانچہ آیات کریمہ ”ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلاً“^۴ اور ”يا ايها الذين آمنوا لا تتخذوا اباكم و اخوانكم اولياء ان استحبوا الكفر على الايمان و من يتولهم منكم فاولئك هم الظالمون“^۵ کے تحت کافر کو مسلمان پر کسی قسم کی ولایت حاصل نہیں ہے۔ نیز جمہور فقہاء کے نزدیک بھی یہ اصول شہادت اور وراثت کے ضمن میں مسلم ہے۔^۵

(۳) سورة النساء آیت ۱۳۱ -

(۴) سورة توبه ركوع ۳ آیت ۲۳ -

(۵) فتح القدیر، مصر، جلد ۲ صفحہ ۴۱۲

بجرا الرائق جلد ۳، صفحہ ۱۳۶ -

ردالمحتار، مطبوعہ مصر، جلد ۲، صفحہ ۳۲۰ -

یہی حکم مرتد کے لیے ہے چنانچہ شرعاً ایک مرتد کا نابالغ کے نکاح کر دینے کا حق بوجہ ارتداد معطل ہو جاتا ہے تاآنکہ وہ توبہ نہ کر لے اور اسلام کی طرف لوٹ نہ آئے۔^۱

لیکن ایکٹ نمبر ۲۱ بابت ۱۸۵۰ ع میں یہ حکم مذکور ہے کہ ”کوئی قانون یا رواج کسی ایسے شخص کو جو اپنا مذہب ترک کر دے اس کے حق یا جائداد سے محروم نہ کر سکے گا۔ اور چونکہ ولایت بھی ایک حق ہے اس لیے یہ حق بھی ترک مذہب کی بناء پر متاثر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس استثنائی قانون کے سبب بنگال کی ہائی کورٹ نے ۱۸۶۶ ع میں مچھو بنام ارزون کے مقدمہ میں یہ قرار دیا کہ ایک ہندو باپ عیسائی ہو جانے سے اپنی اولاد کو اپنی حفاظت میں رکھنے اور ان کی تعلیم کی نگرانی سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔“ اس کے بعد کے مقدمے میں اسی ہائی کورٹ نے مچھو بنام ارزون کے مقدمہ کا ذکر کیے بغیر یہ قرار دیا کہ ایک مسلمان باپ جو یہودی ہو گیا تھا بوجہ ارتداد اپنی بیٹی کو نکاح میں دینے کا مجاز نہیں ہے۔^۲ بمبئی کے ایک مقدمے میں مچھو بنام ارزون کے مقدمہ کی پیروی کرتے ہوئے یہ قرار دیا گیا کہ ایک ہندو جو مسلمان ہو گیا ہو اپنے بیٹے کو دوسرے ہندو کی ”تبنیت“ میں دینے کے ناقابل نہیں ہے۔^۳ پنجاب کی چیف کورٹ نے بھی مچھو کے مقدمہ کا اتباع کیا اور ایک مسلمان باپ کے سلسلے میں جو عیسائی ہو گیا تھا یہ فیصلہ کیا کہ بوجہ ارتداد باپ کو اپنی نابالغ اولاد کی ذات اور جائداد کی ولایت

(۶) ہدایہ انگریزی باب الوکالت (Agency) صفحہ ۳۹۲۔

(۷) ۱۸۶۶ ع ۵ ویلی رپورٹ ۲۳۵۔

(۸) مقدمہ ماہن بی بی ۱۸۷۳ ۱۳ بنگال لا رپورٹ صفحہ ۱۶۰۔

(۹) شام سنگھ بنام سنتا بائی ۱۹۰۱ ع ۱۵ بمبئی صفحہ ۵۵۱۔

کے حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔^{۱۰}

قرآن پاک مسلمانوں پر کافروں کی ولایت کو جائز قرار نہیں دیتا۔ اس ضمن میں متعدد آیات قرآن پاک میں موجود ہیں۔ مثلاً

”لا يتخذ المؤمنون الكافرين اولياء من دون المؤمنين و من يفعل ذلك فليس من الله في شيء“۔^{۱۱}

(نہ بنائیں مسلمان کافروں کو دوست، مسلمانوں کو چھوڑ کر اور جو کوئی یہ کام کرے اس کو اللہ سے کوئی تعلق نہیں) ”يا ايها الذين آمنوا لا تتخذوا اليهود والنصرى اولياء بعضهم اولياء بعض، ومن يتولهم منكم فانه منهم“۔^{۱۲}

(اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں، اور جو کوئی تم میں سے ان سے دوستی کرے تو وہ انہیں میں سے ہے۔)

اسی طرح قرآن پاک مسلمان پر مرتد کے حق ولایت کا بھی مخالف ہے چنانچہ قرآن پاک میں آیا ہے کہ :

”ان الذين كفروا بعد ايمانهم ثم ازدادوا كفراً لن تقبل توبتهم واولئک هم الضالون“۔^{۱۳}

(جو لوگ منکر ہوئے مان کر، پھر بڑھتے رہے انکار میں، ان کی توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی اور وہی ہیں گمراہ)۔ ایک دوسری آیت میں آیا ہے کہ :

(۱۰) گل محمد بنا مسماة وزیر ۱۹۰۱ ع ۳۶ پنجاب ریکارڈ صفحہ ۱۹۱ -

(۱۱) سورة آل عمران، آیت ۲۸ -

(۱۲) سورة البائدة، آیت ۵۱ -

(۱۳) سورة آل عمران آیت ۹۰ -

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۴۴]

”من کفر بالله من بعد ایمانہ الامن اکره و قلبہ مطمئن بالایمان
ولکن من شرح بالكفر صدراً فعلیہم غضب من اللہ ولہم عذاب
عظیم۔“ ۱۴

جو کوئی اللہ سے منکر ہوا، ایمان لانے کے بعد، مگر وہ
جس پر زبردستی کی گئی اور اس کا دل مطمئن ہے ایمان پر،
لیکن جو کوئی دل کھول کر منکر ہوا، سو ان پر اللہ کا
غضب ہے اور ان کے واسطے بڑا عذاب ہے۔

ایک تیسری آیت میں مذکور ہے کہ :

”ودوالوتکفرون کما کفروا فتکونون سوءاً فلا تتخذو منہم
اولیاء حتی یہاجروا فی سبیل اللہ، فان تولوا فخذوہم و اقلوہم
حیث وجدتموہم ولا تتخذو منہم ولیاً ولا نصیراً۔“ ۱۵

(چاہتے ہیں کہ تم بھی کافر ہو جاؤ جیسے وہ کافر ہوئے،
تاکہ پھر تم سب برابر ہو جاؤ، سو ان میں سے تم کسی
کو دوست مت بناؤ، یہاں تک کہ وطن چھوڑ آئیں اللہ کی
راہ میں، پھر اگر اس کو قبول نہ کریں تو ان کو پکڑو
اور مار ڈالو جہاں پاؤ اور نہ بناؤ ان میں سے کسی کو دوست
اور مدد گار)

مذکورہ بالا آیات اس حقیقت پر دلالت کرتی ہیں کہ یہود
و نصاریٰ سے دوستی نہ رکھی جائے۔ اسی طرح مرتد سے تعلقات
کا قیام کرنا تو کجا، اسے قتل کرنے کا حکم ہے۔ ایسی حالت
میں مسلمانوں پر غیر مسلم اور مرتد کی ولایت کیونکر گوارا

(۱۴) سورۃ النحل آیت ۱۰۶ -

(۱۵) سورۃ النساء آیت ۸۹ -

ہو سکتی ہے علاوہ ازیں اسلام دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں افضل دین ہونے کی حیثیت سے اس کا ماننے والا دوسرے دین کے ماننے والے کافر زیر ولایت کیونکر ہو سکتا ہے۔ لہذا مسلم پر غیر مسلم ولایت جائز نہیں۔

تجویز

قرآن کریم کی آیات کافروں اور مرتدوں کے مسلمانوں پر عدم تسلط کے سلسلے میں اس امر کی مقتضی ہیں کہ مرتدوں کو مسلمانوں پر کسی قسم کی ولایت حاصل نہیں۔

یہ امر کہ ایک مسلمان باپ کو بعد ارتداد اپنی نابالغ اولاد کا نکاح کر دینے کا حق ہے یا نہیں، ولایت نکاح کا مسئلہ ہے جس سے مسلمانوں کا قانون شخصی متعلق ہونا چاہیے۔ اس لیے ایکٹ ۲۱ بابت ۱۸۵۰ ع کے دائرہ اختیار سے ولایت نکاح کے حق کو ختم کر دینا چاہیے۔ لہذا اس سلسلے میں قانون میں مناسب تبدیلی کی ضرورت ہے تاکہ کسی قسم کا شبہ باقی نہ رہے۔

۴۵۔ نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کر دینے کا اختیار علی الترتیب حسب ذیل اشخاص کو حاصل ہوگا:

حق ولایت

- ۱۔ باپ
- ۲۔ دادا (خواہ کتنی ہی اگلی پشت کا ہو)
- ۳۔ سکا بھائی۔
- ۴۔ علاتی بھائی۔

- ۵- سگا بھتیجا -
- ۶- علاتی بھتیجا -
- ۷- سگا چچا -
- ۸- علاتی چچا -
- ۹- سگا چچا زاد بھائی -
- ۱۰- علاتی چچا زاد بھائی اور اسی طرح دوسرے عصبات (پدری رشتہ داران) بہ ترتیب وراثت -
- ۱۱- ماں -
- ۱۲- بیٹی کی بیٹی -
- ۱۳- بیٹی کی بیٹی -
- ۱۴- پوتے کی بیٹی -
- ۱۵- بیٹی کی نواسی -
- ۱۶- سگی بہن -
- ۱۷- سوتیلا بھائی -
- ۱۸- سوتیلی بہن -
- ۱۹- دیگر ذوی الارحام (مادری رشتہ داران) بہ ترتیب وراثت -
- ۲۰- حاکم وقت یا قاضی -

تشریح

حنفیوں کے نزدیک اصلاً ولی وہ شخص ہو سکتا ہے جو عصبہ بنسبہ ہو یعنی مولیٰ علیہ (Ward) کا کسی عورت کے واسطے کے بغیر رشتہ دار ہو البتہ جب کوئی عصبہ موجود نہ رہے تو ذوی الارحام (ماں کی طرف سے رشتہ داران) کو نابالغ لڑکے یا لڑکی کو نکاح میں دینے کا حق حاصل ہے اور جب کوئی رشتہ دار موجود نہ ہو تو قاضی دوسرے اولیاء کی طرح نابالغ کا نکاح کر سکتا ہے بشرطے کہ اس کے پروانڈ تقرر میں اس اختیار کا ذکر موجود ہو،

ورنہ حق ولایت حاکم وقت کو حاصل ہوگا۔^{۱۶}

امام مالک کے قول کے مطابق سوائے باپ کے کسی کو نابالغ لڑکے یا لڑکی کے نکاح کا حق حاصل نہیں^{۱۷} البتہ جب باپ موجود نہ ہو تو حق الجبر اس کے وصی (Executor) یا قاضی کی طرف منتقل ہو جائے گا^{۱۸} لیکن حنفیوں کے نزدیک جو وصی وارث نہ ہو نکاح کی اغراض کے لیے وصی نہیں ہو سکتا خواہ مرحوم باپ نے بذریعہ وصیت اس کو ولی مقرر کر دیا ہو۔^{۱۹}

امام شافعی کے قول کے مطابق باپ اور دادا کے سوائے کسی اور کو ولایت نکاح کا حق نہیں پہنچتا۔^{۲۰}

شیعہ اس مسئلہ میں امام شافعی سے متفق ہیں چنانچہ ان کے نزدیک بھی جبر ولایت صرف باپ اور دادا کو حاصل ہے۔^{۲۱} اور کسی دوسرے رشتہ دار کو حاصل نہیں۔ البتہ باپ اور دادا کے نہ ہونے کی صورت میں حق ولایت وصی یا حاکم کو منتقل ہو جائے گا۔

ہمارے نزدیک احناف کا نقطہ نظر نفسیات انسانی کے عمیق مطالعہ پر مبنی ہے، اور بمقابلہ دیگر مذاہب فکر کے انہیں ہے۔

(۱۶) المبسوط، سرخسی، جلد ۴ صفحہ ۱۹۳-۱۹۲۔

بحر الرائق، جلد ۳ صفحہ ۱۳۳۔

ردالمحتار درمختار جلد ۲ صفحہ ۳۱۹۔

فتح القدیر، ۴۱۴-۴۰۵۔

(۱۷) المبسوط، سرخسی، جلد ۴ - صفحہ ۲۱۳۔

(۱۸) جامع الاحکام فی فقہ الاسلام مطبوعہ نولکشور، لکھنؤ، جلد اول

صفحہ ۱۵۲۔

(۱۹) درمختار، جلد ۲ (حاشیہ رد المحتار) صفحہ ۳۲۲۔

(۲۰) المبسوط، سرخسی، جلد ۴ صفحہ ۲۱۴۔

المغنی جلد ۶ صفحہ ۳۸۹۔

(۲۱) شرایع الاسلام (عربی) مطبوعہ طہران صفحہ ۱۷۳۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ ولایت نفس ولایت مال کی طرح ایک حق ہے اور ولایت کی بنیاد قرابت ہے، جو ولی بہ اعتبار رشتہ جتنا قریب ہوگا اتنا ہی اس کے دل میں اپنے مولیٰ علیہ (Ward) کے لیے شفقت زیادہ ہوگی۔ اس اصول کے پیش نظر کہ ولایت خاص ولایت عام سے زیادہ قوی ہوتی ہے، محض باپ یا باپ اور دادا کے بعد نابالغ لڑکے یا لڑکی کے نکاح کا اختیار قاضی یا حاکم وقت کو سونپ دینا اس بناء پر مولیٰ علیہ کے لیے مفید قرار نہیں دیا جاسکتا کہ قاضی یا حاکم وقت کا درجہ دیگر اولیاء کے بعد ہے۔ ولی کی موجودگی میں یہ قیاس ثابت ہے کہ قاضی یا حاکم وقت نابالغ یا نابالغہ کا ولی نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ مولیٰ علیہ کے مفادات کا جو تحفظ خونی رشتہ دار ہونے کے سبب ولی کر سکتا ہے قاضی یا حاکم وقت نہیں کر سکتا۔ اس دلیل کی بناء پر یہ بات صحیح تر ہے کہ خونی رشتہ داروں کے نہ ہونے کی صورت ہی میں قاضی یا حاکم وقت کو نابالغ کے نکاح میں جبر ولایت حاصل ہونا چاہیے۔

۴۶۔ قریب تر ولی کی موجودگی میں بعید تر ولی کا حق ولایت معدوم ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر قریب تر ولی غیبت منقطعہ پر ہو تو بعید تر ولی مولیٰ علیہ کا نکاح کر دینے کا مجاز ہوگا۔

قریب تر ولی کی
موجودگی میں بعید تر
ولی کا حق ولایت

تشریح

یہ مسئلہ متفقہ ہے کہ ولی اقرب ولی ابعد کے حق ولایت کو معدوم کر دیتا ہے۔ ۲۲

امام محمد کے نزدیک اگر نابالغ کا نکاح بعید تر ولی کر دے جب کہ قریب تر ولی موجود ہو تو ایسا نکاح قریب تر ولی کی

(۲۲) ہدایہ انگریزی - صفحہ ۳۷ -

ردالمحتار، جلد ۲ صفحہ ۳۲۲ - بحر الرائق جلد ۳ صفحہ ۱۳۵ -

اجازت پر موقوف رہے گا۔ کیونکہ بعید تر ولی قریب تر ولی کی موجودگی میں ایک اجنبی کی حیثیت رکھتا ہے۔^{۲۳}

امام شافعی کا قول ہے کہ اگر ولی موجود نہ ہو تو مولیٰ علیہ کا نکاح حاکم وقت کرے گا اور امام زفر کا کہنا ہے کہ اس کا نکاح کوئی نہ کرے تاآن کہ قریب تر ولی نہ آجائے۔ امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ ولی ابعد کے لیے ولی اقرب کی موجودگی میں اپنے حق ولایت کا حصول ناممکن ہے اس لیے ولایت حاکم وقت کو دفع ظلم کی غرض سے حاصل ہو جاتی ہے اور وہ نکاح صغیر یا صغیرہ کا مجاز ہے۔ امام زفر کی دلیل یہ ہے کہ اقرب سے ابعد محبوب ہو جاتا ہے اور اقرب کی ولایت غیبت کے باوجود قائم رہتی ہے اور منقطع نہیں ہوتی جس طرح کہ محض غیبت سے حق وراثت منقطع نہیں ہوتا، اور چونکہ ولی اقرب کی ولایت باوجود غیبت قائم اور باقی رہتی ہے اس لیے ولی ابعد کو نکاح نہ کرنا چاہیے کیونکہ دو ولایتیں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں۔ اور اسی طرح چونکہ حاکم وقت کی ولایت، ولایت ابعد سے بھی بعید (متاخرہ) ہے اور چونکہ ولی اقرب کی موجودگی میں ولی ابعد کی ولایت ثابت نہیں اسی طرح حاکم وقت کی ولایت بھی قائم نہیں ہو سکتی چنانچہ ولی اقرب اگر غیر ظالم ہے اور سفر میں ہے تو حاکم وقت اس کا قائم مقام نہیں بن سکتا۔^{۲۴}

امام ابوحنیفہ اور دوسرے ائمہ کا یہ نقطہ نظر ہے کہ اگر قریب تر ولی غائب ہو اور غیبت منقطعہ پر ہو تو بعید تر ولی کو اس امر کا اختیار ہوگا کہ وہ مولیٰ علیہ کا نکاح کر دے ان

(۲۳) المبسوط، سرخسی، جلد ۴ صفحہ ۲۲۰۔

(۲۴) المبسوط، سرخسی، جلد ۴ صفحہ ۲۲۰۔

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۴۶]

کی دلیل یہ ہے کہ ولی اقرب کے غیبت منقطعہ پر ہونے کی صورت میں اگرچہ اس کی ولایت ختم یا منقطع نہیں ہوئی لیکن معطل ضرور ہوگئی کیونکہ وہ اپنے حق ولایت کے استعمال سے قاصر ہے اور چونکہ وہ قاصر ہے اس لیے ولی ابعد کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ مولیٰ علیہ کا نکاح کر دے۔

یہ سوال کہ کون سی غیبت (غیر موجودگی) غیبت منقطعہ کہلائے گی ایک اہم سوال ہے۔ فقہی اصطلاح میں غیبت منقطعہ بالعموم ایک سال کی مسافت کو کہتے ہیں۔ بعض فقہاء نے اسے تین یوم (دن اور رات) کی مسافت بھی کہا ہے اور متاخرین کے ایک گروہ نے اس قول کو اختیار کیا ہے، لیکن بعض فقہاء کے نزدیک بغرض احکام ولایت نکاح صرف اس قدر مسافت غیبت منقطعہ ہے جس میں نماز قصر کرنے کا حکم ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ بعض کے نزدیک ایسے غائب کی غیبت منقطعہ سمجھی جائے گی جس کے پاس سے خبر آنے تک جس کفو سے نکاح ہو رہا ہے وہ انتظار نہ کر سکے، اور یہ قول احسن ہے۔^{۲۵}

موجودہ زمانہ میں جب کہ مہینوں اور سالوں کے فاصلے چند گھنٹوں میں اور دنوں میں طے ہو جاتے ہیں غیبت منقطعہ کیا ہے اس کا فیصلہ ہر مقدمہ کے حالات کے مطابق کیا جانا چاہیے۔ نیز یہ کہ غیبت منقطعہ کے اصول کا اطلاق محض فاصلہ یا دوری پر نہ ہوگا بلکہ ان تمام اسباب پر بھی کیا جاسکے گا جن کی بناء پر ولی اقرب اپنا اختیار استعمال نہ کر سکتا ہو۔

(۲۵) المبسوط، سرخسی، جلد ۴، صفحہ ۲۱۲-۱۹۲۔

فتاویٰ قاضی خان، مطبوعہ مصطفائی، ہند، جلد ۱، صفحہ ۱۶۶۔

فتح القدیر، جلد ۲، صفحہ ۴۱۶۔ شرح وقایہ صفحہ ۲۸۶۔

چنانچہ جہاں قریب تر ولی اپنا اختیار استعمال نہ کر سکتا ہو مثلاً بیماری قید یا کسی دیگر پریشانی کے سبب یا اس قدر فاصلے پر ہو کہ اس کے آنے یا اس کی رضامندی حاصل ہونے تک کفو ہاتھ سے نکل جانے کا اندیشہ ہو تو بعید تر ولی کو حق ولایت حاصل ہو جائے گا اور اس کا کیا ہوا نکاح صحیح ہوگا۔

۴۷۔ اگر ولی اقرب موجود ہو مگر نابالغ کا نکاح ولی ابعداً کر دے تو اس کا کیا ہوا نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا۔

ولی اقرب کی موجودگی
میں ولی ابعداً کا کیا
ہوا نکاح

تشریح

اگر نابالغ کا نکاح ولی ابعداً کر دے جب کہ ولی اقرب موجود ہو تو ایسا نکاح باطل نہ ہوگا بلکہ ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا۔^{۲۶} چنانچہ اگر ولی اقرب اجازت دے دے تو جائز ہوگا ورنہ ناجائز۔ اس اصول کی بنیاد ”نکاح فضولی“ کے نظریہ پر ہے کہ اگر کوئی شخص غیر مجاز کسی شخص کا نکاح کر دے تو وہ نکاح اس شخص کی اجازت پر منحصر ہوگا۔

۴۸۔ اگر دو ہم درجہ ولی ہوں اور ان میں سے کوئی ایک مولیٰ علیہ (Ward) کا نکاح کر دے تو جائز ہوگا۔

دو ہم درجہ اولیاء کی
صورت میں ایک کے
نکاح کر دینے کا اثر

تشریح

اگر کسی نابالغہ کے دو سگے بھائی ہوں اور ان میں سے کوئی ایک اس کا نکاح کر دے تو ایسا نکاح صحیح ہوگا۔

بعض علماء کا قول ہے کہ ایسی صورت میں ایک ولی کا نکاح کر دینا جائز نہیں جب تک کہ دونوں مل کر نکاح نہ کریں

(۲۶) المبسوط، سرخسی، جلد ۴ صفحہ ۲۲۰ -
ردالمحتار، جلد ۲، صفحہ ۳۲۳ -

ان کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ بھائی باپ کا قائم مقام ہوتا ہے اس لیے نکاح کے نافذ ہونے کے لیے ان دونوں بھائیوں کا مجتمع ہونا ضروری ہے۔

لیکن اجماع اس پر ہے کہ جب دو ہم درجہ ولی ہوں تو جو ولی نکاح پہلے کردے اس کا کیا ہوا نکاح صحیح تر اور قابل ترجیح ہے چنانچہ ان دونوں میں سے کسی ایک کا نکاح کر دینا جائز ہوگا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ولایت کی بناء قرابت ہے اور قرابت کا تجزیہ نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک نکاح کردے تو وہ جائز ہوگا اس لیے کہ قرابت کی صفت ہر ایک کے حق میں بدرجہ کمال موجود ہے جو ناقابل تقسیم ہے اس لیے دونوں میں سے ہر بھائی بنفسہ باپ کا قائم مقام ہے۔^{۲۷}

(۲۷) المبسوط، سرخسی، جلد ۴ صفحات ۱۹-۲۱۸ -

رد المحتار، جلد ۲ صفحہ ۳۲۳ -

فتح القدیر، جلد ۲ صفحہ ۴۱۷ -

چھٹا باب خيار بلوغ

خيار بلوغ کی تعریف

۴۹۔ نابالغ لڑکے یا لڑکی کا بہ زمانہ نابالغیت ولی کے کیے ہوئے نکاح کو بالغ ہو جانے پر رد کر دینے کا اختیار ”خيار بلوغ“ کہلاتا ہے۔

خيار بلوغ کا حق

۵۰۔ نابالغ لڑکے یا لڑکی کو اس کے ولی کے کیے ہوئے نکاح کو فسخ یا رد کرنے کے لیے خيار بلوغ کے استعمال کا حق حاصل ہے خواہ وہ نکاح اس کے باپ دادا یا کسی بھی ولی کا کیا ہوا ہو۔

تشریح

حنفیہ مکتب فکر کے نزدیک علاوہ امام ابو یوسف کے یہ مسئلہ متفقہ ہے کہ باپ اور دادا کے علاوہ اگر کسی دوسرے ولی نے نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کیا ہو تو وہ (نابالغ یا نابالغہ) بالغ ہونے پر خيار بلوغ کا حق استعمال کر کے اس نکاح کو جو ان کے ولی نے بہ زمانہ نابالغیت کیا ہو رد کر سکتے ہیں۔^۱

چونکہ مالکیہ کے نزدیک صرف باپ اور شافعیہ کے نزدیک

(۱) امام ابو یوسف کے نزدیک نابالغ لڑکے یا لڑکی کو خيار بلوغ حاصل نہیں ہے خواہ نکاح باپ دادا نے کیا ہو یا کسی اور ولی نے البتہ اگر نکاح غیر کفو سے یا مسہر مثل سے کم پر کیا ہو تو امام ابو یوسف و امام محمد کے نزدیک لڑکی بالغ ہونے پر خيار بلوغ کا حق استعمال کر سکتی ہے۔

(۲) واذا بلغ الصغير والصغيرة وقد زوجها الاب والجد لاخيار لهما ولهما خيار البلوغ في نكاح غير الاب والجد عند ابي حنيفة ومحمد وقال ابو يوسف لاخيار لهما۔ (فتاویٰ قاضی خان جلد ۱ کتاب النکاح صفحہ ۱۶۶)۔

صرف باپ اور دادا کو ولایت نکاح حاصل ہے۔ اس لیے ان کے یہاں باپ دادا کے علاوہ کسی دوسرے ولی کے کیے ہوئے نکاح میں خیار بلوغ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ مالکیوں کے نزدیک جو نکاح باپ اور شافعیوں کے نزدیک باپ اور دادا کے علاوہ کسی اور (ولی) نے کیا ہو، سرے سے جائز ہی نہیں ہوتا۔

شیعہ فرقے کے ائمہ کے نزدیک بھی باپ دادا کے کیے ہوئے نکاح میں خیار بلوغ کا حق استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اگر باپ دادا کے علاوہ کسی ولی ابعدا نے نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کیا تو وہ نکاح باپ یا دادا (جیسی بھی صورت ہو) کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ اگر اجازت دے دی گئی تو صحیح ہو جائے گا ورنہ باطل۔ نیز باپ یا دادا (جیسی بھی صورت ہو) کی اجازت کے بعد وہ نکاح اپنے اثر و نفوذ کے لحاظ سے وہی حکم رکھے گا جو ان کے اپنے کرائے ہوئے نکاح کا ہوتا۔ چنانچہ ایسی صورت میں بھی نابالغ لڑکا یا لڑکی بالغ ہونے پر اس نکاح کو رد کرنے کے مجاز قرار نہیں دیے گئے۔^۲

حنفیہ مکتب فکر میں اگرچہ تمام ائمہ کا اس امر میں بالکل یہ اتفاق ہے کہ باپ اور دادا کے کیے ہوئے نکاح میں خیار بلوغ بطور مجرد حق کے استعمال نہیں کیا جا سکتا لیکن امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک جب کہ نامناسب مہر پر نکاح کر دیا گیا ہو یا جب کہ نابالغہ کا نکاح غیر کفو میں کر دیا گیا ہو تو لڑکی بالغ ہونے پر خیار بلوغ کا حق استعمال کر سکتی ہے باوجودیکہ اس کا نکاح باپ یا دادا نے کیا ہو۔ لیکن امام ابوحنیفہ ایسے نکاح کو عدم کفایت یا قلت مہر کی بناء پر فسخ کرنے

کے لیے خيار بلوغ کے استعمال کے مخالف ہیں۔

اس سلسلے میں امام ابو حنیفہ اور دیگر فقہاء کی دو دلیلیں ہیں ایک بر بنائے سنت اور دوسری بر بنائے استحسان۔ دلیل بر بنائے سنت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ سے پانچ سو درہم پر نکاح کیا اور وہ نکاح حضرت عائشہ کے والد ماجد نے ان کی نابالغی کے زمانے میں کیا تھا۔ اسی طرح خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کا نکاح حضرت علی سے چار سو درہم پر کیا تھا۔ ان دونوں کے مہر مہر مثل سے کم تھے لیکن اس کے باوجود ان میں سے کسی نے خيار بلوغ کا حق استعمال نہیں کیا۔

حنفی فقہاء کا یہ استدلال، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے اور حضرت علی نے حضرت فاطمہ سے مہر مثل سے کم پر نکاح کیا تھا لیکن اس کے باوجود ان میں سے کسی نے خيار بلوغ کا حق استعمال نہیں کیا، ضعیف ہے کیونکہ خيار بلوغ ایک اختیاری فعل ہے اس حدیث یا واقعہ سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ حضرت عائشہ صدیقہ یا حضرت فاطمہ زہرا خيار بلوغ کا حق استعمال کرنا چاہتی تھیں لیکن چونکہ نکاح ان کے والد کے کیے ہوئے تھے اس لیے حق استعمال نہیں کیا۔

فقہاء کی دوسری دلیل جو بر بنائے استحسان ہے یہ ہے کہ باپ کی شفقت اپنی اولاد کے لیے کامل ہے اس لیے اس کی ولایت بھی کامل ہے۔ وہ اپنی اولاد کے مفادات اور مصالح کا اس سے زیادہ نگہ دار اور پاسبان ہے جتنا کہ وہ اولاد خود اپنے لیے ہو سکتی ہے۔ چونکہ ایک باپ اولاد کی مصلحتوں اور مفادات کو خود اولاد سے زیادہ سمجھتا ہے اس لیے وافر الشفقت اور

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۵۔

تامة الولاية ہونے کے سبب استحسان سے کام لیا جائے تو یہ نتیجہ برآمد ہوگا کہ باپ اور دادا نے اولاد کی جملہ مصالح کو پیش نظر رکھتے ہوئے نکاح کیا ہے اس لیے ان کا کیا ہوا نکاح بہر حال قابل پابندی اور واجب التعمیل ہونا چاہیے اور اسے خیار بلوغ کے ذریعہ فسخ کرنے کا حق نہ ہونا چاہیے۔

فقہاء کی یہ دلیل کہ باپ اور دادا کے کیے ہوئے نکاحوں کو کمال شفقت کی بناء پر ناقابل فسخ قرار دیا گیا ہے اور دیگر اولیاء کے کیے ہوئے نکاح کمی شفقت کی بناء پر قابل فسخ ہیں۔^۴ دو وجوہ سے ناقص ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ اس تفریق کا جواز کسی حکم شرعی کی بناء پر نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ جس طرح باپ اور دادا اپنی نابالغ لڑکی کے حق وافر الشفقت ہیں اسی طرح ایک بالغہ کے حق میں بھی وافر الشفقت ہیں۔ لہذا اگر باپ یا دادا خود بالغ لڑکی کا نکاح کر دیں تو ایسے نکاح کو پھر غیر لازم و غیر نافذ کیوں قرار دیا گیا؟ اس کے برعکس عام تجربہ میں یہ آیا ہے کہ جوں جوں لڑکی کی عمر بڑھتی جاتی ہے اور وہ جوانی کی منزلوں میں قدم رکھتی ہے تو باپ اپنی لڑکی کے لیے زیادہ محتاط اور زیادہ فکر مند ہو جاتا ہے اور لڑکی کے لیے اس کی شفقت اور محبت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ فقہاء کی یہ دلیل کہ باپ (یا دادا) بحیثیت قائم مقام باپ) نابالغ کے لیے اپنی شفقت میں دیگر اولیاء سے زیادہ ہوتا ہے اور نابالغ پر اس کی ولایت مکمل عوتی ہے

(۴) فلا اعتبار وجود الاصل الشفقه نفذنا العقد ولا اعتبار نقصان الشفقه اثبتنا الخيار (المبسوط، امام سرخسی، مصر، جلد ۴، صفحہ ۲۱۵)۔

اس لیے نابالغ کو خیار بلوغ نہیں ، کوئی شرعی دلیل نہیں ہے اس کی حیثیت محض قیاسی اور عقلی ہے جس کی بنیاد فطرت انسانی اور تجربات زمانہ پر ہے ۔ ممکن ہے کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے ہم خیال فقہاء کے تجربے کی روشنی میں یہی بات ہو کہ باپ اپنی نابالغ اولاد کی مصلحت کے خلاف کام نہ کرتا ہو لیکن اگر کسی زمانے یا ملک میں پیش آمدہ حالات کے تحت اس ملک کا قانون ساز ادارہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ دیانت اور امانت عنقا ہو گئی ہے اور لوگ اپنے اختیارات کا غلط اور ناجائز استعمال کر رہے ہیں تو پھر اس کا نتیجہ اس تجربے سے یقیناً مختلف ہوگا جو امام ابوحنیفہ اور ان کے ہم خیال فقہاء کا تھا ۔ انگلستان میں ۱۸۸۳ ع تک باپ اپنی اولاد کو آزادانہ فروخت کر سکتا تھا اس کے بعد قانوناً پابندی عائد کر دی گئی ۔ خود ہمارے ملک کے ایک حصہ سابق صوبہ سرحد میں اب بھی ایسی مثالیں شاذ نہیں کہ باپ اپنی لڑکی کا نکاح اپنے ہونے والے داماد سے روپیہ لے کر کرتا ہے جو حقیقتاً فروخت کی ایک شکل ہے ۔

خود فقہاء کرام سے یہ امکانی صورت حال مخفی نہ تھی چنانچہ کتب فقہ میں باپ دادا کے کیے ہوئے نابالغ کے نکاح کے لازم ہونے کے سلسلے میں چند شرائط ملتی ہیں کہ باپ یا دادا (جیسی صورت ہو) مالی معاملات میں غیر امین نہ ہوں فاسق اور لاپروا (ماجن) نہ ہوں جس سے نکاح کیا ہو وہ غنڈہ یا لوفر یا فقیر یا ذلیل پیشہ نہ ہو یا اگر ایسے امور موجود ہوں جو نابالغ لڑکے یا لڑکی کے لیے مضر ہوں تو نابالغوں کو خیار بلوغ حاصل ہوگا ۔ یہ حکم امام ابوحنیفہ ، امام ابو یوسف اور امام محمد کا متفق علیہ ہے

جیسا کہ شرح مجمع سے رد مختار نے نقل کیا ہے۔^۵ نیز حموی عن البرجنیدی میں بھی لکھا ہے کہ باپ یا دادا کے غبن فاحش کی صورت میں نابالغوں کو خیار بلوغ حاصل ہے چنانچہ فتح المعین میں لکھا ہے کہ ”اگر ان بالغوں کا نکاح باپ اور دادا نے کر دیا ہو تو ان کو خیار بلوغ حاصل نہ ہوگا الا یہ کہ وہ نکاح غیر کفو میں کیا ہو یا اس میں غبن فاحش کی صورت ہو۔ اس صورت میں ان کو بعد بلوغ نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہوگا“۔^۶

چنانچہ کتب فقہ کی روشنی میں باپ یا دادا کے علاوہ کسی دوسرے ولی کے کیے ہوئے نکاح میں خیار بلوغ کا حق حاصل ہے اور نابالغان بلا کسی سبب کے بتائے بغیر بلوغ نکاح کو رد کرنے کے مجاز ہیں لیکن اگر نکاح باپ یا دادا نے کیا ہو تو عدم کفایت، قلت یا زیادتی مہر اور غبن فاحش کی بناء پر نکاح فسخ کیا جا سکتا ہے۔ بالفاظ دیگر باپ دادا کے علاوہ دیگر اولیاء کے کیے ہوئے نکاح کو خیار بلوغ کے ذریعہ رد کرنے کا حق مطلق اور غیر مشروط ہے، جب کہ باپ دادا کے کیے ہوئے نکاح کو رد کرنے کا حق مقید اور مشروط ہے۔ چنانچہ اگر باپ یا دادا نے نابالغ کے نکاح میں فریب سے کام لیا ہو یا بے احتیاطی برتی ہو مثلاً نابالغہ کا نکاح کسی پاگل کے ساتھ کر دیا ہو یا نابالغ لڑکے کا کسی طوائف کے ساتھ کر دیا ہو یا وہ نکاح صریحاً نابالغ کے حق میں نقصان رسان ہو مثلاً اختلاف مذہب کی بناء پر نابالغہ اپنے مذہبی خیالات کے

(۵) رد المختار، مصر، جلد ۲، صفحہ ۱۳-۳۱۲۔

بحر الرائق باب الکفایات، مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۱۳۳۔

(۶) فتح المعین علی شرح الکنز ملا مسکین جزء الثانی صفحہ ۳۵۔

منافی سمجھتی ہو تو خیار بلوغ کا حق حاصل ہوگا۔

لیکن اس تفریق اور تنقید کے لیے از روے قرآن یا سنت نبوی یا آثار صحابہ میں کوئی صریح نص موجود نہیں ہے۔

امام سرخسی اپنی مشہور کتاب المبسوط میں باپ یا دادا کے کیے ہوئے نکاح میں خیار بلوغ کے عدم استحقاق کے جواز میں ایک اور دلیل بر بنائے سنت یہ پیش کرتے ہیں کہ ”حضرت عائشہ کا نکاح صغر سنی میں ہوا۔ اگر باپ کے کیے ہوئے نکاح میں خیار بلوغ ہوتا تو آنحضرت حضرت عائشہ کو مطلع فرما دیتے کہ تم کو تمہارے باپ (حضرت ابوبکر صدیق) کے کیے ہوئے نکاح کو فسخ کرنے کا اختیار ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت تخییر ”فتعالین امتعکن واسرحکن سراجاً جمیلاً“^۸ یعنی - - - - کے موقع پر حضرت عائشہ کو اطلاع دیتے ہوئے فرمایا تھا ”کہ میں تمہارے سامنے ایک چیز پیش کرتا ہوں تم اس بارے میں مجھ سے کچھ نہ کہنا جب تک کہ تم اپنے باپ سے مشورہ نہ کر لو“ اور اس کہنے کے بعد حضور علیہ السلام نے مذکورہ آیت تخییر حضرت عائشہ کے سامنے پڑھی“^۹

چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد رخصتی ایسا نہ کیا تو یہ امر سنت (قاعدہ شرعی) بن گئی کہ اگر باپ اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کر دے تو اس کو بالغ ہونے پر خیار بلوغ

(۷) ہدایہ انگریزی صفحہ ۳۷ -

بیلی صفحہ ۵۰ -

محمدن لا، اشاعت پنجم، امیر علی، جلد ۲ صفحہ ۳۷۰ -

عزیز بانو بنام محمد ابراہیم، ۱۹۲۵ ع ۳۷ الہ آباد ۸۲۳-۸۲۸ -

(۸) سورہ احزاب رکوع ۳ آیت ۱ -

(۹) ”انی اعرض علیک امرأ فلا تحدثنی فیہ شیاً حتی تستشیری ابو بکر ثم

تلا علیہا قولہ تعالیٰ (الخ) ”المبسوط“ امام سرخسی جلد ۳ صفحہ ۲۱۲ -

حاصل نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اختیار نہیں کیا۔“

امام سرخسی آگے لکھتے ہیں کہ ”ایسا ابراہیم اور شریح سے بھی مذکور ہے اور ابن ساعہ اس میں قیاس و استحسان سے کام لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قیاس اس بات کا مقتضی ہے کہ نابالغ کو بعد بلوغ اس کے باپ کے کیے ہوئے نکاح کو رد کرنے کا اختیار ہونا چاہیے جس طرح کہ اس کے بھائی کے کیے ہوئے نکاح میں اس کو اختیار بلوغ کا حق حاصل ہے۔ لیکن ہم نے قیاس کو بر بنائے سنت ترک کر دیا ہے“^{۱۰}

امام سرخسی کا مندرجہ بالا استدلال کمزور ہے کیونکہ آیت تخییر کا نزول اس حادثہ کے سبب ہوا تھا کہ حضور کی ازواج مطہرات تنگی محسوس کر رہی تھیں اور نفقے میں زیادتی کا مطالبہ تھا، اس کے تدارک کے لیے ایک حکم شرعی کی ضرورت تھی لہذا یہ آیت نازل ہوئی۔ اگر یہ حادثہ پیش نہ آتا تو اس آیت کی ضرورت بھی نہ ہوتی۔ صغر سنی میں حضرت عائشہ کا نکاح اور اس کے بعد ان کی رخصتی کوئی حادثہ نہ تھی اور نہ ہی حادثہ کہلانے جانے کے قابل کوئی معاملہ تھا۔ یہ معاملہ اس وقت حادثہ کہلاتا جب کہ نکاح کے بعد رخصتی کے وقت حضرت عائشہ رخصت ہونے سے انکار فرمایا دیتیں کہ مجھے یہ نکاح پسند نہیں اور میں شوہر کے یہاں جانا نہیں چاہتی۔ اس وقت یہ واقعہ ایک حادثہ کہلانے کا مستحق ہوتا اور اس کے لیے نزول حکم کی ضرورت بھی ہوتی اور اس وقت آنحضرت بذریعہ وحی جلی یا خفی حضرت عائشہ

(۱۰) المبسوط، امام سرخسی، جلد ۴، نکاح الصغیر، صفحہ ۲۱۲۔

کو مطلع فرماتے کہ یہ نکاح تمہارے والد کا کیا ہوا ہے اور والد کے کیے ہوئے نکاح میں خيار بلوغ نہیں ہے لیکن یہاں صورت حال اس سے مختلف ہے۔

ایک اور وجہ دلیل مذکور کے کمزور ہونے کی یہ بھی ہے کہ آیت تخییر کے بعد طلب تفریق کا اختیار ایک شرعی حکم تھا جس کی اطلاع دینا آنحضرت پر فرض تھا چنانچہ اس فرض کو پورا کرنے کے لیے آنحضرت نے حضرت عائشہ اور دیگر ازواج مطہرات کو طلب تفریق کے اختیار سے مطلع فرمایا۔ اگر باپ کے کیے ہوئے نکاح کے فسخ نہ کرنے کا بھی کوئی حکم ہوتا یا دیگر اولیاء کے بہ زمانہ نابالغیت کیے ہوئے نکاحوں کو فسخ کرنے کے اختیار کا کوئی ذکر ہوتا تو حضور صلعم سکوت نہ فرماتے بلکہ اسی طرح تصریح کے ساتھ اس کا اظہار بھی فرماتے جیسا کہ آیت تخییر کے بعد فرمایا۔ چونکہ بہ زمانہ نابالغی نکاح کرنے کا طریقہ سابقہ رواج پر مبنی تھا جو علیٰ حالہ قائم رہا اس سلسلے میں کوئی نئی بات ایسی رونما نہیں ہوئی جس کا ذکر حضور صلعم حضرت عائشہ سے فرماتے یا ان کی کسی قولی یا عملی حدیث یا سنت سے اس کا پتہ چلتا۔

خيار بلوغ کے سلسلے میں پورے یقین و اعتماد کے ساتھ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ قرآن پاک اس ضمن میں خاموش ہے۔ اسی طرح ہمارے علم کی حد تک سوائے ان ایک دو اقوال کے جن کو شیعہ اصحاب نے امام ابو جعفر سے نقل کیا ہے "نابالغ کے بعد

(۱۱) الاستبصار، مؤلفہ شیخ الطائفہ ابی جعفر محمد بن الحسن الطوسی

(متوفی ۵۴۶ھ) مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ نجف، اشاعت دوم

۱۹۵۶ع الجز الثالث القسم الاول باب نمبر ۱۴۵ صفحہ ۲۳۶-۲۳۹

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۵۰

بلوغ حق فسخ کے سلسلے میں بھی کوئی صریح حدیث یا آثار صحابہ موجود نہیں ہے البتہ باکرہ بالغہ کی بغیر اجازت اگر کوئی ولی اس کا نکاح کر دے (خواہ وہ باپ یا دادا ہی کیوں نہ ہو) تو اس باکرہ بالغہ کو اس نکاح کے تسلیم نہ کرنے اور باطل قرار دینے کا اختیار حاصل ہونا احادیث سے ثابت ہے۔ جن کو بیہقی نے سنن کبریٰ جلد ۷ مطبوعہ حیدرآباد دکن صفحہ ۱۷-۱۱۶ میں بہ تمام و کمال نقل کیا ہے نیز ان احادیث کا تفصیلی ذکر کتاب ہذا کی دفعہ ۷ (اہلیت نکاح) میں بھی موجود ہے چنانچہ ہمارے علم کی حد تک کوئی حدیث (یا اثر صحابہ) ایسی موجود نہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ باپ اور دادا کا بہ زمانہ نابالغیت کیا ہوا نکاح بعد بلوغ ناقابل فسخ ہے اور لڑکی خیار بلوغ کے حق کا استعمال کر کے اس نکاح کو رد نہیں کر سکتی۔ یا یہ کہ باپ اور دادا کے علاوہ دیگر ولیوں کے نکاحوں کو بعد بلوغ رد کر سکتی ہے۔ کیونکہ جو احادیث ملتی ہیں ان سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ ان لڑکیوں کے نکاح جن کو سرکار دو عالم نے حق فسخ دیا تھا زمانہ نابالغی میں کیے گئے تھے۔ بلکہ ترتیب، عنوان اور نفس مضمون کے اعتبار سے محدثین اور فقہاء نے ان نکاحوں کو ”نکاح البکر“ اور ”نکاح الثیب“ کے تحت ذکر کیا ہے جس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ مذکورہ نکاح نابالغی میں کیے گئے بلکہ یہ امر قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ وہ نکاح بالغہ لڑکیوں کے تھے جو ان کے باپ وغیرہ نے ان کی مرضی کے بغیر کر دیے تھے۔

لہذا ہماری رائے میں جس طرح باکرہ بالغہ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر اگر کسی ولی نے (خواہ وہ باپ یا

دادا ہی کیوں نہ ہو) اس کا نکاح کیا ہو تو عدم رضا کی بناء پر اسے اس نکاح کو تسلیم نہ کرنے اور باطل قرار دینے کا اختیار حاصل ہے۔ اسی طرح ایک نابالغہ کو بھی جس کا نکاح نابالغی کے زمانے میں اس کے کسی ولی نے کیا ہو (خواہ وہ باپ یا دادا ہی کیوں نہ ہو) بلوغ کے بعد عدم رضا کی بناء پر خیار بلوغ حاصل ہے۔

ہمارے اس نقطہ نظر پر ایک اعتراض یہ کیا جا سکتا ہے کہ باکرہ بالغہ چونکہ صاحب و مالک اذن ہے اور اپنی مرضی کی مختار ہے اس لیے اس کی اجازت کے بغیر کسی بھی ولی (خواہ وہ باپ ہی کیوں نہ ہو) کا اذن وہ حیثیت نہیں رکھتا جو اس کے نابالغہ ہونے کی صورت میں رکھتا تھا لہذا عدم بلوغ کی صورت میں باپ اور دادا کا اذن بعینہ اس درجے اور حیثیت کا حامل ہے جو لڑکی کے بالغ ہونے کے بعد خود اس کو حاصل ہوتا ہے۔ برخلاف لڑکی کے بالغ ہو جانے کے بعد کی حالت میں، کیونکہ اس وقت لڑکی خود صاحب اذن ہوتی ہے اس لیے اس کے ولی کا اذن ناقص ہوتا ہے۔ لہذا نابالغی کی حالت میں نکاح اذن کامل کے ذریعہ کیا گیا تھا اس بناء پر باپ اور دادا کا کیا ہوا نکاح بعد بلوغ ناقابل فسخ ہوگا جب کہ بلوغ کے بعد کا نکاح اذن ناقص کے ذریعہ منعقد ہونے کے سبب قابل فسخ قرار پائے گا۔

بظاہر یہ دلیل وقیع معلوم ہوتی ہے لیکن اگر اس پورے مسئلہ کا غائر نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ نتیجہ برآمد ہوگا کہ اصل معاملہ ”رضا اور اذن“ کا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ ولی کا اذن یا رضا مندی لڑکی یا لڑکی کے بلوغ سے قبل اور بلوغ کے بعد کیا اثر رکھتی ہے؟

چنانچہ بلوغ سے قبل نکاح ولی کی اجازت سے منعقد ہو جاتا ہے اور نتیجہ کے اعتبار سے صحیح اور کامل متصور ہوتا ہے اور اس پر نکاح صحیح کے تمام احکام مرتب ہوتے ہیں اسی طرح بلوغ کے بعد باکرہ بالغہ کی اجازت کے بغیر اس کے ولی کا کیا ہوا نکاح بھی منعقد ہو جاتا ہے۔ لیکن اپنے اثرات و نتائج کے اعتبار سے باکرہ بالغہ کی رضامندی و اجازت پر معلق اور موقوف رہتا ہے اگر لڑکی اپنی رضامندی کا اظہار کر دے تو نکاح لازم و نافذ ہو جائے گا (ورنہ باطل)۔ کیونکہ اگر اس نکاح کا انعقاد اصلاً نہ ہوا ہوتا تو لڑکی کی اجازت سے نافذ کیونکر ہو سکتا تھا اس لیے کہ نفاذ کے معنی یہ ہیں کہ جو شے یا امر پہلے سے موجود تھا اس کو لازم کر دیا گیا اور جو چیز موقوف تھی اس کو جاری کر کے نافذ کر دیا گیا۔ چنانچہ ولی کا اذن نابالغ ہونے کی صورت میں جس طرح انعقاد نکاح کا موجب ہے اسی طرح بلوغ کے بعد (لڑکی کے اذن کے بغیر) انعقاد نکاح کا موجب ہے، فرق اگر ہے تو صرف اتنا کہ بعد بلوغ نکاح لڑکی کی عدم رضا کے سبب باطل اور کالعدم ہے۔ کیونکہ اس کے وجود و انعقاد میں عدم رضا کا عنصر جو اپنے اثر کے لحاظ سے مبطل (باطل کر دینے والا) حیثیت رکھتا ہے، پہلے سے موجود ہے جب کہ قبل بلوغ نکاح منعقد کیے جانے کی صورت میں عدم رضا کا عنصر (جو اپنی خاصیت میں مبطل حیثیت کا مالک ہے) بعد میں پیدا ہوا کیونکہ ایک نابالغ لڑکا یا لڑکی ذاتی تصرف سے عدم بلوغ کے سبب مجبور ہوتی ہے نہ کہ بسبب عدم ملکیت ذات۔ لہذا بلوغ کے بعد اس رضا کا وجود ہو گیا جو اپنے اثر کے لحاظ سے باکرہ بالغہ کی رضا کا تھا۔ اس لیے زمانہ نابالغی میں کیے ہوئے نکاح کو بھی عدم رضا کی بناء پر فسخ کیا جاسکتا ہے

خواہ وہ نکاح باپ یا دادا یا کسی ولی کا کیا ہوا ہو۔

غیر منقسم ہندوستان میں ۱۷ مارچ، ۱۹۳۹ء سے قبل تک باپ اور دادا کے کیے ہوئے نکاحوں کو خيار بلوغ کا حق استعمال کر کے فسخ نہیں کرایا جا سکتا تھا لیکن قانون انفساخ ازدواج مسلمانان مجریہ ۱۹۳۹ء کے تحت مسلمان عورتوں کے انفساخ نکاح کی نالشات کے متعلق شرعی قانون کے احکام کو مرتب کیا گیا اور ان کی توضیح کی گئی چنانچہ زیر دفعہ ۲ ذیلی دفعہ (۷) زوجہ کو جس کا نکاح اس کے باپ، دادا یا کسی دوسرے ولی نے کیا ہو خيار بلوغ کے ذریعہ تنسیخ نکاح کی ڈگری حاصل کرنے کا حق دار قرار دیا گیا۔ جس کے نتیجے میں باپ، دادا اور دوسرے ولیوں کے کیے ہوئے نکاحوں کے درمیان خيار بلوغ کے حق کے سلسلے میں عدالتی فیصلوں میں جو تفریق پائی جاتی تھی، وہ اس قانون کے سبب سے ختم ہو گئی اور آج کل اسی پر عمل درآمد ہو رہا ہے۔

۵۱۔ اگر کسی نابالغ یا نابالغہ کا نکاح بزمانہ نابالغی ولی مجاز نے کیا ہو تو وہ بالغ ہو جانے پر خيار بلوغ کے ذریعہ عدالت سے فسخ نکاح کی ڈگری حاصل کرنے کے مجاز ہوں گے۔

فسخ نکاح کی ڈگری

تشریح

خيار بلوغ کے سلسلے میں اہم ترین سوال یہ ہے کہ آیا نکاح نابالغ کے بالغ ہونے کے بعد خيار بلوغ کا حق استعمال کرنے سے فسخ ہو جاتا ہے یا عدالت کے باضابطہ حکم حاصل کرنے پر فسخ ہوتا ہے۔ جہاں تک فقہاء کرام کا تعلق ہے وہ اس بارے میں متفق ہیں کہ خيار بلوغ کے ذریعہ نکاح عدالت کے حکم سے

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۵۱]

فسخ ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر محض زوجین میں سے کسی ایک کے خیار بلوغ کا حق استعمال کر لینے سے نکاح خود بخود فسخ نہیں ہو جاتا بلکہ اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک کہ عدالت اس کا حکم نہ جاری کر دے۔ چنانچہ اگر خیار بلوغ کا حق استعمال کر لینے کے بعد زوجہ وطی پر راضی ہو گئی تو وہ وطی زنا نہ کہلائے گی اور حلال سمجھی جائے گی کیونکہ نکاح اصلاً باقی تھا۔ اسی طرح خیار بلوغ کا حق استعمال کر لینے کے بعد مگر عدالتی ڈگری حاصل ہونے سے پہلے اگر دو میں سے کوئی ایک مر جائے تو ایک دوسرے کا وارث ہوگا۔

قاضی خان نے بھی خیار بلوغ کے مسئلہ میں بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ خیار بلوغ میں اس وقت تک فرقت واقع نہیں ہوتی اور نکاح باطل نہیں ہوتا جب تک ان دونوں کے عقد کو قاضی فسخ نہ کر دے اور اگر یہ فسخ دخول سے قبل ہو تو پورا مہر ساقط ہو جاتا ہے خواہ وہ مرد کی جانب سے ہو یا عورت کی جانب سے لیکن اگر فسخ نکاح دخول کے بعد ہو تو مہر ساقط نہیں ہوتا۔^{۱۲}

صاحب مجمع الانہر نے بھی خیار بلوغ کے سلسلے میں بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ خیار بلوغ کے ذریعہ نکاح فسخ کرنے کے لیے قضا کی شرط ہے۔ خواہ وہ لڑکے کی طرف سے ہو یا لڑکی کی جانب سے۔ ان کا نکاح اس وقت تک باطل نہیں ہوتا جب تک کہ قاضی اس پر اپنا فیصلہ صادر نہ کر دے، چونکہ وہ عقد دونوں پر نافذ

(۱۲) "وفی خیار البلوغ لا یقع الفرقة ولا یبطل النکاح ما لم یفسخ القاضی العقد بینہما فان کان ذالک قبل الدخول یسقط کل المہر سواء کان ذالک من قبلی الرجل او من قبل المرأة و بعد الدخول لا یسقط شیء من المہر۔" (فتاویٰ قاضی خان، مطبوعہ ہند، باب کتاب النکاح، جلد ۱، صفحہ ۱۶۶۔)

ہو جاتا ہے اس لیے محض رد کر دینے سے باطل نہیں ہو سکتا ، کیونکہ رد دوسرے کے حق کو باطل کر دیتا ہے جو ایک کے رد کرنے سے باطل نہیں ہو سکتا۔ شوہر کے غائب ہونے کی صورت میں نکاح فسخ کرنا صحیح نہیں کیونکہ غیر موجود شخص پر قاضی کا حکم لازم نہیں ہوتا اسی طرح خيار بلوغ کے ذریعہ تفریق میں بھی قاضی کے حکم کی ضرورت ہے۔ چنانچہ جو کوئی پہلے انتقال کر جائے وہ دوسرے کا وارث ہوگا ، کیونکہ نکاح صحیح ہونے کے سبب ملک ثابت ہے اس لیے ان دو میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جانے کی صورت میں نکاح خود بخود ختم ہو جاتا ہے ، خواہ اس کا انتقال بلوغ سے پہلے ہوا ہو یا بعد کو کیونکہ ان دونوں کے درمیان فرقت سوائے قاضی کے حکم کے واقع نہیں ہوتی اس لیے وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور عورت کا کل مہر مرد کے ذمہ واجب ہوگا خواہ وہ دخول سے قبل مرا ہو۔^{۱۳}

اسی قسم کا مضمون تبیین، محیط اور ملتی الاجر اور فتح القدير^{۱۴}

میں بھی درج ہے۔

(۱۳) و شرط القضا لا فسخ فی خيار البلوغ ' من صغير او صغيرة فلا يبطل العقد

مالم يقض به القاضي لان هذا العقد كان نافذا فلا يبطل بمجرد الرد۔۔۔

فكان الرد ابطالا لعق الاخر فلا يتفرد به وفيه اشارة الى انه لا يصح

الفسخ بنفية الزوج والا لزم القضاء على الغائب وكذا في فرقه تحتاج الى

القضاء۔۔۔ ورثه الاخر بلغا اولا لان النكاح صحيح الملك به ثابت

فاذا مات احد هما فقد انتهى النكاح سواء مات قبل البلوغ او بعد البلوغ

لان الفرقة بينهما لا تقع الا بقضاء القاضي لمتوارثان ويجب المهر كله

وان مات قبل الدخول۔ (مجمع الانهر مطبوعه مصر ' كتاب النكاح باب

الاولياء والا كفاء ' جلد ۹ ' صفحہ ۳۳۵۔

(۱۴) "ولو فسخ احد هما ولم يفسخ القاضي حتى مات ورثه الاخر"

(فتح القدير ' شرح هدايه ' مطبوعه مصر ' جلد ۲ صفحہ ۴۱۱)۔

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۵۱]

امام سرخسی خیار بلوغ کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ خیار بلوغ، خیار طلاق (طلاق تفویض کی صورت میں عورت کا خود اپنے کو طلاق دے لینے کا حق) کے برعکس ہے، کیونکہ طلاق تفویض کی صورت میں مخیرہ (وہ عورت جس کو طلاق تفویض کے سبب خود اپنے کو طلاق دے لینے کا حق حاصل ہو) بغیر عدالت کے حکم کے فرقت اختیار کر سکتی ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ خود کو طلاق دینے کے معاملے میں اس کی حیثیت اپنے شوہر کی نائبہ کی ہے چنانچہ شوہر کی جانب سے طلاق تفویض کی بناء پر وہ خود کو طلاق دینے کی مالکہ اور مختار ہو گئی۔ اس لیے جس طرح شوہر کو حکم عدالت کے بغیر اپنی زوجہ کو طلاق دینے کا حق حاصل ہے اسی طرح شوہر کے اپنا حق طلاق اپنی زوجہ کو تفویض کر دینے کی صورت میں زوجہ کو اس حق کے استعمال کا حق شوہر کے نائب اور قائم مقام کی حیثیت سے حاصل ہوگا اور اپنے نتیجہ کے اعتبار سے وہ طلاق وہی حکم رکھے گی جو شوہر کے اپنی زوجہ کو خود طلاق دینے کی صورت میں ہوتا۔

اسی طرح امام سرخسی خیار بلوغ اور خیار عتق (آزادی) کا مقابلہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ خیار بلوغ خیار عتق کے خلاف ہے، کیونکہ معتقہ (وہ کنیز جسے آزاد کر دیا گیا ہو) جب اپنے نفس کی مالک ہو گئی تو وہ عدالتی فیصلے کے بغیر از خود تفریق اختیار کر سکتی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ کنیز کے آزاد ہو جانے کے بعد شوہر کی ملکیت میں اضافہ ہو جاتا ہے کیونکہ عتق سے پہلے شوہر کو اس کی جانب مراجعت کرنے کا حق صرف قرائن سے ثابت تھا نیز شوہر کو دو طلاقیں

دینے کا اختیار تھا نیز اس کنیز کی عدت بھی دو حیض تھی لیکن اب آزاد ہونے کے بعد اس پر ملکیت زیادہ ہو گئی جس کے سبب شوہر کا مراجعت کا حق از روئے نص ثابت ہو گیا اور اس کو تین طلاقیں دینے کا حق بھی حاصل ہو گیا۔ اس لیے عورت کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ زیادتی ملک کو دفع کرنے کی غرض سے عدالت سے رجوع کیے بغیر خیار عتق استعمال کر کے شوہر سے علیحدہ ہو جائے کیونکہ زیادتی ملک کو اس وقت تک دفع نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ اصل ملک کو دور نہ کیا جائے۔ چنانچہ وہ کنیز اپنی عدم رضا کے اظہار سے اصل ملک کو دفع کر دیتی ہے جس کے سبب بغیر عدالتی کارروائی کے فرقت واقع ہو جاتی ہے۔ اس کے برخلاف خیار بلوغ میں بلوغت سے عورت پر مرد کی ملکیت یا حقوق میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا کیونکہ کنیز بسبب عدم ملکیت ذات نکاح کے وقت معدوم ہوتی ہے جب کہ ایک نابالغہ نابالغی کے سبب محض محجور ہوتی ہے۔

امام سرخسی نے امام محمد کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نابالغ یا نابالغہ نے بلوغ کے بعد خیار بلوغ کے ذریعہ فرقت اختیار کر لی مگر ابھی قاضی نے ان کے درمیان تفریق نہیں کرائی کہ ان میں سے ایک مر گیا تو ایک دوسرے کا وارث ہوگا اس لیے کہ اصل نکاح صحیح تھا۔ اور چونکہ فرقت بلا قضائے قاضی واقع نہیں ہوتی اس لیے جب ان میں سے ایک مر گیا (قضا سے پہلے) اور ان کے مابین موت کے سبب نکاح ختم ہو گیا تو وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۵۱]

امام سرخسی نے لکھا ہے کہ شوہر کے لیے حلال ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ وطی کرے جب کہ قاضی نے ان میں تفریق نہیں کرائی ہو کیونکہ نکاح اصلاً صحیح ہے۔^{۱۵}

کتب فقہ کے مندرجہ بالا اقتباسات سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ خیار بلوغ میں نابالغہ اپنے اولیاء کے کیے ہوئے نکاح میں خیار بلوغ کے ذریعہ عدم رضامندی کا اعلان کر دے تو محض اس اعلان سے نکاح قسح نہیں ہوتا بلکہ تا حکم عدالت ازدواجی تعلق قائم رہتا ہے اور اعلان نارضامندی کے بعد مگر عدالتی فیصلے سے قبل اگر شوہر اس زوجہ سے مجامعت کر لے تو اس کا یہ فعل حلال ہوگا اور اگر عدالت کے حکم سے قبل زوجین میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے تو باہم ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور عورت کا کل مہر شوہر پر واجب ہوگا۔

کتب فقہ میں تفریق (Separation) کی کل تیرہ (۱۳) قسمیں بیان کی گئی ہیں جن میں (الف) سات ایسی ہیں جن کے لیے عدالتی حکم کی ضرورت ہے اور (ب) چھ ایسی ہیں جن کے لیے کسی عدالتی حکم کی ضرورت نہیں۔^{۱۶} ان کی تفصیل حسب ذیل ہے :-

(۱) (۱) تفریق بالجب (اس بناء پر تفریق کہ شوہر محبوب یعنی مقطوع الذکر ہے)

(۱۵) المبسوط، امام سرخسی، مطبوعہ مصر، جلد ۴، باب النکاح الصغیر و الصغیرہ، صفحات ۲۷-۲۱۲۔

(۱۶) بحر الرائق، مطبوعہ مصر، جلد ۳، صفحہ ۱۳۰۔

فتح القدير، مطبوعہ مصر، جلد ۲، صفحہ ۴۰۸۔

رد المحتار، مطبوعہ مصر، جلد ۲، باب الاولیاء، صفحہ ۱۷-۳۱۶۔

(۲) تفریق بالعنہ (اس بناء پر تفریق کہ شوہر عنین نامرد) ہے۔

(۳) تفریق خيار بلوغ کی بناء پر۔

(۴) تفریق عدم کفأت کی بناء پر۔

(۵) تفریق کمی مہر کی بناء پر۔

(۶) تفریق شوہر کے اسلام کو چھوڑ دینے کی بناء پر۔

(۷) تفریق باللعان (اس بناء پر تفریق کہ شوہر نے زوجہ پر زنا کی تہمت لگائی)۔

(ب) (۱) تفریق خيار عتق کے سبب (کنیز جس کا نکاح اس کے

آقا نے بزمانہ غلامی کر دیا، آزاد ہونے پر خيار عتق

استعمال کر کے رشتہ زوجیت کو ختم کر سکتی ہے)۔

(۲) ایلاء۔

(۳) ارتداد۔

(۴) تباین دارین (شوہر کا دارالاسلام سے دارالکفر میں

بغرض سکونت منتقل ہو جانا)۔

(۵) خيار طلاق (طلاق کی تفویض)۔

(۶) نکاح فاسد ہونے کی بناء پر۔

فقہاء نے خيار بلوغ میں فسخ نکاح کے لیے عدالت کے حکم

(قضاء قاضی) کی جو شرط لگائی ہے اس کی بناء یہ ہے کہ لڑکی

کا بلوغ کے بعد نکاح کو رد کر دینا شوہر کی ذات پر ضرر کا

لازم کر دینا ہے اور یہ امر قرین انصاف نہیں کہ ایک معاہدہ

جو صحیح طور پر منعقد ہوا ہو اور اپنے اثرات و نتائج کے اعتبار

سے نافذ بھی ہو، محض ایک فریق کے رد کر دینے سے دوسرے فریق کے لیے (وہ رد) لازم ہو جائے۔ ضرورت ہے کہ کوئی تیسرا شخص اس کا جائزہ لے کہ خیار بلوغ کا حق صحیح طور پر اور صحیح وقت پر استعمال کیا گیا ہے یا نہیں نیز یہ کہ آیا فریق متعلقہ سے کوئی ایسا فعل سرزد ہوا ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ بلوغ کے بعد لڑکی نے اس نکاح کو تسلیم کر لیا یا اپنے اس حق سے دستبردار ہو گئی۔ ظاہر ہے کہ ان امور کا فیصلہ عدالت ہی کر سکتی ہے اس لیے ضروری ہے کہ خیار بلوغ کے استعمال کے بعد عدالت میں درخواست دے کر تفریق کا باضابطہ حکم حاصل کیا جائے کیونکہ عدالت ہی اس امر کی از روئے قانون مجاز ہے کہ وہ اپنے فعل سے کوئی ضرر کسی دوسرے شخص کے ذمہ لازم کر دے۔

اقوال فقہاء سے قطع نظر احادیث نبوی و آثار صحابہ خیار بلوغ کے سلسلے میں خاموش ہیں البتہ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب المبسوط^۱ میں حضرت ابن عمر کی ایک حدیث کا حوالہ دیا ہے جس میں قدامہ ابن مظعون نے اپنی بھتیجی حضرت عثمان ابن مظعون رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی کا نکاح حضرت ابن عمر سے کر دیا تھا، امام سرخسی کی تحریر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لڑکی بوقت نکاح نابالغہ تھی اور لڑکی نے بعد بلوغ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر اس نکاح سے ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ یہ حدیث یقینی میں بہ این الفاظ روایت کی گئی ہے :

(۱) المبسوط، السرخسی، مطبوعہ مصر، جلد ۴، صفحہ ۲۱۵۔

”عن نافع عن ابن عمر قال توفي عثمان ابن مظعون و ترك ابنة له من خولة بنت حكيم بن امية و اوصى الى اخيه قدامة بن مظعون و هما خالای فخطبت الى قدامة ابنة عثمان فزوجنيها فدخل المغيرة الى امها فارغبها في المال فحطت اليه و حطت الجارية الى هوى امها حتى ارتفع امرها الى النبي صلى الله عليه وسلم ، فقال قدامة يا رسول الله ابنة اتى و اوصى بها الى فزوجتها ابن عمر ولم اقصر بالصلاح والكفاة ولكنها امرأة و انها حطت الى هوى امها فقال رسول الله صلعم ، هي بيتيمة ولا ننكح الا باذنها فانزععت منى والله بعد ان ملكتها فزوجوها المغيرة بن شعبة -“

یہی متن دوسری سند سے اسی کتاب میں صفحہ ۱۲۱ پر مروی ہے۔ اس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں :

”فامرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یفارقها وقال لا تنکحو الیتامی حتی تستامروهن -“

گوروایت هذا کے الفاظ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ نکاح نابالغی میں کیا گیا تھا اور بالغ ہونے کے بعد لڑکی کی طرف سے خيار بلوغ کی بناء پر فسخ نکاح کی خواہش کی گئی تھی مگر بوقت پیشی مقدمہ لڑکی کا بالغہ ہونا حدیث کے الفاظ سے بالکل واضح ہے لیکن اگر امام سرخسی کے مذکورہ بالا قول کی روشنی میں اس حدیث سے یہ تسلیم کر لیا جائے کہ نکاح نابالغی میں ہوا اور فسخ نکاح بعد بلوغ ، تو یہ اصول سنت (قاعدہ شرعی) بن جاتا ہے کہ خيار بلوغ میں قاضی کے حکم کی ضرورت ہے اور نکاح اس کے حکم کے بغیر فسخ شدہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

تجزیہ :

دراصل اس مسئلہ کا جائزہ لیتے وقت تین سوالوں کا جواب دینا ضروری ہوگا۔ ایک یہ کہ آیا ولی کا کیا ہوا نابالغ کا نکاح جائز ہے یا ناجائز؟ دوسرا یہ کہ وہ نکاح منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اور تیسرا یہ کہ وہ نکاح اپنے اثرات و نتائج کے اعتبار سے وقت انعقاد ہی سے فریقین پر لازم ہو جاتا ہے یا بلوغ تک موقوف رہتا ہے؟ جمہور فقہاء کے نزدیک زمانہ نابالغی میں ولی جائز کا کیا ہوا نکاح جائز ہے اور منعقد ہو جاتا ہے نیز اپنے اثرات و نتائج کے اعتبار سے انعقاد کے وقت ہی سے فریقین پر لازم ہو جاتا ہے، موقوف نہیں رہتا۔ اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خیار بلوغ کے ذریعہ نابالغ یا نابالغہ کو اس نکاح کے رد کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ گزشتہ دفعہ کے تحت اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی جا چکی ہے کہ نابالغوں کو بعد بلوغ نکاح کو رد کرنے کا حق حاصل ہے اب سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ محض خیار بلوغ کا حق استعمال کرنے سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے یا عدالتی حکم کے بعد فسخ ہوتا ہے۔ اس مسئلے کا مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ خیار بلوغ کے محض استعمال سے نکاح رد کر دینے سے نکاح فسخ نہیں ہوتا بلکہ جب تک اس استرداد کے بعد عدالت فیصلہ نہ کر دے نکاح فسخ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ خیار بلوغ دراصل ایک حق ہے جس کا استعمال اور اس کا اظہار یا اعلان اگرچہ لڑکی کا (بعد بلوغ) ایک ذاتی حق ہے مگر چونکہ اس اعلان کا اثر دوسرے فریق پر بھی مرتب ہوتا ہے اس لیے عدالت کے حکم کی ضرورت لابدی ہے۔ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا قاضی لڑکی کی اس خواہش کو رد کر سکتا ہے؟ اگر نہیں تو حق کا استعمال قاضی کے فیصلہ کا

محتاج کیوں ہو، بلکہ قاضی کے فیصلہ کا مطلب یہ ہونا چاہیے کہ لڑکی نے جائز حق استعمال کیا ہے۔ دراصل قاضی کے فیصلہ کی ضرورت لڑکی کے حق کے اثبات یا رد کرنے کی غرض سے نہیں بلکہ لڑکی کے اس حق کو لڑکے پر لازم کر دینے کے لیے ہے۔ اگر لڑکی کے فعل کا بالکل اثر اس کی اپنی ذات پر مرتب ہوتا تو قضاء قاضی کی ضرورت لاحق نہ ہوتی لیکن سوال شوہر پر زوجہ کے اس حق کے لازم کرنے اور خود شوہر کو اس کے حق سے محروم کر دینے کا ہے جو عدالت کے بغیر ممکن نہیں۔

عدالتی نقطہ نظر :

جہاں تک ہند و پاکستان کی عدالتوں کا تعلق ہے خیار بلوغ کے ذریعہ فسخ نکاح کے سلسلے میں مختلف نظریں ملتی ہیں چنانچہ کلکتہ ہائی کورٹ نے بمقدمہ مفیض الدین منڈل بنام رحیمہ بی بی، یہ قرار دیا کہ تنسیخ نکاح کی توثیق کے لیے ڈگری کی ضرورت نہیں ہے، البتہ جج کے ایک حکم کی ضرورت ہے تاکہ اس فعل (تنسیخ نکاح) پر عدالتی منظوری کی مہر ثبت ہو جائے۔^{۱۸}

ایک اور مقدمہ شفیع اللہ بنام ایمپیٹر (اے، آئی آر، ۱۹۳۴ ع الہ آباد صفحہ ۵۸۹) ہے اس میں واقعات یہ تھے کہ مسہاۃ مجیدن کا نکاح اس کے دور کے چچا نے بہ زمانہ نابالغی ایک شخص مسمی طفیل احمد سے کر دیا تھا۔ لڑکی نے بعد بلوغ اپنا دوسرا نکاح ایک اور شخص عنایت اللہ سے کر لیا۔ عدالت ماتحت نے مسہاۃ مجیدن کو زیر دفعہ ۳۹۴ تعزیرات ہند دو زوجی (Bigamy) کا مرتکب قرار

(۱۸) Under the Mohammadan Law no decree was required to confirm it (option of puberty) but in order to impress on the act a judicial impri-matur, an order of the judge is necessary (Mafizuddin v. Rehima Bibi' A.I.R. 1934 Cal, 104).

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۵۱]

دیا۔ عدالت عالیہ نے بصیغہ نگرانی مسہاۃ مجیدن کے نکاح اول اور اس کے جواز اور اس کے فسخ کے لیے خیار بلوغ کے استعمال کے سلسلے میں بحث کرتے ہوئے یہ قرار دیا کہ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ مسہاۃ مجیدن کا طفیل احمد سے نکاح جائز تھا مگر جب اس نے بالغ ہونے پر دوسرے آدمی سے اپنا نکاح خود کر لیا تو استرداد (Repudiation) کا اس سے زیادہ یقینی طریقہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ لڑکی بالغ ہو جانے پر اپنی خوشی سے دوسرے شخص سے خود شادی کر لے۔

خیار بلوغ کے سلسلے میں بمقدمہ عثمان بنام بدھو (اجلاس متفقہ) سندھ چیف کورٹ نے اس رائے کا اظہار کیا کہ جب تک عدالت سے یہ ڈگری حاصل نہ کر لی جائے کہ نکاح فسخ ہو چکا ہے، وہ (نکاح) قائم رہے گا۔^{۱۹}

نیز بہ مقدمہ پیر محمد کوکانی بنام اسٹیٹ آف مدھیہ پردیش فاضل جج نے یہ قرار دیا کہ خیار بلوغ کا محض استعمال نکاح کو فسخ نہیں کرتا۔ استرداد (Repudiation) کے لیے ضروری ہے کہ عدالت سے توثیق کرائی جائے۔^{۲۰}

پاکستان کی عدالتوں میں خیار بلوغ کے مسئلے میں بہ مقدمہ محمد بخش بنام سرکار^{۲۱} جسٹس ایس۔ اے۔ رحمن صاحب (حال جج سپریم کورٹ) نے یہ فیصلہ دیا کہ خیار بلوغ کے حق کے استعمال کو جواز بخشنے کے لیے عدالت کے حکم کی ضرورت نہیں۔ اس

(۱۹) اے۔ آئی۔ آر۔ ۱۹۴۲ ع سندھ، صفحہ ۹۲۔

(۲۰) The mere exercise of the option of repudiation does not operate as a dissolution of the marriage. The repudiation is required to be confirmed by the court (Pir Mohammad v. State A.I.R. 1960 M. P. 24).

(۲۱) پی۔ ایل۔ ڈی۔ ۱۹۵۰ ع لاہور صفحہ ۲۰۳۔

مقدمے میں ایک سنی حنفی لڑکی امیرن کا نکاح اس کے والدین نے نابالغی کے زمانے میں ایک شخص محمد بخش کے ساتھ کر دیا تھا۔ لڑکی نے بالغ ہونے کے بعد ایک دوسرے شخص اللہ بخش سے شادی کر لی۔ محمد بخش نے مسماۃ امیرن کے خلاف زیر دفعہ ۴۹۴ تعزیرات پاکستان استغاثہ دائر کیا۔ مجسٹریٹ نے اس بناء پر کہ لڑکی کو خيار بلوغ حاصل تھا جس کا اس نے استعمال کیا اور اس کے بعد اللہ بخش کے ساتھ دوسری شادی کر لی قرار دیا کہ ملزمہ کا وہ فعل دفعہ ۴۹۴ تعزیرات پاکستان کی زد سے باہر ہے۔ مستغیث محمد بخش نے عدالت سیشن میں نگرانی کی درخواست پیش کی جس کے بعد سیشن جج نے اپنی اس سفارش کے ساتھ کہ ملزمہ کو دفعہ ۴۹۴ تعزیرات پاکستان کے تحت مجرم قرار دیا جائے معاملہ عدالت عالیہ میں بھیج دیا۔ عدالت عالیہ کے فاضل جج نے مقدمہ مذکورہ میں بحث کرتے ہوئے لکھا کہ :

”اصولی طور پر میں کوئی ایسی جائز وجہ نہیں سمجھ سکتا کہ خيار بلوغ اگر ایک مرتبہ ان شرائط کے مطابق جو اسلامی قانون کے تحت عائد کی گئی ہیں استعمال کر لیا جائے تو وہ عدالت کے حکم کے ذریعہ توثیق کا پابند ہو۔ آخر کار خيار بلوغ ایک انفرادی حق ہے جو بالکل اس کی ذاتی پسند پر منحصر ہے۔ وہ کس بھی سبب کا پابند نہیں کہ آیا ولی نکاح نے شوہر کے انتخاب میں فراست سے کام لیا ہے یا نہیں۔ مجھے ایسی کوئی نظیر نہیں ملی جس کے تحت ایک عدالت ایسے خيار بلوغ کی توثیق کرنے سے جس کو جائز طور پر استعمال کیا گیا ہو انکار کر سکتی ہے۔ جو نظریہ مسلم فقہاء نے قائم کیا ہے کہ خيار بلوغ کے استعمال کی توثیق کے لیے قاضی کا

حکم ضروری ہے اس نظریہ کی تائید میں قرآن پاک یا

احادیث کے کسی مستند مجموعے میں کچھ نہیں ملتا۔“

فاضل جج نے آخر میں سید امیر علی کی کتاب محمدن لاء کے حوالے سے صاحب ردالمحتار کے قول : ”کہ عدالت کی ڈگری کے تعلق سے جس شرط کا ذکر کیا گیا ہے وہ رد نکاح کی توثیق کی غرض سے ہے نہ کہ نکاح کو رد کرنے کے اختیار کو قائم کرنے کی غرض سے۔“ استدلال کرتے ہوئے لکھا کہ ”انسب نقطہ نظر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عدالت کا حکم خیار بلوغ کے استعمال کو جواز بخشنے کے لیے لازم نہیں ہے۔“ چنانچہ فاضل جج نے قرار دیا کہ اس مقدمے کے حقائق کے پیش نظر میں یہ قرار دیتا ہوں کہ پہلے نکاح میں نابالغ لڑکی سے کبھی بھی مجامعت نہیں ہوئی تھی نیز یہ کہ اس لڑکی نے بالغ ہونے پر اس نکاح کو رد کر دیا تھا اس مدت کے دوران میں جو قانون اس کو دیتا ہے جس کا علم اس کے شوہر کو تھا۔ لہذا میں یہ قرار دیتا ہوں کہ خیار بلوغ صحیح طور پر استعمال کیا گیا اور اس لڑکی کے دوسرے نکاح کے وقت اس کا پہلا نکاح بہ اغراض دفعہ ۳۹۳ تعزیرات پاکستان باقی نہیں تھا۔

بہ مقدمہ علاء الدین بنام فرخندہ اختر ۲۲، جسٹس بدیع الزمان کیکاؤس صاحب (حال جج سپریم کورٹ) نے قرار دیا کہ ”استرداد (Repudiation) کا باضابطہ ہونا ضروری نہیں۔ بعض حالات میں محض شادی کا انکار بھی اس کے استرداد کے مساوی ہو سکتا ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ آیا عورت اس مرد کو شوہر کی حیثیت سے تسلیم کرنے کے لیے آمادہ ہے یا نہیں؟ اگر وہ واضح الفاظ میں کہتی ہے کہ وہ آمادہ نہیں ہے تو یہ

کہا جائے گا کہ خیار بلوغ کا استعمال کیا گیا۔“

اس مقدمے کے مختصراً واقعات یہ تھے کہ مدعیہ فرخندہ اختر نے دیوانی عدالت میں مدعا علیہ علاء الدین کے خلاف استقراریہ ڈگری حاصل کرنے کے لیے عدالت دیوانی میں مقدمہ دائر کیا کہ عدالت یہ قرار دے کہ اس کا نکاح مدعا علیہ کے ساتھ نہیں ہوا، اگر نکاح ہو اہو تو عدالت تنسیخ نکاح کی ڈگری دے اس بناء پر کہ مبینہ نکاح کے وقت وہ نابالغ تھی اور اس نے (بعد بلوغ) نکاح کو رد کر دیا تھا۔

ایک اور مقدمہ منی بنام حبیب خان میں جسٹس بدیع الزمان کیکاؤس صاحب (حال جج سپریم کورٹ) نے قرار دیا کہ ”خیار بلوغ کے استعمال سے نکاح کا استرداد بلا استرداد عدالت نکاح کو ختم کر دیتا ہے اور جب معاملہ عدالت کے سامنے آتا ہے تو عدالت نکاح کو اپنے ذاتی فعل سے فسخ نہیں کرتی بلکہ تنسیخ نکاح کو (جو بعد بلوغ رد کیا جا چکا ہے) تسلیم اور منظور کرتی ہے۔“^{۲۳}

نتیجہ لکر :

متذکرہ بالا نظائر میں عدالت العالیہ کلکتہ کے فیصلے میں یہ فقرہ ”کہ تنسیخ نکاح کی توثیق کے لیے کسی ڈگری کی ضرورت نہیں“ جمہورہ فقہا کی رائے کے مطابق نہیں ہے، جس کی تائید ماقبل احادیث سے ہوتی ہے۔ اس سے قطع نظر موجودہ قانون انفساخ ازدواج مسلمانان کی دفعہ ۲ (۷) کے تحت خیار بلوغ میں تنسیخ نکاح کے لیے عدالت کی ڈگری کی ضرورت واضح ہے۔ الہ آباد ہائی کورٹ کا یہ قرار دینا کہ بالغ ہو جانے پر دوسرے شخص سے نکاح کر

(۲۳) پی ایل ڈی، ۱۹۵۶ ع لاہور، صفحہ ۴۰۳۔

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۵۱]

لینا بجائے خود نکاح اول کے استرداد کا بہترین طریقہ ہے ، فسخ نکاح کے لیے عدالتی حکم کی عدم ضرورت کو ظاہر کرتا ہے جو مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں غلط نظریہ پر مبنی ہے ۔ البتہ سندھ چیف کورٹ کا محولہ بالا فیصلہ فقہ اسلامی کے مطابق ہے ۔ عدالت العالیہ لاہور کا بمقدمہ محمد بخش بنام سرکار یہ قرار دینا کہ لڑکی کے دوسرے نکاح کے وقت اس کا پہلا نکاح (خیار بلوغ کے استعمال کے سبب) باقی نہ تھا ، محل نظر ہے ۔ بالخصوص جب کہ عدالتی ڈگری حاصل نہ کی گئی ہو ، اسی طرح عدالت العالیہ مغربی پاکستان لاہور بیچ کا بمقدمہ منی بنام حبیب خان یہ قرار دینا کہ خیار بلوغ کے استعمال سے نکاح کا استرداد بلا استرداد عدالت نکاح کو ختم کر دیتا ہے ، فقہاء کے اقوال کی نفی کرتا ہے ۔ خیار بلوغ کے سلسلے میں یہ بات واضح طور پر سمجھ لینی چاہیے کہ خیار بلوغ کے استعمال سے اس کا اظہار اور اعلان مقصود ہے نہ کہ فی نفسہ تنسیخ نکاح ، کیونکہ ایک نابالغ لڑکی بعد بلوغ اس حق کے استعمال کے ذریعہ اپنی عدم رضامندی کے اظہار پر قدرت رکھتی ہے لیکن عدالتی ڈگری کا مقصد لڑکی کے اس حق یا اختیار کو نافذ کرنا ہے تاکہ شوہر کے ذمہ اس کی زوجہ کا وہ دعویٰ لازم کر دیا جائے ۔ خیار بلوغ کے محض اعلان یا اظہار سے صرف اس حق کا استعمال کرنا ثابت ہوتا ہے نہ کہ فریق ثانی کی ذات پر اس کا نافذ ہونا اور نکاح کا فی الفور ختم ہو جانا ۔ اس لیے فسخ نکاح کے لیے عدالت کا ذریعہ ایک لازمی حیثیت رکھتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ زوجہ کا حق شوہر کے ذمہ حکماً لازم اور نافذ قرار دیا جاسکے ۔

۵۲۔ لڑکا یا لڑکی زمانہ نابالغی میں ولی کے کیے ہوئے نکاح کو ناپسند کرنے کی صورت میں اندرون مدت ۳ سال بعد بلوغ یا علم نکاح یا ۱۸ سال کی عمر کی تکمیل پر (جو مدت بھی زیادہ ہو) خيار بلوغ کا حق استعمال کر سکتے ہیں۔

تشریح

کتب فقہ کی رو سے خيار بلوغ کے استعمال کی مدت میں بہت سختی کی گئی ہے چنانچہ فقہاء کے نزدیک اگر کوئی نابالغ لڑکی یا لڑکا ولی کے کیے ہوئے نکاح کو ناپسند کرتا ہے تو اسے چاہیے کہ بغور بلوغ خيار بلوغ کا استعمال کرے بشرطیکہ اسے نکاح کا علم ہو۔ چنانچہ اگر نابالغ یا نابالغہ کو بوقت بلوغ واقعہ نکاح کا علم نہ ہو تو ان کا حق محض بالغ ہونے کی بناء پر متاثر نہ ہوگا بلکہ وہ واقعہ نکاح کے علم ہونے کے بعد ایک مناسب مدت تک اس حق کے مالک ہیں اور استعمال کا حق رکھتے ہیں۔^{۲۴}

کتب فقہ کی رو سے خيار بلوغ کا استعمال نکاح کا علم ہونے کی صورت میں بغور بلوغ ضروری ہے ورنہ طرفین کی خاموشی سے ان کی رضامندی سمجھی جائے گی اور خيار بلوغ ساقط ہو جائے گا۔ فقہاء نے اس کی بنیاد نکاح میں طرفین کی معنوی رضا مندی کے اصول پر رکھی ہے لیکن قانون انفساخ ازدواج کی دفعہ ۲ (۷) کے تحت ۱۸ سال کی عمر کو پہنچنے سے پہلے لڑکا یا لڑکی خيار بلوغ استعمال کر سکتے ہیں۔

(۲۴) ردالمحتار، مطبوعہ مصر، جلد ۲، صفحات ۳۱-۳۱۲۔

الجبسوط سرخسی، مطبوعہ مصر، جلد ۳، صفحہ ۲۱۲۔

تجزیہ

مدت کا تعین قانونی نقطہ نظر سے ضروری ہے لیکن قانون انفساخ ازدواج مسلمانان کی مذکورہ بالا دفعہ ۲ (۷) میں یہ صراحت نہیں ہے کہ اگر نکاح کا علم ۱۸ سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد ہو تو کیا صورت ہوگی؟۔ لہذا مذکورہ دفعہ میں مناسب ترمیم کے ذریعہ نکاح کے علم کی صراحت ضروری ہے جیسا کہ دفعہ ہذا کے متن میں ظاہر کیا گیا ہے۔

خیار بلوغ کے استعمال کے لیے لازمی طور پر کسی خاص شکل کی قید نہیں۔ بعض حالات میں محض نکاح سے انکار بھی استرداد نکاح کے برابر ہوگا۔ سوال صرف یہ ہے کہ بالغ ہونے پر کیا وہ مرد اس عورت کو بحیثیت زوجہ یا وہ عورت اس مرد کو بحیثیت شوہر قبول کرنے پر آمادہ ہے یا نہیں، اگر وہ غیر مشروط طور پر کہہ دے کہ تیار نہیں ہے تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے خیار بلوغ کا استعمال کیا۔ ۲۵

۵۳۔ باکرہ عورت کا خیار بلوغ ساقط ہو جائے گا اگر وہ نکاح کے علم کے باوجود بعد بلوغ مرد کو جماع کی اجازت دے یا اس سے کوئی ایسا فعل یا ترک فعل سرزد ہو جس سے صراحتاً یا معناً یہ ظاہر ہوتا ہو کہ اس نے نکاح کو رد نہیں کیا۔

توضیح: اگر جماع بحالت نابالغی یا بغیر رضامندی کے کیا گیا ہو تو عورت کے خیار بلوغ پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔

خیار بلوغ کا حق کب
ساقط ہو جائے گا

تشریح

تسلیم نفس کے سبب خیار بلوغ کے ذریعہ نکاح رد کرنے کا حق ساقط ہو جاتا ہے۔ چونکہ جماع کے ذریعہ عورت مرد کو اپنے نفس پر قابو دے دیتی ہے اس لیے جماع کی اجازت سے خیار بلوغ ساقط ہو جاتا ہے۔^{۲۶}

لاہور ہائی کورٹ کے جسٹس محمد شریف صاحب (مابعد جج سپریم کورٹ) نے ایک مقدمے میں قرار دیا کہ اگر بلوغ سے پہلے مجامعت ہوئی ہو تو اس سے لڑکی کے خیار بلوغ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، بالخصوص جب کہ لڑکی کو نکاح کا علم نہ ہو اور مجامعت اس کی مرضی سے نہ ہوئی ہو۔^{۲۷}

بلوغ سے قبل مجامعت کی صورت میں خیار بلوغ کے ساقط نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب خیار بلوغ کا حق پیدا ہی نہیں ہوا تو ساقط ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، یہی صورت عدم علم کے سبب ہے، کیونکہ عدم علم کے سبب اسے خیار بلوغ استعمال کرنے پر قدرت حاصل نہیں ہوئی۔ بلا رضا مندی کے جماع کرنے کی صورت میں لڑکی کا حق متاثر نہ ہونا عام اصول نصفت (equity) کے مطابق ہے۔

(۲۶) بحوالہ الرائق، مطبوعہ مصر، جلد ۳ صفحہ ۱۳۰۔

درمختار پر حاشیہ رد المحتار، مطبوعہ مصر، جلد ۲ صفحہ ۳۱۷۔

فتح القدیر، مطبوعہ مصر، جلد ۲ صفحہ ۳۹۹۔

مجمع الانہر، مطبوعہ مصر، جلد ۱ صفحات ۳۳۳-۳۳۴۔

(۲۷) پی، ایل، ڈی، ۱۹۴۹ ع لاہور، صفحہ ۷۵۔

تجویز

مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں ضروری ہے کہ
دفعہ ۲(۷) قانون انفساخ ازدواج مسلمانان، ۱۹۳۹ ع
میں مناسب ترمیم کی جائے۔

۵۴۔ لڑکے یا ٹیبہ عورت کا خیار بلوغ اس وقت تک زائل نہیں
ہوتا جب تک کہ وہ بعد بلوغ صراحتاً نکاح پر اپنی رضا مندی
ظاہر نہ کر دے۔

مرد یا ٹیبہ کا خیار
بلوغ

ساتواں باب

کفایت

۵۵۔ کفو وہ شخص کہلاتا ہے جو مذہب، نسب، آزادی، پیشہ، دیانت اور تمول میں ہم سر ہو۔

کفو کی تعریف

تشریح

کفایت کے لفظی معنی ”ہم سری“ کے ہیں۔ بالعموم ان دو اشخاص کو ایک دوسرے کا کفو کہا جاتا ہے جو مسلمان ہوں، ایک نسب ہوں، آزاد ہوں نیز پیشہ، دیانت داری اور مال داری میں مساوی حیثیت کے مالک ہوں۔^۱

کفایت میں شوہر کا کبرسن ہونا معتبر نہیں۔^۲

۵۶۔ نکاح میں مرد کا عورت کے لیے کفو ہونا ضروری ہوگا۔ عورت کا مرد کے لیے کفو ہونا ضروری نہیں۔

کفایت کا اطلاق

تشریح

اس امر میں تمام ائمہ متفق ہیں کہ نکاح میں مردوں کا عورتوں کے لیے کفو ہونا معتبر ہے۔^۳ عورتوں کا مردوں

(۱) یہ تشریح حنفی نقطہ نظر کے مطابق کی گئی ہے جو اپنے اثر کے لحاظ سے دوسرے مذاہب فکر کے مقابلے میں زیادہ وسیع ہے۔

(۲) پی، ایل، ڈی، ۱۹۵۰ء لاہور، صفحہ ۵۰۴۔

(۳) ”تعتبر الكفاءة من جانب الزوج لامن جانب المرا (الاحکام الشرعية فی الاحوال الشخصية، مصر، دفعہ ۶۲)۔

فتاویٰ عالمگیری (اردو ترجمہ) صفحہ ۱۷۰۔

کفر الدقائق مطبع مجتبیٰ، دہلی ۱۰۲۔

کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعہ، مصر جلد ۳ صفحہ ۵۴۔

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۵۷]

کے لیے کفو ہونا ضروری نہیں کیونکہ اگر عورت مرد کی کفو نہ بھی ہو تو زوجہ ہونے کے سبب اپنے شوہر کی (ہم سر) سمجھی جائے گی۔

امور کفآت

۵۷۔ امور کفآت حسب ذیل ہیں جن میں مرد کا عورت کے ہم سر ہونا ضروری ہے :

- ۱۔ اسلام
- ۲۔ نسب
- ۳۔ آزادی
- ۴۔ پیشہ (حرفہ)
- ۵۔ دیانت ، اور
- ۶۔ تمول ۔

تشریح

مالکیوں کے نزدیک صرف دو امور میں مرد کا عورت کے ہم سر ہونا کافی ہے۔ ایک دین داری اور دوسرے ایسے عیوب سے پاک ہونا جن کے سبب عورت کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے۔ مثلاً برص ، جنون ، جذام وغیرہ۔ امام مالک کے نزدیک نسب ، آزادی ، پیشہ یا مال غیر اعتباری چیزیں ہیں۔^(۴)

شافعیوں کے نزدیک کفآت میں حسب ذیل چار چیزیں قابل اعتبار ہیں :

- ۱۔ نسب
- ۲۔ دین
- ۳۔ آزادی ، اور

(۴) کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ، عبدالرحمن الجزیری ، مطبوعہ مصر

۴۔ پیشہ (حرفہ) -^۵

امام شافعی دیانت کو کوئی علیحدہ امر کفأت قرار نہیں دیتے۔ اسی طرح مال کو بھی، کیونکہ وہ ہر لحظہ کم و بیش ہونے والی شے ہے۔

لیکن حنفیوں کے نزدیک امور کفأت اسلام، نسب، آزادی، پیشہ، دیانت اور مال ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے :

اسلام :

امور کفأت میں مرد کا مسلمان ہونا تمام ائمہ کے نزدیک مسلم ہے البتہ کتب فقہ میں مسلمان کے سلسلہ میں ایک عجیب بحث ملتی ہے وہ یہ کہ اسلام کے معاملے میں ایک نو مسلم پر ایک پیدائشی مسلمان کو فضیلت حاصل ہے۔ چنانچہ اگر شوہر خود ایمان لایا ہو جب کہ زوجہ اور اس کا باپ دونوں مسلمان ہوں تو وہ مرد اس عورت کا باعتبار اسلام کفو نہ ہوگا۔ اسی طرح شوہر کا باپ مسلمان ہے اور زوجہ کا باپ اور دادا دونوں مسلمان ہوں تو وہ مرد اس عورت کا کفو نہیں ہے۔ دور حاضر میں اس قسم کے امتیازات کو گوارا نہیں کیا جا سکتا۔ ”المؤمنون اخوة“ ہر مسلمان اسلام لانے کے بعد دینی بھائی بن جاتا ہے اور وہ باعتبار اسلام ہر اس مسلمان عورت کا کفو ہے جو خواہ پیدائشی مسلمان ہو۔ چنانچہ اسلام کے ضمن میں باعتبار کفأت صرف اس قدر کافی ہے کہ زوجین مسلمان ہیں، خواہ ان کے باپ دادا مسلمان ہوں یا نہ ہوں۔

(۵) کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعہ، عبدالرحمن الجزیری، مطبوعہ مصر،

۱۹۳۸ع، صفحات ۵۹-۵۸، ۵۴۔

نسب :

حنفی اور شافعی فقہاء کے نزدیک نسب کفأت کا ایک اہم جزو ہے۔ حقیقت میں اس کی بنیاد طبقاتی تقسیم پر ہے جس کی اسلام میں اجازت نہیں دی جا سکتی۔ یہ تصور ابتدائے اسلام میں عرب کے تمدنی حالات کی پیداوار تھا۔ عرب کے علاوہ دوسرے مسلم ممالک میں اس پر زور نہیں دیا جاتا اور نسب میں برابری کو امور کفأت میں کوئی خاص اہمیت نہیں دی جاتی البتہ مجہول النسب اور معروف النسب میں فرق کیا جاتا ہے۔

ابن ہمام اور صاحب مجمع الانہر نے لکھا ہے کہ علم کو نسب پر فضیلت ہے۔^۶

آزادی :

ایک غلام ایک آزاد عورت کا ہم سر نہیں ہو سکتا۔ اب چونکہ غلاموں کا بحیثیت ادارہ کوئی وجود باقی نہیں رہا اس لیے اس پر بحث لا حاصل ہے۔

پیشہ :

ظاہری روایتوں کے مطابق امام ابوحنیفہ کے نزدیک پیشہ میں برابری ضروری نہیں لیکن امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول ہے کہ اگر مرد کا پیشہ (ذریعہ معاش) حقیر اور ذلیل ہو جو عار کا سبب ہو تو وہ مرد اس عورت کا کفو نہ ہوگا۔^۷ قاضی خان نے بھی صاحبین کے قول کو صحیح کہا ہے۔ فی الحقیقت پیشہ کا تفاوت اضافی شے ہے۔ یہ امر کہ کون سا پیشہ حقیر

(۶) کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعہ موافقہ عبدالرحمن الجزیری مطبوعہ

۱۹۳۸ ع صفحہ ۵۵۔

(۷) فتاویٰ عالمگیری (اردو ترجمہ) صفحہ ۱۷۵۔

و ذلیل ہے اور کون سا شریف، اس کا انحصار ملک کے عام رسم و رواج پر ہے اور اسی کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔

دیالت :

دیانت کو پرہیز گری یا نیک چلنی بھی کہا جاتا ہے۔ خداوند تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے ”إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقَاكُمْ“^۱ یعنی تم میں سے اللہ کے نزدیک مکرم وہ ہیں جو متقی ہیں۔ باعث عز و افتخار شے دراصل تقویٰ اور پرہیز گری ہے۔ چنانچہ ایک فاسق و فاجر مرد ایک صالحہ عورت کا کفو نہیں ہو سکتا۔

تمول :

فقہاء میں اس باب میں اتفاق ہے کہ باعتبار مال مرد کے لیے عورت کا کفو ہونے کے لیے صرف اس قدر مالی استطاعت کافی ہے کہ وہ بوقت نکاح عورت کا مہر معجل ادا کر سکتا ہو اور اس کے نفقہ کے اخراجات کا متحمل ہو سکتا ہو۔ بعض فقہاء کا خیال ہے کہ کسی خوش حال مال دار عورت کا کفو ایسا مرد نہیں ہو سکتا جو صرف نفقہ اور مہر معجل پر قادر ہو۔ چنانچہ عبدالرحمن الجزیری صاحب کتاب الفقه علی المذاهب الاربعہ نے لکھا ہے کہ فی زمانہ نکاح میں جس چیز کا سب سے زیادہ لحاظ کیا جاتا ہے وہ مال ہے۔ اگر کسی مال دار عورت کا نکاح ایسے مرد سے ہو جو صرف مہر معجل اور نفقہ پر قادر ہو لیکن مرد کی یہ مالی حیثیت اس عورت کی نظر میں ایک حجبہ کے برابر بھی نہ ہو تو اس صورت میں مرد کے مال کا اعتبار کفات میں کس حد تک کیا جا سکتا ہے اس کا فیصلہ حاکم عدالت کرے گا۔ فیصلہ کرتے

(۱) پارہ ۲۶ سورۃ الحجرات رکوع ۲ آیت ۱۳ -

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۷۷]

وقت حاکم عدالت دینی مصلحتوں کے تحت رفع فساد کے پیش نظر یہ دیکھے گا کہ وہ مرد کس حد تک اس عورت کی عصمت و عفت کا نگہبان ہو سکتا ہے اور کس حد تک اس کو غلط روی سے باز رکھنے پر قادر ہے۔^۹

مندرجہ بالا بحث سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ احناف نے کفأت کے دائرہ کو بہت وسیع کر دیا ہے۔ جب کہ مالکی اس کو بہت محدود انداز میں دیکھتے ہیں چنانچہ مالکی صرف عدم اسلام اور مخصوص عیوب جسمانی کو وجہ عدم کفأت قرار دیتے ہیں۔ اول امر یعنی اسلام تمام ائمہ (بشمول حضرات شیعہ) میں مشترک ہے اور دوسرے امر کا تعلق براہ راست کفأت کے مسئلہ سے نہیں بلکہ عورت کے حق تفریق سے ہے۔

امام شافعی دیانت داری اور تمول کو امور کفأت قرار نہیں دیتے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسلام کا اطلاق دین داری کے پورے تقاضوں کے ساتھ کرتے ہیں اور تمول چونکہ ہر وقت قابل تغیر شے ہے اس لیے اس کو بھی امور کفأت سے خارج کرتے ہیں۔

کفأت کا مقصود دراصل شوہر و زوجہ کی زندگی میں موافقت پیدا کرنا ہے اور یہ موافقت اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتی جب تک کہ مرد عورت کا زیادہ سے زیادہ امور میں ہم سر نہ ہو۔ لہذا امور ہم سری کو محدود کر دینا خلاف مصلحت ہوگا۔ اس ضمن میں احناف کا نقطہ نظر مناسب معلوم ہوتا ہے۔

لیکن یہاں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ کفأت نکاح کے جواز کی شرط نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ،

(۹) کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعہ مولفہ عبدالرحمن الجزیری مطبوعہ مصر ۱۹۳۸ ع جلد ۳ صفحہ ۵۵۔

ابن مسعود، عمر ابن عبدالعزیز، عبید ابن عمیر، حماد ابن ابی سلیمان، ابن عون، امام مالک اور امام شافعی و غیر ہم نکاح کے سلسلے میں کفأت کے اشتراط کے قائل نہیں ہیں۔ حنفیہ میں بھی امام ابوالحسن کرخی اور امام ابوبکر جصاص نکاح میں کفأت کو ناقابل اعتبار قرار دیتے ہیں۔^{۱۰}

ثبوت کفأت کے سلسلے میں بیان کردہ احادیث جن کو سیہتی نے کتاب النکاح باب الکفأت میں نقل کیا ہے، سوائے ایک حدیث کے جو حضرت علی سے مروی ہے، تمام احادیث کو خود سیہتی نے ضعیف اور ناقابل حجت لکھا ہے۔

چنانچہ آیات قرآنی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوی اور عملی احادیث کا جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ نکاح میں کفأت کا لحاظ بدرجہ اولیٰ ہے۔ خود جواز نکاح کی کوئی شرط نہیں ہے۔ اگر ممکن اور موجود ہو تو بہتر ہے۔

نتیجہ فکر:

خصوصاً موجودہ دور میں اس کا التزام قریباً ناممکن ہے البتہ ایسے خاندانوں میں جن کے اندر پشتہا پشت سے کفأت کا لحاظ رہا ہو اور اس کو برابر اہمیت دی جاتی رہی ہو، اس کا لحاظ اور التزام کیا جائے گا اور اگر ایسے خاندان کی کوئی لڑکی ولی کی مرضی کے بغیر غیر کفو سے نکاح کر لے جو اس کے اہل خاندان کے لیے ننگ و عار کا باعث ہو تو لڑکی کا ولی از روئے شرع عدالت میں فسخ نکاح کا دعویٰ پیش کرنے کا مجاز ہوگا۔

(۱۰) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوں:

- المغنی، مطبوعہ مصر، ۱۳۶۷ ہجری، جلد ۶ صفحہ ۷۸۰۔
- رد المحتار، جلد ۲ باب الکفأت صفحہ ۱۳۶۔
- بیہقی، مطبوعہ دکن، ۱۳۵۳ ہجری، جلد ۶ صفحہ ۱۳۶۔
- بحوالہ رائق جلد ۳ مطبوعہ مصر، صفحہ ۱۳۹۔

۵۸۔ کفات کا لحاظ نکاح کے وقت کیا جائے گا۔

تشریح

تمام ائمہ اس امر پر متفق ہیں کہ کفات کا اعتبار نکاح کے وقت کیا جائے گا۔ نکاح کے بعد اس کا قایم رہنا معتبر نہیں۔^{۱۱} چنانچہ یہ سوال کہ شوہر کفو ہے یا غیر کفو، اس کا فیصلہ اس وقت کے حالات و شواہد سے کیا جائے گا جب کہ نکاح ہوا۔ اگر بعد میں عدم کفات کے اسباب پیدا ہوئے ہوں تو عدم کفات کی بناء پر نکاح فسخ نہ ہوگا۔ مثال کے طور پر نکاح کے وقت مرد نیک و پرہیزگار تھا لیکن بعد میں فاسق و فاجر ہو گیا تو عدم کفات کی بناء پر نکاح فسخ نہ کرایا جاسکے گا۔

۵۹۔ اگر بالغہ عورت نے اپنا نکاح غیر کفو سے کر لیا تو نکاح صحیح ہوگا البتہ ولی کو حق اعتراض حاصل ہوگا اور وہ بر بنائے عدم کفات عدالت کے ذریعہ نکاح فسخ کرانے کا مجاز ہے۔

عدم کذات اور صحت
نکاح

تشریح

ظاہری روایات کے مطابق امام ابوحنیفہ نے ایسے نکاح کو صحیح قرار دیا ہے جو بالغہ عورت نے غیر کفو میں کر لیا ہو۔ آخر میں یہی قول امام ابو یوسف و امام محمد سے بھی منقول ہے البتہ عورت کے ولی کو اعتراض کا حق حاصل ہوگا اور وہ عدالت کے ذریعہ اس نکاح کو فسخ کرا سکتا ہے لیکن جب تک عدالت کی جانب سے بر بنائے خصومت اولیاء تفریق واقع نہ ہوئی ہو اس

(۱۱) فتاویٰ قاضی خان باب الکفاعة۔

بہر الرائق جلد ۳ مطبوعہ مصر، صفحہ ۱۳۹
در مختار بر حاشیہ رد المحتار جلد ۲ صفحہ ۲۳۱ -
احکام الشریعة فی الاحوال الشخصیہ دفعہ ۶۲ -

وقت تک طلاق و ظہار و ایلا و باہمی وارثت وغیرہ کے احکام ثابت ہوں گے۔^{۱۲}

یہاں یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر کفأت جواز نکاح کی شرط نہیں ہے تو پھر ولی کا بذریعہ عدالت نکاح فسخ کرانے کا حق کیونکر پیدا ہوا؟ دراصل کفأت اولیاء کے حق کی بناء پر ہے نہ کہ عورت کے حق کی بناء پر، اس لیے اولیاء کو معقول وجہ کے سبب اعتراض کا حق دیا گیا ہے۔

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ اولیائے تزویج کے برخلاف، عدم کفأت کی بناء پر اعتراض کا حق صرف ولی عصبہ کو حاصل ہے ذوی الارحام یا حاکم عدالت کو عدم کفأت پر اعتراض کرنے کا حق حاصل نہیں^{۱۳} اس کی دلیل یہ ہے کہ عورت کے غیر کفو میں نکاح کرنے کا براہ راست اثر اس کے اہل خاندان پر پڑتا ہے چنانچہ اس عار کے سبب جو اس کے خاندان والے محسوس کرتے ہیں، صرف ولی عصبہ کو یہ حق ہے کہ وہ عدم کفأت کی بناء پر بذریعہ عدالت ایسے نکاح کو فسخ کرا سکے۔^{۱۴}

(۱۲) فتاویٰ عالمگیری جلد دوم (اردو ترجمہ) صفحہ ۱۷۱۔

فتاویٰ قاضی خان جلد اول صفحہ ۱۶۴۔

بحر الرائق، مطبوعہ مصر، جلد ۳ صفحہ ۱۳۹۔

در مختار بر حاشیہ رد المحتار جلد ۲ صفحہ ۲۳۱۔

احکام الشریعة فی الاحوال الشخصیہ دفعہ ۶۲۔

(۱۳) "ان الکفاعة فی الامور المذكورة من حق الولی بشرط ان یکون عصبہ" ولو

کان غیر محرم۔۔۔ اما ذوی الارحام، والام، والقاضی فلیس لهم حق بنی

الکفأت (کتاب الفقه علی المذاهب الاربعہ مولفہ عبدالرحمن الجزیری،

مطبوعہ مصر، ۱۹۳۸ ع صفحہ ۵۶)۔

(۱۴) کنز الدقائق، مطبوعہ مطبع مجتہائی، دہلی، صفحہ ۱۰۲۔

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۶۰]

۶۰۔ ولی کا حق اعتراض عورت کے بچہ پیدا ہو جانے کے بعد ساقط ہو جائے گا۔

ولی کا حق اعتراض
کب ساقط ہوگا

تشریح

اس امر کی کوئی مدت مقرر نہیں ہے کہ ولی عدم کفایت کی بناء پر فسخ نکاح کی درخواست کس قدر مدت میں عدالت میں پیش کرے، چنانچہ بعد علم و اطلاع اگر ولی سکوت اختیار کرے تو اس خاموشی سے اس کا حق اعتراض ساقط نہیں ہو جاتا (الآ یہ کہ اس کی خاموشی بمنزلہ رضا مندی ہو) لیکن اس امر پر تمام ائمہ متفق ہیں کہ عورت کے اولاد پیدا ہو جانے کے بعد ولی کا حق اعتراض ساقط ہو جاتا ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ اولاد کی پیدائش کے بعد عورت کے لیے ایک قریب تر تعلق پیدا ہو جاتا ہے نیز یہ کہ شرافت اولاد کا بھی حق ہے اور کون اولاد یہ پسند کرے گی کہ اس پر اس کے باپ کی ذلت کی مہر لگے! ۱۵

۶۱۔ عدم کفایت کی بناء پر تفریق بحکم عدالت ہوگی۔

عدم کفایت کی بناء
پر تفریق

تشریح

اگر عورت نے اپنا نکاح غیر کفو میں کر لیا ہو تو ولی کو نکاح فسخ کرانے کا حق حاصل ہے مگر تفریق بحکم عدالت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ ۱۶

لہذا تاآن کہ حاکم عدالت فسخ نکاح کی ڈگری دے، نکاح

(۱۵) "ثم اذا سکت الولی عن الاعتراض حتی ولدت المرأة فان حقہ یسقط فی الکفایت" (کتاب الفقه علی المذاهب الاربعہ مولفہ عبدالرحمن الجزیری مطبوعہ مصر ۱۹۳۸ ع صفحہ ۵۶)۔

(۱۶) سراج الوہاج بحوالہ عالمگیری جلد دوم (اردو ترجمہ) صفحہ ۱۷۴۔

قائم رہے گا چنانچہ اگر عدالتی کارروائی کے دوران زوجین میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے تو دوسرا اس کا وارث ہوگا۔^{۱۷}

۶۲۔ عدم کفأت کی بناء پر تفریق بمنزلہ فسخ نکاح ہوگی۔

عدم کفأت کی بناء پر
تفریق کا اثر

تشریح

عدم کفأت کی بناء پر عدالت کے زوجین میں تفریق کرانے کی صورت میں اگر دخول نہ ہوا ہو تو نہ کوئی مہر واجب ہوگا نہ عدت، لیکن اگر دخول ہو گیا ہو تو زوجہ مہر کی مستحق ہوگی اور عدت لازم ہوگی نیز دوران عدت مرد پر نفقہ بھی واجب ہوگا۔^{۱۸}

(۱۷) بحوالہ رائق، مطبوعہ مصر، جلد ۳ صفحہ ۱۳۷۔

(۱۸) فتاویٰ عالمگیری جلد ثانی (اردو ترجمہ) باب پنجم اکفاء صفحہ ۱۷۴۔

در المختار پر حاشیہ ردالمحتار مطبوعہ مصر، جلد ۲ صفحہ ۳۰۶۔

آٹھواں باب

خلوت صحیحہ

خلوت صحیحہ کی
تعریف

۶۳۔ خلوت صحیحہ کے معنی ہیں مرد و عورت دونوں کا کسی ایسی جگہ، مکان، یا حصہ مکان میں تنہا جمع ہونا جہاں باہم صحبت کرنے سے کوئی جسمانی، طبعی یا شرعی مانع موجود نہ ہو۔

توضیح: وہ جگہ، مکان یا کمرہ ایسا ہو جہاں دونوں کی اجازت کے بغیر کسی کے اندر آنے یا دیکھنے کا کھٹکا نہ ہو۔

تشریح

خلوت کے لفظی معنی تنہائی کے ہیں قانون ازدواج میں اس سے

زوجین کا تنہا جمع ہونا مراد ہے۔

خلوت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ خلوت صحیحہ۔ اور

۲۔ خلوت فاسدہ۔

خلوت صحیحہ سے مراد یہ ہے کہ شوہر اور زوجہ دونوں

ایسی جگہ تنہا جمع ہوں کہ جہاں ان کی اجازت کے بغیر کوئی نہ

آسکے یا اندھیرے یا کسی دیگر سبب سے کسی کو ان کے ہونے

کی اطلاع نہ ہو:

مگر شرط یہ ہے کہ شوہر یہ جانتا ہو کہ وہ عورت اس کی زوجہ ہے۔

جہاں تک موانع کا تعلق ہے ان کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ جسمانی موانع۔

۲- طبعی موانع - اور

۳- شرعی موانع -

جسمانی موانع :

جسمانی موانع سے یہ مراد ہے کہ مرد یا عورت ایسی بیمار ہو جو صحبت سے مانع ہو یا صحبت کرنے سے صرر لاحق ہونے کا اندیشہ ہو -

طبعی موانع :

طبعی موانع سے یہ مراد ہے کہ عورت حائضہ ہو یا انفاس سے ہو -

شرعی موانع :

شرعی موانع سے یہ مراد ہے کہ مرد یا عورت فرض روزہ سے ہو یا فرض نماز میں مشغول ہو -

اگر مرد محبوب (جس کے آلت اور خصیے کٹے ہوئے ہوں) یا عنین (نامرد) یا خصی (جس کے خصیے نکال لیے گئے ہوں) ہو تو ایسا ہونا خلوت صحیحہ کے مانع نہ ہوگا^۱ کیونکہ تجربہ میں یہ آیا ہے کہ محبوب اور عنین بعض حالتوں میں اپنی ان علتوں کے باوجود عورت کا مقصد پورا کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں اور اسی بناء پر فقہاء نے اسے خلوت صحیحہ کے درجہ میں رکھا ہے -

۶۴- (الف) خلوت صحیحہ اپنے اثر کے اعتبار سے حسب ذیل صورتوں میں وطی (صحبت) کی قائم مقام متصور ہوگی :

(۱) کل سہر کے لازم ہونے میں -

خلوت صحیحہ کا اثر

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتاویٰ قاضی خان، مطبوعہ ہند جلد ۱

صفحہ ۱۸۱ -

شرح وقایہ (اردو ترجمہ) لاہور، صفحہ ۳۹۸ -

فتاویٰ عالمگیری (اردو ترجمہ) صفحات ۹۷-۱۹۴ -

(۲) نسب اولاد ثابت ہونے میں -

(۳) عدت کے واجب ہونے میں - اور

(۴) نفقہ دران عدت کے واجب ہونے میں -

(ب) حسب ذیل صورتوں میں خلوت صحیحہ وطی (صحبت) کے قائم مقام متصور نہ ہوگی :

(۱) بکارت زائل ہونے میں -

(۲) سنگ ساری کے حکم میں -

(۳) زوجہ کی لڑکی (پہلے شوہر سے) کے حرام ہونے میں -

(۴) رجعت میں - اور

(۵) میراث میں -

۶۵۔ خلوت فاسدہ کے معنی میں مرد و عورت کا کسی ایسی تنہا جگہ، مکان یا حصہ مکان میں جمع ہونا جہاں ان کی اجازت کے بغیر کسی کے اندر آنے یا دیکھنے کا کھٹکا نہ ہو لیکن دونوں کو یا ان میں سے کسی ایک کو حقیقتاً صحبت کرنے پر قدرت نہ ہو۔

خلوت فاسدہ

۶۶۔ خلوت فاسدہ کی صورت میں عدت اور نفقہ استحساناً واجب ہوگا۔

خلوت فاسدہ کا اثر

تصویب

براہ کرم "شرح قانون مہر" کی دفعات کا
سلسلہ نمبر درست فرما لیجیے :

صحیح

۸۲-۶۷

غلط

۸۱-۶۶

شرح
قانونِ مہن

نوال باب

مہر

۶۶۔ مہر اس مالی منفعت کا نام ہے جو شرعاً عورت مرد سے بعوض نکاح پانے کی مستحق ہوتی ہے۔

مہر کی تعریف

تشریح

مہر میں ”مال“ کا تصور بنیادی حیثیت رکھتا ہے کیوں کہ مہر سے اصل مقصود مال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”واحل لکم ماوراء ذالکم ان تبتغوا باموالکم“^۱ یعنی حلال کیں تمہارے واسطے علاوہ ان عورتوں کے، کہ تم خواہش کرو ان کی مال کے بدلے میں۔

مہر دراصل اس مال کا نام ہے جو عورت کو نکاح میں اس سے استمتاع کے عوض دیا جاتا ہے خواہ نکاح صحیح ہو یا فاسد یا وطی بالشبہ ہو^۲ قاضی خان نے مہر کو ملک بضع کا بدل کہا ہے^۳۔ مہر ہر ایسی جائز شے قرار پا سکتا ہے جو اپنے اندر مالیت رکھتا ہو۔ چنانچہ نقدی، مال تجارت، جائداد، کمپنی کے حصص

(۱) پارہ ۵ سورۃ النساء رکوع ۳ آیت ۲۳۔

(۲) فهو (الصداق) اسم للمال الذي يجب للمرأة في عقد النكاح في مقابلة الاستمتاع بها وفي الوط بالشبه او نكاح فاسد او نحو ذلك (كتاب الفقه علی المذاهب الاربعہ، ولفہ عبدالرحمن الجزیری، مصر، جلد ۳، صفحہ ۹۳)۔

(۳) اما المہر بدل البضع وقد ملک بضعها فیطالب به (فتاویٰ قاضی خان، مطبوعہ ہند، صفحہ ۱۷۷)۔

(Shares) یا منافع (Dividend) ، بیمہ پالیسی وغیر مہر میں طے کی جا سکتی ہیں :

مگر شرط یہ ہے کہ اس شے پر قبضہ و تصرف ممکن ہو۔

۶۷۔ مہر کی کم از کم مقدار ساڑھے تین روپے پاکستانی یا اس کی مساوی قیمت کی کوئی شے ہے۔ زائد کی کوئی حد نہیں۔

مہر کی مقدار

تشریح

ظاہری روایات کے مطابق حنفی اور شافعی علماء کے نزدیک مہر کی کم از کم مقدار دس درہم (تقریباً ساڑھے تین روپے پاکستانی) ہے۔^۴ یا اس کی مساوی مالیت کی کوئی شے ہو سکتی ہے۔

امام مالک کے نزدیک مہر کی کم از کم مقدار تین اور بقول بعض پانچ درہم ہے۔^۵

اگر کوئی شخص دس درہم سے کم مہر باندھے اور عورت اس پر راضی ہو، تب بھی دس درہم مہر دینا ہوگا کیونکہ شرعی حکم دس درہم کا ہے چنانچہ امام محمد نے اپنی موطا میں لکھا ہے کہ کم سے کم مقدار دس درہم ہے۔^۶

حنفی فقہ میں کم از کم مہر کا تعین کر دیا گیا ہے زیادہ کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ لیکن شیعہ فرقے میں مہر کی کم از کم شرعی مقدار کا تعین نہیں کیا گیا۔

مہر کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسا مال یا مالی منفعت ہو جس سے مستفید ہونا شرعاً درست ہو چنانچہ لحم خنزیر یا شراب کسی

(۴) "المہراقل من عشرة درہم" (حدیث مروی ابن ابی حاتم)۔

(۵) شرح وقایہ (اردو ترجمہ) مطبوعہ لاہور، باب المہر صفحہ ۳۹۱۔

(۶) موطا امام محمد، قرآن محل کراچی، صفحہ ۲۲۹۔

عورت کا مہر نہیں ہوسکتی۔ اگر ایسی کوئی شے بطور مہر مقرر کی گئی ہو تو وہ مہر (مسمی) ناجائز ہوگا لیکن نکاح صحیح ہو جائے گا اور مرد کے ذمہ مہر مثل لازم ہوگا۔

امام مالک کے نزدیک ایسا نکاح فاسد ہوگا اور دخول سے قبل فسخ کیا جاسکے گا لیکن اگر صحبت ہو گئی ہو تو نکاح لازم ہو جائے گا اور عورت مہر مثل کی مستحق ہوگی۔

۶۸۔ مہر کی اقسام حسب ذیل ہیں :

اقسام مہر

(۱) مہر مسمی -

(۲) مہر مثل -

مہر مسمی : اس مہر کو کہتے ہیں جو بوقت نکاح یا بعد نکاح ماہین زوجین مقرر ہوا ہو۔ اس کی حسب ذیل دو قسمیں ہیں :

(الف) مہر معجل -

(ب) مہر موجل -

مہر معجل : اس مہر کو کہتے ہیں جو بوقت نکاح فوری ادا کر دیا جائے یا عندالطلب قابل ادا ہو۔

مہر موجل : اس مہر کو کہتے ہیں جو طلاق یا زوجین میں سے کسی ایک کی وفات پر قابل ادا ہو۔

تشریح

مہر مسمی کا اعتبار نکاح صحیح میں کیا جاتا ہے، نکاح فاسد میں نہیں، کیونکہ نکاح فاسد صحیح معنی میں نکاح ہی نہیں ہوتا۔ چنانچہ نکاح فاسد کی صورت میں جب کہ دخول ہو چکا ہو مہر مسمی

(۷) کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، مولفہ عبدالرحمن الجزیری، مصر،

جلد ۳ کتاب المہر، صفحہ ۹۷ -

یا مہر مثل جو کم ہو مرد کے ذمہ واجب ہوتا ہے۔ یہ مہر وطی (جماع) کے سبب واجب ہوتا ہے نفس نکاح کے سبب نہیں کیونکہ نکاح فاسد میں مرد کے حق میں ملک بضع پیدا نہیں ہوتی اسی لیے فقہاء نے نکاح فاسد میں وطی کے سبب زر مہر کو عقر (تاوان) سے تعبیر کیا ہے۔

مہر مثل : مہر مثل امثال و اقران کے مہر کو کہتے ہیں جو اس عورت کے مثل عورت کا مقرر ہوا ہو۔

تشریح

مہر مثل کے تعین کے لیے عورت کے باپ کی رشتہ دار عورتوں کے مہروں کو دیکھا جائے گا۔ مثلاً پھوپھیوں، سگی بہنوں اور چچا زاد بہنوں کا مہر۔

مہر مثل کے تعین کے لیے مثل عورتوں کی عمر، حسن و جمال، علم و عقل، دینداری، اور کردار کا لحاظ بھی کیا جائے گا^۸۔ فتح القدیر میں لکھا ہے کہ مہر مثل کے تعین میں ان عورتوں کے شوہروں کے حسب اور مال کو بھی دیکھا جائے گا^۹ لیکن اگر اس عورت میں کچھ ذاتی اوصاف ہوں تو ان کا بھی لحاظ کیا جانا چاہیے۔

لزوم مہر

۶۹۔ اگر معاہدہ نکاح میں مہر کا تذکرہ نہ کیا گیا ہو تو شرعاً مہر لازم تصور کیا جائے گا اور مرد پر مہر مثل واجب ہوگا۔

توضیح : اگر نکاح اس شرط کے ساتھ کیا جائے کہ نکاح میں کوئی مہر نہ ہوگا تو شرط ساقط ہوگی اور مہر مثل واجب ہوگا۔

(۸) ہدایہ انگریزی صفحہ ۱۴۸ -

قدوری (عربی) صفحہ ۱۵۳ -

(۹) فتح القدیر (عربی) مطبوعہ مصر، جلد ۲ صفحہ ۴۷۱ -

تشریح

حنفیوں کے نزدیک مہر نکاح کے جواز کی ایک شرط ہے چنانچہ ان کے نزدیک مہر کے بغیر نکاح جائز نہیں ہے۔ امام شافعی کے نزدیک مہر نکاح کی شرط نہیں ہے اور نکاح بغیر مہر کے جائز ہو جائے گا۔

لزوم مہر کی نوعیت :

اگر کوئی عورت اپنا نکاح کسی مرد سے کرے اور وہ مرد عورت کا کوئی مہر مقرر نہ کرے یا مہر کے ذکر پر خاموش رہے یا اس عورت سے اس شرط پر نکاح کرے کہ اس کا کوئی مہر نہ ہوگا اور وہ عورت اس پر راضی ہو جائے تب بھی حنفیوں کے نزدیک نفس عقد کی بناء پر مہر مثل واجب ہو جائے گا اور عورت کو مہر مثل طلب کرنے کا حق ہوگا۔ اگر عورت دخول سے قبل مر جائے تو اس کے شوہر سے اس عورت کا مہر مثل لیا جائے گا اور اگر شوہر دخول سے قبل مر جائے تب بھی وہ عورت اپنے مہر مثل کی مستحق ہوگی جو متوفی کے ترکہ سے لیا جائے گا۔ لیکن امام شافعی کے نزدیک نفس عقد کی بناء پر مہر مثل واجب نہیں ہوتا۔ ان کے نزدیک صرف دو صورتوں میں مہر واجب ہوتا ہے ایک اس صورت میں جب کہ مہر مقرر کر لیا جائے اور دوسرے دخول کی صورت میں۔ چنانچہ اگر مہر مقرر نہیں کیا گیا اور دخول سے پہلے کسی ایک کی وفات ہو جائے تو امام شافعی کے نزدیک مہر مثل واجب نہ ہوگا لیکن اگر دخول ہو جائے تو تمام ائمہ کے نزدیک مہر مثل لازم ہوگا۔ اور اگر مہر مقرر نہ ہوا ہو اور دخول سے پہلے طلاق ہو جائے تو تمام ائمہ کے نزدیک بلا اختلاف مہر مثل واجب نہیں ہوگا بلکہ متعہ (کپڑوں کا ایک جوڑا) واجب ہوگا۔

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۶۹]

اس امر میں ائمہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ مہر کا ذکر کیے بغیر نکاح صحیح ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مہر کے انکار کے ساتھ بھی نکاح صحیح ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”لا جناح علیکم ان طلقتم النساء ما لم تمسوهن او تفرضوهن فریضۃ“ کہ نہیں ہے تم پر کوئی گناہ اگر تم طلاق دو اپنی بیویوں کو جن کو تم نے نہ چھوا ہو اور ان کا مہر مقرر نہ کیا ہو۔ اس آیت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایسے نکاح میں جس میں مہر مقرر نہ ہو طلاق دینے پر کوئی گناہ نہیں اور طلاق چونکہ نکاح کے بعد دی جاتی ہے اس لیے یہ آیت مہر مقرر کیے بغیر نکاح کے جواز کی دلیل ہے۔

امام شافعی کی دلیل :

امام شافعی اپنے قول کے ثبوت میں آیت کریمہ ”واتوا النساء صدقاتهن نحلة“ کو پیش کرتے ہوئے یہ استدلال کرتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے مہر کو ”نحلہ“ سے تعبیر کیا ہے اور ”نحلہ“ عطیہ کو کہتے ہیں چنانچہ مہر فی الحقیقت ایک صلہ زائد ہے جو نفس نکاح سے واجب نہیں ہوتا۔ ان کے نزدیک مقاصد نکاح کی تکمیل کے لیے ملک مہر کی کوئی ضرورت نہیں اس لیے مہر ایک زائد ذمہ داری ہے جو عورت کے لیے ایک صلہ زائد کی حیثیت رکھتی ہے جو بغیر طے کیے مرد پر واجب نہیں ہو سکتا (الا یہ کہ دخول ہو چکا ہو) چنانچہ امام شافعی کے نزدیک اگر مہر طے نہ ہو تو محض نفس عقد کی بناء پر واجب نہ ہوگا۔

حنفیہ کا استدلال :

حنفیہ اپنے قول کے استدلال میں قرآن پاک کی آیت :
 ”واحل لکم ماوراء ذالکم ان تبتغوا بماوالکم“ کو پیش کرتے ہیں۔

ان کا استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو مال دینے کی شرط پر حلال کیا ہے، اس لیے بغیر مال کے نکاح جائز نہ ہوگا۔ نیز یہ کہ وہ عورتیں ابتغاء مال کی شرط پر حلال کی گئیں ہیں اس لیے بغیر اس شرط کے وہ حلال نہیں ہو سکتیں۔

حنفیوں کے نزدیک بضع اور جان محترم ہیں اور اباحت اس شرط کے ساتھ ثابت ہوتی ہے چنانچہ عدم شرط کے باوجود ان کی حرمت اپنی اصل پر قائم رہے گی اور شرط سے معلق ہونا ان کی اصل پر اثر نہ ڈالے گا اسی لیے اگر یہ شرط کر لی گئی کہ نکاح میں کوئی مہر نہ ہوگا تب بھی وہ شرط باطل قرار پائے گی اور مرد کے ذمہ مہر مثل واجب ہوگا۔

حنفیہ اپنے قول کے اثبات میں حسب ذیل حدیث^{۱۰} سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ ”علقمہ نے عبد اللہ بن مسعود سے روایت بیان کی ہے کہ ایک آدمی نے آپ سے اس عورت کے مہر کے بارے میں پوچھا جس کا شوہر اس کا مہر مقرر کرنے سے پہلے مر گیا ہو آپ نے جواب میں تردد فرمایا اور کہا کہ اس کے بارے میں نہ تو مجھے کتاب اللہ میں کچھ ملتا ہے اور نہ ہی میں نے رسول اللہ سے کچھ سنا ہے۔ اس لیے میں اپنی رائے سے اجتہاد کرتا ہوں اگر میں صحیح ہوں تو یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر میں غلطی پر ہوں تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔ اور اللہ اور اس کا رسول بری ہیں۔ چنانچہ عبد اللہ بن مسعود نے اپنی رائے سے فرمایا کہ ایسی عورتوں کے ساتھ دوسری عورتوں کے مانند عمل کیا جائے گا۔ عبد اللہ بن مسعود کا

(۱۰) اس حدیث کو امام ابو حنیفہ نے حہاد سے اور حہاد نے ابراہیم نخعی سے بھی بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو موطا امام محمد (عربی اردو) قرآن محل کراچی، صفحہ ۲۳۹ ح ۵۴۴۔

یہ فتویٰ سن کر وہ شخص کھڑا ہوا اور کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ رسول اللہ نے بروع بنت واشق الاشجعیۃ کے معاملے میں ایسا ہی فیصلہ دیا تھا۔ پھر ایک شخص اشجع قبیلہ کا کھڑا ہوا اور کہا کہ میں اس کی شہادت دیتا ہوں۔ عبد اللہ بن مسعود اپنے فیصلے کو رسول اللہ کے فیصلے سے موافق پا کر بہت خوش ہوئے اور ایسے خوش ہوئے کہ اسلام لانے کے بعد اس سے پہلے کبھی اتنے خوش نہ ہوئے تھے۔“

احناف اپنے نظریہ کے اثبات میں استدلال سے کام لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ نکاح کے مقاصد اس کے دوام کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے اور نکاح کا دوام نکاح کی بناء پر وجوب مہر کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اگر نفس عقد کے ساتھ مہر واجب نہ ہو تو مرد کے لیے خشونت و ناگواری کے عالم میں طلاق دے دینا ایک آسان فعل ہو جائے گا۔ اس لیے مہر کا وجوب نکاح کی مصلحتوں اور مقاصد کے حصول کا ذریعہ ہے جو باہمی موافقت سے حاصل ہوتا ہے اور باہمی موافقت اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ عورت کا مہر مرد کے نزدیک عزیز و مکرم نہ ہو۔

امام شافعی کی دلیل کا جواب :

امام شافعی کے مہر کو عطیہ قرار دینے کا ذکر کرتے ہوئے حنفی فقہا نے لکھا ہے کہ جہاں تک امام شافعی کا مہر کو عطیہ کے معنی میں ذکر کرنے کا تعلق ہے تو حقیقت میں نخلہ کا لفظ ”دین“ اور ”قرض“ کے معنی میں آیا ہے اس لیے یہ آیت اس پر دلیل ہے کہ وجوب مہر ایک دین اور قرض ہے، محض عطیہ نہیں ہے جو دینے والے کی مرضی پر موقوف ہو۔

وجہ اختلاف :

حنفی اور شافعی فقہاء میں اختلاف کی اصل وجہ یہ ہے کہ حنفی علماء مہر کے وجوب کو نفس عقد کی بناء پر تسلیم کرتے ہیں جب کہ شافعی حضرات مہر کے وجوب کی بنیاد دخول کو قرار دیتے ہیں۔ بر بنائے عقد مہر کے واجب ہونے کے سلسلے میں احناف کی دلیل یہ ہے کہ عقد کے فوری بعد مرد کو عورت کی ملک بضع پر حق پیدا ہو جاتا ہے اور چونکہ معاوضہ اثبات ملک کا مقتضی ہوتا ہے اس لیے ایک ہی وقت میں طرفین کو ایک دوسرے کے خلاف حق پیدا ہونا چاہیے مثال کے طور پر جس طرح بیع میں قیمت کا وجوب بیع کی بناء پر پیدا ہو جاتا ہے اور بائع کے مطالبہ پر زر ثمن فی الفور قابل ادا ہوتا ہے اسی طرح نفس عقد کے سبب عورت کا مہر مرد کے ذمے واجب ہو جاتا ہے^{۱۱}۔

مہر — ایک شرعی حکم :

لیکن مہر معاہدہ بیع کی طرح ایک رقمی معاوضہ کا نام نہیں ہے بلکہ فی الحقیقت شرع میں اس کا حکم زوجہ کی حرمت اور توقیر کے لیے دیا گیا ہے چنانچہ اگر معاہدہ نکاح میں اس کا ذکر نہ ہو تب بھی مہر مثل لازم ہوگا۔ حتیٰ کہ اگر یہ طے بھی کر لیا جائے کہ نکاح میں کوئی مہر نہ ہوگا تب بھی مہر لازم ہوگا اور شرط ساقط ہو جائے گی^{۱۲}۔

۷۰۔ مہر کی ادائیگی ذمہ داری براہ راست شوہر پر عائد ہوگی
الا یہ کہ نکاح بحالت صغر سنی اس کے ولی نے کیا ہو، جس

مہر کی ذمہ داری

(۱۱) بدائع الصنائع الکامانی مصر، جلد ۲ کتاب النکاح۔

(۱۲) شرح وقایہ (اردو) مطبوعہ لاہور صفحہ ۳۹۳۔

فتح القدیر، مطبوعہ مصر، جلد ۲ صفحہ ۴۳۶۔

بحر الرائق مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ ہجری، جلد ۳ صفحہ ۱۵۲۔

صورت میں اس کی ذمہ داری ولی پر ہوگی۔

توضیح : شوہر کے بالغ ہونے پر نکاح کے قائم رکھنے کی صورت میں مہر کی ذمہ داری شوہر پر ہوگی اور ولی بری الذمہ ہو جائے گا۔

۱۔ معاہدہ نکاح میں مہر کی ادائیگی کے بارے میں کوئی صراحت نہ ہونے کی صورت میں پورا مہر معجل متصور ہوگا۔

بوقت نکاح قسم مہر
کی عدم صراحت کی
صورت میں مہر کا
وجوب

تشریح

شیعوں کے نزدیک اگر مہر ادا کرنے کا کوئی وقت مقرر نہ ہو تو کل مہر معجل سمجھا جائے گا^{۱۴}۔ لیکن حنفیوں کے نزدیک مفتی بہ اور راجح قول یہ ہے کہ اس کا فیصلہ عرف و رواج کے مطابق کیا جانا چاہیے^{۱۵}۔ چنانچہ ان کے نزدیک عدالت کو ہر مقدمہ کے مخصوص حالات کے پیش نظر یہ طے کرنا چاہیے کہ کتنا مہر معجل اور کتنا موجل ہونا چاہیے۔ بعض حنفی فقہاء کے نزدیک ایک تہائی اور بعض کے نزدیک ایک چوتھائی حصہ مہر معجل ہونا چاہیے۔ لیکن یہ قول غیر مفتی بہ اور متروک ہے۔

حنفی امام علاء الدین الکاسانی نے اپنی مشہور تصنیف بدائع الصنائع میں اس مسئلہ میں لکھا ہے کہ ”اگر مہر کے بارے میں معجل یا موجل کی کوئی صراحت نہ ہو تو پورا مہر معجل قرار پائے گا^{۱۵}۔ اور یہی صورت صحیح تر ہے کیوں کہ نکاح ایک قسم کا عقد معاوضہ ہے اور عقد معاوضہ جانبین سے مساوات کا

(۱۳) محمد بن لا، امیر علی جلد دوم۔

(۱۴) فتح القدير، انعام، مصر، جلد ۲، صفحہ ۴۷۳۔

بھرارائقی، مطبوعہ مصر، جلد ۲، صفحہ ۱۹۱۔

ردالمجتار، مطبوعہ مصر، جلد ۲، صفحہ ۳۶۸۔

(۱۵) اوکان، نکوتاعن التعجيل والتاجيل لان حکم المسکوت حکم المعجل

(البدائع و الصنائع، مصر، جلد ۲، صفحہ ۲۸۸)۔

مقتضیٰ ہے۔ جب ایجاب و قبول کے بعد نفس عقد کے سبب مرد کا حق انتفاع عورت پر قائم ہو گیا تو عورت کا حق مہر بھی مرد کے ذمہ واجب ہو جائے گا۔ چنانچہ کسی برعکس قرار داد کی غیر موجودگی میں یہ اصول مبنی برانصاف نظر آتا ہے کہ اگر نکاح میں مہر کی ادائیگی کے وقت کے متعلق کوئی امر طے شدہ نہ ہو تو مہر کی کل رقم کے بارے میں یہ تصور کیا جانا چاہیے کہ وہ معجل یعنی عندالطلب قابل ادا ہے۔ پاکستان کے راجح الوقت قانون میں اسی نقطہ نظر کی پیروی کی گئی ہے^{۱۶}۔

۴۔ خلوت صحیحہ کے بغیر طلاق یا فسخ نکاح کی صورت میں مرد کے ذمہ نصف مہر واجب ہوگا۔

خلوت صحیحہ کے بغیر
طلاق کی صورت میں
مہر کا وجوب

توضیح: (الف) اگر کوئی مہر مقرر نہ ہوا ہو تو عورت کو صرف کپڑوں کا ایک جوڑا دیا جائے گا۔

(ب) اگر فسخ نکاح کی ذمہ داری عورت پر ہو تو وہ کچھ مہر پانے کی مستحق نہ ہوگی۔

تشریح

اگر طلاق خلوت صحیحہ سے قبل واقع ہو جائے اور مہر مقرر کیا گیا ہو تو نصف مہر واجب ہوگا^{۱۷} جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے:

”وان طلقتموهن من قبل ان تمسوهن و قد فرضتم ولهن فریضہ

فنصف ما فرضتم“^{۱۸}۔

(۱۶) پاکستان عائلی قوانین آرڈی نینس مجریہ ۱۹۶۱ ع دفعہ ۱۰۔

(۱۷) رد المحتار، مطبوعہ مصر، جلد ۲، صفحہ ۳۳۰۔

فتح القدیر، مطبوعہ مصر، جلد ۲، صفحہ ۳۳۹۔

(۱۸) سورۃ البقرہ آیت ۲۳۷۔

یعنی اگر تم طلاق دو عورتوں کو اس بات سے پہلے کہ مس کرو تم ان سے، اور تم مقرر کر چکے تھے ان کے واسطے کچھ حصہ تو واجب ہے تم پر نصف اس کا جو مقرر کیا تھا تم نے۔

مہر مسمیٰ کی صورت میں نکاح فسخ ہونے پر نصف مہر واجب ہوگا لیکن اگر خلوت صحیحہ سے قبل مابین زوجین تفریق واقع ہو جائے جس کی ذمہ داری عورت پر ہو تو عورت کچھ مہر پانے مستحق نہ ہوگی۔ مثلاً عورت سے کوئی ایسا فعل صادر ہوا ہو جس سے حرمت مصاہرت واقع ہو جائے یا یہ کہ وہ مرتد ہو جائے^{۱۹}۔

اگر بوقت نکاح یا بعد نکاح مہر مقرر نہ ہوا ہو اور خلوت صحیحہ سے قبل طلاق ہو جائے تو حنفیوں کے نزدیک عورت صرف بطور نذرانہ ایک جوڑا کپڑوں کا پانے کی مستحق ہوگی^{۲۰}۔ لیکن شیعہ مذہب کے نزدیک عورت کو مہر مثل دیا جائے گا۔ احناف اپنے نظریہ کی بنیاد اس آیت قرآنی ”لا جناح علیکم ان تطلقتم النساء ما لم تمسوهن او تفرضوا لهن فریضة و متعوهن علی الموسع قدره و علی المقتر قدره“^{۲۱} پر رکھتے ہیں یعنی تم پر گناہ نہیں ہے اگر تم عورتوں کو طلاق دو جب کہ نہ مس کرو ان کو یا مقرر نہ کرو کوئی حصہ مہر کا ان کے واسطے اور متعہ دو ان کو غنی پر ہے اس کی مقدار اور مفلس پر ہے اس کے لائق۔

اس ضمن میں احناف کا نقطہ نظر قرآن پاک کے حکم کے بموجب نظر آتا ہے۔

(۱۹) کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعہ، عبدالرحمن الجزیری، مصر۔

(۲۰) رد المحتار، مطبوعہ مصر، جلد ۲ صفحہ ۳۳۳۔

(۲۱) پارہ ۲ سورۃ البقرہ، آیت ۲۳۶۔

۷۳۔ حسب ذیل صورتوں میں مہر متاكد ہو جائے گا اور كل واجب ہو جائے گا:

خلوت صحیحہ کے بعد
مہر کا وجوب

(۱) وطی —

(الف) خلوت صحیحہ کے بعد

(ب) کسی ایک کی وفات واقع ہونے پر۔

تشریح

محض عقد نکاح سے پورا مہر قابل ادا نہیں ہوتا البتہ خلوت صحیحہ کے بعد كل مہر واجب ہو جاتا ہے اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔ اس کی دلیل میں منجملہ دیگر احادیث کے حسب ذیل احادیث ہیں جن پر ہمارے فقہاء کا فتویٰ ہے:

۱۔ روایت کی دار قطنی نے محمد بن عبد الرحمن بن ثومان سے کہ فرمایا رسول اللہ نے کہ جس شخص نے عورت کا خمار (اوڑھنی یا چادر اصطلاحاً نقاب) کھولا اور اس پر نظر ڈالی تو اس (مرد) پر كل مہر واجب ہو گیا خواہ دخول کرے یا نہ کرے^{۲۲}۔

۲۔ عن سعید بن المسيب ان عمر بن الخطاب قضی فی المرأة اذا تزوجها الرجل انه اذا ارخیت الستور فقد وجب الصداق۔ یعنی سعید بن المسيب سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے حکم کیا کہ مرد عورت سے نکاح کرے جب چھوٹ جائیں پردے تو تحقیق کہ مرد پر (كل) مہر واجب ہو گیا^{۲۳}۔

۳۔ اخبرنا مالک اخبرنا ابن شہاب عن زید بن ثابت قال اذا دخل رجل بامرأة و ارخیت الستور فقد وجب للصداق یعنی زید بن

(۲۲) شرع وقایہ (اردو ترجمہ) لاہور: کتاب النکاح، باب المہر، جلد دوم ۳۹۷۔

(۲۳) موطا امام مالک (عربی - اردو) 'کراچی صفحہ ۴۳۸۔

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۷۴]

ثابت نے کہا کہ مرد عورت کے پاس جائے اور پردے چھوٹ جائیں تو تحقیق کہ مہر (کل) واجب ہو گیا ۲۴۔

نکاح فاسد کی صورت میں :

سنیوں کے چاروں مذاہب میں خلوت صحیحہ مجامعت کی قائم مقام ہے لیکن شیعوں کے نزدیک خلوت صحیحہ مجامعت کی قائم مقام نہیں ہے۔ البتہ سنیوں کے نزدیک نکاح فاسد کی صورت میں خلوت صحیحہ مجامعت کے قائم مقام نہ ہوگی اس لیے کہ نکاح فاسد داعی الی الوطی نہیں ہے اور عورت کے لیے عقد فاسد میں بلا و طی کے کوئی مہر قائم نہیں ہوتا ۲۵۔ چنانچہ اگر نکاح فاسد میں عورت کو و طی سے پہلے طلاق دے دی جائے تو کوئی مہر واجب نہ ہوگا۔

۷۴۔ خلوت صحیحہ کے بعد طلاق یا فسخ نکاح کی صورت میں کل مہر فی الفور واجب ہو جائے گا۔

خلوت صحیحہ کے بعد
طلاق کی صورت میں
مہر کی ادائیگی

تشریح

مہر خلوت صحیحہ سے متاكد و محکم ہو جاتا ہے اگر خلوت صحیحہ کے بعد طلاق دی جائے یا نکاح فسخ ہو جائے تو کل مہر فی الفور واجب الادا ہو جائے گا خواہ مہر معجل ہو یا موجل۔ اس اصول کی بنیاد یہ ہے کہ طلاق یا فسخ کے سبب نکاح ختم ہو جاتا ہے۔ اس لیے مہر کی فوری ادائیگی لازم ہو جاتی ہے۔

۷۵۔ نکاح صحیح کے دوران زوجین میں سے کسی ایک کی وفات کی صورت میں کل مہر واجب الادا ہو جائے گا، بلا لحاظ اس کے کہ خلوت صحیحہ ہوئی ہو یا نہ۔

وفات واقع ہونے پر
مہر کا وجوب

(۲۴) موطا امام محمد بن الحسن الشیبانی ۲۳۳۔

(۲۵) يجب المهر المثل في نکاح فاسد بالوطی قبل لا بغيره كالخلوة لحرمة وطها (رد المحتار، مطبوعہ مصر، جلد ۱، صفحہ ۳۵۹)۔

تشریح

چونکہ موت متم نکاح ہے اس لیے زوجین میں سے کسی ایک کے مر جانے کی صورت میں ازدواجی تعلق ہمیشہ ہمیشہ کے لیے منقطع ہو جاتا ہے اور اس بناء پر مرد کے ذمہ پورا مہر واجب ہو جاتا ہے خواہ خلوت صحیحہ ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو^{۲۶}۔ البتہ نکاح فاسد کی صورت میں اگر خلوت صحیحہ نہ ہوئی ہو اور زوجین میں سے کسی ایک کی موت واقع ہو جائے تو کوئی مہر واجب نہ ہوگا۔ اگر مہر کی ادائیگی کی کوئی میعاد مقرر ہے مگر اس میعاد کے ختم ہونے سے قبل طلاق رجعی واقع ہوگئی تو مہر اسی وقت واجب ہو جائے گا خواہ اس کے بعد مرد نے عورت سے رجوع کر لیا ہو کیوں کہ ایک بار جو مہر واجب ہو جائے میعاد ہی نہیں بن سکتا^{۲۷}۔

۷۶۔ قیام نکاح کے دوران — مہر میں کمی و زیادتی

- (الف) زوجہ اپنے مہر میں کمی کر سکتی ہے۔
(ب) شوہر مہر مقررہ میں زیادتی کر سکتا ہے۔

تشریح

ائمہ کا اس امر میں اتفاق ہے کہ زوجہ اپنے میں مہر کمی کر سکتی ہے^{۲۸} لیکن یہ کمی رضاکارانہ ہونی چاہیے اگر بہ مجبوری یا بہ اکراہ ہو تو صحیح نہ ہوگی اسی طرح اگر عورت مرض الموت میں مبتلا ہو اور اس مرض کی حالت میں اپنے مہر میں کمی کرے

(۲۶) شرح وقایہ (اردو) مطبوعہ لاہور، جلد دوم -

(۲۷) خلاصہ بحوالہ فتاویٰ عالمگیری (اردو) جلد دوم صفحہ ۲۲۰ -

(۲۸) محیط، بحوالہ فتاویٰ عالمگیری (اردو) جلد دوم صفحہ ۲۰۹ -

تو جائز نہ ہوگا^{۲۹}۔

شوہر کو اس امر کا اختیار ہے کہ وہ زوجہ کے مقررہ مہر میں اضافہ کر دے^{۳۰} لیکن اگر وطی سے قبل تفریق ہو گئی تو اصل مہر کا نصف واجب ہوگا۔ زیادتی کا اعتبار نہیں کیا جائے گا الا یہ کہ زیادتی اصل مہر سے متصلہ ہو مثلاً زمین اور درخت۔

۷۷۔ بالغہ عورت کو مہر وصول کرنے کا خود اختیار حاصل ہے البتہ اگر نابالغہ ہو تو اس کا باپ اور باپ کی غیر موجودگی میں ولی اقرب وصول کر سکتا ہے۔

مہر وصول کرنے کا اختیار

۷۸۔ زوجہ بالغہ اپنے مہر کا کل یا جز ہبہ یا معاف کر سکتی ہے۔
توضیح: اگر زوجہ نابالغہ ہو تو اس کا ولی مہر کو معاف یا بحق شوہر ہبہ نہیں کر سکتا۔

زوجہ کا مہر کے ہبہ کرنے کا اختیار

تشریح

مہر چونکہ زوجہ کی ملکیت ہوتا ہے اس لیے اسے اس امر کا پورا اختیار حاصل ہے کہ وہ دخول سے قبل یا بعد جب چاہے اپنے مہر کا کل یا جز شوہر یا کسی دیگر شخص کے حق میں ہبہ کر دے یا معاف کر دے۔ اس کے اولیاء کو کوئی حق اعتراض حاصل نہ ہوگا۔^{۳۱} لیکن یہ ہبہ رضاکارانہ ہونا چاہیے۔^{۳۲} ہبہ شوہر کی وفات کے بعد بھی ہو سکتا ہے لیکن حالت زچگی میں جب کہ عورت

(۲۹) بحر الرائق، مطبوعہ مصر، جلد دوم صفحہ ۶۲-۱۶۱۔

(۳۰) سراج الوہاج بحوالہ فتاویٰ عالمگیری (اردو) جلد دوم صفحہ ۲۰۹۔

(۳۱) شرح طحاوی بحوالہ فتاویٰ عالمگیری جلد دوم صفحہ ۲۱۵۔

(۳۲) شاہ بانو بیگم بنام افتخار محمد خاں پی ایل ڈی ۱۹۵۶ع کراچی

صفحہ ۳۶۳۔

کی جان پر بن آئی ہو ہبہ ناجائز ہوگا۔^{۳۳}

عورت اپنے مہر کو مشروط طور پر ہبہ یا معاف کرنے کی بھی مختار ہے چنانچہ اگر شرط پوری ہو گئی تو ہبہ مکمل ہو جائے گا لیکن اگر شرط پوری نہ ہوئی تو ہبہ نافذ نہ ہوگا بلکہ مہر علیٰ حالہ قائم رہے گا البتہ اگر شرط ناجائز ہو تو شرط کالعدم اور ہبہ جائز ہوگا۔

اگر زوجہ نابالغہ ہو تو اس کا ولی یہ اختیار نہیں رکھتا کہ اس کے مہر کو معاف یا بحق شوہر ہبہ کر دے کیونکہ ولایت نابالغ کے مفادات کے تحفظ کے لیے ہے نہ کہ صریح نقصان کے لیے۔ اس لیے ولی کا یہ فعل اصل منشاء ولایت کے خلاف ہوگا اور نابالغہ کے حق مہر پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔

۷۹۔ زوجہ کو تا ادا کے مہر معجل شوہر کے ساتھ رہنے اور وظیفہ زوجیت ادا کرنے سے انکار کا حق حاصل ہوگا، خواہ پہلے صحبت ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

عدم ادائیگی مہر معجل
کی بناء پر زوجہ کا
زنا شوئی سے انکار

تشریح

تمام ائمہ اور فقہاء کا اس بارے میں بالکل یہ اتفاق ہے کہ جب تک عورت نے اپنے نفس کو شوہر کے سپرد نہیں کیا اس وقت تک اس کو اختیار ہے کہ مہر معجل کی عدم ادائیگی کے سبب شوہر کے ساتھ رہنے اور اسے مجامعت کا موقع دینے سے انکار کر دے^{۳۴} لیکن ائمہ کے درمیان اس امر میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ اگر مرد عورت

(۳۳) مراجعہ بحوالہ فتاویٰ عالمگیری جلد دوم صفحہ ۲۱۵۔

(۳۴) محیط، امام سرخسی، بحوالہ فتاویٰ عالمگیری (اردو) جلد دوم،

صفحات ۱۸-۲۱۷۔

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۷۹]

کے ساتھ صحبت کر چکا ہو یا خلوت صحیحہ ہو گئی ہو تو اس کے بعد عورت کا یہ اختیار باقی رہتا ہے یا نہیں کہ وہ تا ادائے مہر معجل شوہر کو اپنے نفس پر قدرت دینے سے باز رکھے۔ امام اعظم کے نزدیک اس صورت میں بھی عورت کو اختیار حاصل ہے لیکن صاحبین کے نزدیک عورت کو ایسا اختیار نہیں رہا۔^{۳۵} امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک بھی عورت کو حق نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبل نے اس مسئلہ میں جواب دینے سے توقف فرمایا اور کوئی جواب نہیں دیا لیکن حنبلیوں میں ابو عبد اللہ بن بطہ اور ابو اسحاق شاملہ عدم استحقاق کے قائل ہیں جب کہ عبد اللہ بن حامد جو مشہور محدث ہیں اور حنبلیوں میں مجتہد کا درجہ رکھتے ہیں، امام ابو حنیفہ کی رائے سے اتفاق کرتے ہیں اور اس مسئلہ میں عورت کے اس حق کے قائل ہیں۔^{۳۶} شیعہ علماء کی رائے صاحبین کے موافق ہے۔

اس مسئلہ میں جہاں تک حنفی کتب فقہ کا تعلق ہے تنویر الابصار اور کنز الدقائق میں امام ابو حنیفہ کی رائے کو تسلیم کیا گیا ہے۔ جب کہ ہدایہ، بحر الرائق، شرح وقایہ، فتح القدیر، طحطاوی، اور ردالمحتار میں امام صاحب اور صاحبین کی رائے مع اختلاف بیان کر دی گئی ہیں لیکن ان فقہاء نے اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا ہے۔ البتہ امام علاء الدین الکلسانی نے اپنی مشہور کتاب بدائع الصنائع میں اختلاف کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔

صاحبین کے دلائل :

اس مسئلہ کی بنیاد کہ اگر عورت ایک بار اپنے نفس پر مرد کو قدرت دے دے تو عدم ادائے مہر معجل کی بناء پر وہ وظیفہ

(۳۵) فتاویٰ عالمگیری (اردو) جلد دوم، مطبوعہ نول کشور، صفحات ۸۳-۸۲۔

(۳۶) المغنی ابن قرامہ (متوفی ۶۲۵ ہجری) 'مصر' صفحہ ۷۳۸۔

زوجیت ادا کرنے سے انکار کر سکتی ہے اس اصول پر رکھی گئی ہے کہ جس طرح بیع میں مشتری پہلے قیمت پیش کرتا ہے اس کے بعد بائع شے مبیعہ مشتری کے حوالے کرتا ہے اسی طرح عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ شوہر کو صحبت سے منع کرے تا وقتیکہ اس کا کل مہر (معجل) ادا نہ کر دیا جائے۔ چنانچہ جس طرح شے مبیعہ کا معاوضہ قیمت ہوا کرتا ہے اسی طرح ملک بضع کا معاوضہ مہر ہوتا ہے اور جس طرح بائع کو تا اداۓ زر ثمن شے مبیعہ کے روک لینے (Retention) کا اختیار حاصل ہے اسی طرح عورت بھی مہر کی اداۓ تک مرد کو اپنے نفس پر قدرت نہ دینے کا حق رکھتی ہے اور اگر مہر (معجل) ادا نہ ہوا ہو تو شوہر کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنی زوجہ کو وظیفہ زوجیت ادا کرنے پر مجبور کرے کیونکہ مرد کے عورت سے حق استمتاع قائم ہونے کے ساتھ ہی عورت کا مرد سے وصولی مہر (معجل) کا حق بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اگر عورت مرد سے زر مہر کی اداۓ کا مطالبہ کرے تو تا اداۓ زر مہر شوہر اس عورت سے استمتاع کا حق دار نہ ہوگا۔ البتہ شوہر زوجہ کا حق مہر ادا کرنے کے بعد اس سے انتفاع کا حق دار ہوگا۔ لیکن اگر زوجہ کے مہر کا ایک روپیہ بھی ادا ہونے سے رہ گیا ہو تو زوجہ کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ وظیفہ زوجیت ادا کرنے سے انکار کر دے کیونکہ حق انتفاع قابل تقسیم نہیں ہوتا اس لیے مہر (معجل) کے کسی جز کے (خواہ وہ کتنا ہی قلیل کیوں نہ ہو) واجب الادا ہونے کی صورت میں زوجہ کے لیے مرد کو مجامعت سے روکنے کا حق حاصل ہوگا۔

امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک ایک بار اپنے نفس پر مرد کو قدرت دہنے کے بعد عدم اداۓ مہر (معجل) کی بناء پر

عورت وظیفہ زوجیت ادا کرنے سے انکار نہیں کر سکتی اور خود کو روک رکھنے کی مجاز نہیں ہے۔ صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) کی دلیل یہ ہے کہ زوجہ کے برضا و رغبت ایک مرتبہ وطی کر لینے سے یا خلوت صحیحہ ہو جانے سے تمام معقود علیہ مرد کے سپرد ہو گئے اور وہ خود اہل تسلیم میں سے ہو گئی اور اس کا اپنے کو روک رکھنے کا حق باطل ہو گیا۔ اس عورت کی مثال اس بائع کی طرح ہے جس نے بلا وصولی زر ثمن (ادھار) شے مبیعہ خریدار کے حوالے کر دی ہو۔^{۴۷}

صاحبین کی دوسری دلیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ وطی ہو جانے کے بعد مہر متاكد ہو جاتا ہے۔ دوسری، تیسری یا چوتھی مرتبہ وطی کرنے سے پہلا مہر مکرر اور سہ کرر نہیں ہوتا اس لیے مزید وطی بسلسلہ مہر کسی شے کے عوض نہیں ہوتی چنانچہ جس طرح ایک بار مجامعت یا خلوت صحیحہ کے بعد مہر متاكد و لازم ہو جاتا ہے اسی طرح عورت کے ایک بار اپنے نفس پر مرد کو قدرت دینے کے بعد مہر معجل کی عدم ادائیگی کی بناء پر خود کو روکے رکھنے کا اختیار بھی ساقط ہو جاتا ہے۔

صاحبین کی رائے کے خلاف دلائل :

مہر در اصل اس منافع بضع کا معاوضہ ہے جو شوہر اپنی زوجہ سے تمام وطیوں کے ذریعہ حاصل کرتا ہے اور وہ منافع بضع (استمتاع) وطیوں کے ذریعہ جاری رہتا ہے اور جس طرح عورت کو پہلی بار وطی کرنے سے روکنے کا حق حاصل ہے اسی طرح دوسری

(۳۷) وجہ قولہما انہا بالوطء مرة واحدة او بالخلوة انصحیحہ سلمت جمیع المعقود علیہ برضاها وہی من اهل التسلیم فبطل حقہا فی البضع کالبائع اذا سلم المبیع (بدائع الصنائع الکامیانی، مصر، جلد دوم، صفحہ ۲۸۹)۔

اور تیسری مرتبہ وطی کرنے سے روکنے کا بھی حق ہے چنانچہ یہ کہنا کہ پہلی بار وطی کر لینے سے عورت کا حق یا وہ اختیار ساقط ہو گیا غلط ہے کیونکہ اصل معاہدہ مہر معجل کا ہے وہ معاہدہ اپنے اثرات و نتائج کے لحاظ سے علیٰ حالہ قائم و باقی رہتا ہے۔ عورت کے ایک یا ایک سے زیادہ بار مرد کو اپنے نفس پر قدرت دے دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ عورت نے معاہدہ مہر معجل کو بدل دیا ہے اور اس کے اثرات و نتائج میں اس وطی کے سبب خود بخود کوئی تبدیلی رونما ہو گئی ہے۔ دراصل اس کو عورت کی جانب سے مرد کے حق میں ایک عارضی رعایت کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا، نہ کہ اسقاط حق کا موجب کوئی فعل۔ اس کی نوعیت ایک عارضی وصف کی ہے جس سے عورت کے اصل حق پر باعتبار نتیجہ کوئی اثر نہیں پڑتا۔ وہ اپنی مرضی سے اس وصف کو جب چاہے دور کر سکتی ہے اور اپنے اصل حق کی بناء پر تا اداۓ زر مہر (معجل) مرد کو مزید استمتاع سے باز رکھ سکتی ہے۔ یہ کہنا کہ ایک بار اپنے نفس پر قدرت دینے سے اس کا حق ساقط ہو گیا اور چونکہ جو (حق) ایک مرتبہ ساقط ہو جائے وہ نہیں لوٹ سکتا اس کا اطلاق موجودہ صورت پر نہیں کیا جا سکتا کیونکہ عورت کے اپنے نفس پر قدرت دے دینے سے اس کا حق ساقط نہیں ہوا، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس وطی کی حد تک مؤخر ہو گیا۔

صاحبین کی رائے کے خلاف ایک دوسری دلیل یہ دی جا سکتی ہے کہ عورت کو اپنے نفس کو مرد سے روکنے کا اختیار اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کہ اس نے مرد سے مہر معجل کی ادائیگی کا مطالبہ کیا اور وہ ادا نہ کیا گیا ہو۔ لیکن اگر بلا طلب اس نے اپنے نفس پر مرد کو قدرت دے دی تو اس کے حق کے ساقط ہونے

کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

جہاں تک ایک بار مجامعت یا خلوت صحیحہ سے مہر کے متاكد ہونے کی دلیل کا تعلق ہے اس کی بنیاد اس اصول پر قائم ہے کہ حکم ایسے فعل پر لگایا جاتا ہے جو واقع ہو چکا ہو اس لیے ایک بار وطی کے بعد مہر متاكد ہو جاتا ہے۔ معدوم شے پر کوئی حکم نہیں لگایا جاتا اور نہ ہی اس شے پر کوئی حکم لگایا جاتا ہے جو مجہول ہو اس لیے ایک مرتبہ وطی کر لینے سے مہر کے موكد ہو جانے کا یہ مطلب ہرگز نہیں لیا جا سکتا کہ دوسری، تیسری یا چوتھی مرتبہ جو وطی کی جائے وہ بسلسلہ مہر کسی شے کے بغیر ہوگی۔

جہاں تک بائع کی مثال کا تعلق ہے، اس مثال کو مسئلہ کی خاص نوعیت کے پیش نظر، موجودہ صورت پر منطبق نہیں کیا جا سکتا کیونکہ بائع شے مبیعہ ایک مرتبہ دے دیتا ہے، قیمت لینے سے پہلے یا قیمت لینے کے بعد، لیکن منافع بضع کی صورت حال مختلف ہے کیونکہ مرد کا عورت سے استمتاع جاری رہتا ہے اس لیے عورت مرد کو مزید استمتاع سے باز رکھ سکتی ہے نیز یہ کہ بیع کے سلسلے میں جو اصول اشیاء سے متعلق ہوتے ہیں ان کا اطلاق اشخاص اور ان کی حیثیت پر کرنا اور ان سے وہی نتائج برآمد کرنا، ہو سکتا ہے کہ منطقی طور پر درست ہو مگر بغض اوقات اس تطبیق سے جو فقہی نتائج برآمد ہوں گے وہ نادرست اور غیر موزوں ہوں گے بالخصوص مہر کے معاملے میں جس میں فریقین کی حیثیت ایک بائع اور مشتری کی نہیں بلکہ شوہر اور زوجہ کی ہے نیز یہ کہ مہر محض ایک رقمی معاوضہ نہیں بلکہ ایک شرعی حکم بھی ہے۔

وجہ اختلاف:

اس مسئلہ میں ائمہ اور فقہاء کے درمیان اختلاف کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ صاحبین عورت کے ایک بار مرد کو اپنے نفس پر قدرت دے دینے کو یہ باور کرتے ہیں کہ اس کا حق ساقط ہو گیا جب کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک حق ساقط نہیں ہوتا بلکہ مؤخر ہو جاتا ہے۔

ہمارے نزدیک مذکورہ بالا بحث اور فقہی دلائل کی روشنی میں امام صاحب کا مذکورہ مسلک صحیح نظر آتا ہے اور اسی پر عمل کرنا چاہیے۔

ان فقہی دلائل سے قطع نظر اگر معاشرے کی تنظیم اور عورتوں کی نفسیات پر ایک نظر ڈالی جائے تو عورت کا معاشرتی تنظیم میں مرد سے بعد نکاح فوری طور پر مہر کا مطالبہ کرنا اس کی ”بے حیائی“ کے مترادف خیال کیا جائے گا اس لیے معاشرتی آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے بھی عورت کا حق باقی رہنا چاہیے خواہ مرد اس سے صحبت کر چکا ہو۔

دوسرے، یہ امر کس طرح ممکن العمل ہے کہ عورت کو حق وصولی مہر تو ہو مگر عدم ادائیگی کی بناء پر حق حبس (اپنے کو روک رکھنے کا اختیار) نہ ہو علاوہ ازیں شوہر کے مہر نہ دینے کی بناء پر عدالتی چارہ جوئی کی صورت میں جو نفسیاتی الجینین پیدا ہوں گی ان کے پیش نظر بھی یہ امر عین ترین مصدحت اور تقاضائے انصاف کے عین مطابق ہے کہ عورت کا عدم ادائے مہر کی بناء پر صورت حق حبس باقی رہے بلا اجازت اس امر کے، کہ مرد اس سے صحبت کر چکا ہے یا نہیں۔

عدالتوں کا رجحان :

ہند و پاکستان کی عدالتوں کا ایک زمانے سے یہ رجحان رہا ہے کہ بعد طلب عدم ادائے مہر معجل کی بناء پر عورت کو حق ہے کہ وہ مرد کے ساتھ رہنے یا جماع کی اجازت دینے سے انکار کر دے۔ بمقدمہ عبدالقادر بنام سلیمہ بی^{۴۸} میں اعادہ حقوق زوجیت کی ڈگری کو ادائے مہر پر موقوف کر دیا گیا۔ جس کا اتباع بمقدمہ مسماۃ صالح بی بی بنام رفیع الدین (۱۶۴ پی - آر ۱۸۸۹ غ) پنجاب چیف کورٹ کے اجلاس متفقہ میں کیا گیا۔ بمبئی، کلکتہ، مدراس، پنجاب، اور ڈھاکہ ہائی کورٹوں نے بھی اس فیصلے کا اتباع کیا اور شوہر کو اعادہ حقوق زوجیت کے مقدمات میں مشروط ڈگری دی بشرطیکہ بیوی نے عدم ادائی مہر کے عذر کو بطور جواب دہی پیش کیا ہو^{۴۹}۔

چنانچہ عدالتوں میں اب یہ مسئلہ ایک مسلمہ صورت اختیار کر گیا ہے کہ زوجہ مہر معجل کی عدم ادائیگی کی بناء پر شوہر کے ساتھ رہنے سے انکار کر سکتی ہے خواہ اس سے پہلے صحبت ہی کیوں نہ ہو چکی ہو دیگر مسلم ممالک مثلاً مصر، شام، تیونس وغیرہ میں بھی اسی پر عمل ہو رہا ہے۔

مہر کی نوعیت

۸۰۔ (۱) مہر کی نوعیت ایک قرض کی ہے جو تمام حقوق وصیت و وراثت پر مقدم ہے۔

(۲) شوہر کی وفات کے بعد بیوہ اپنا مہر متوفی کی جائداد سے وصول کر سکتی ہے۔

(۳۸) ۱۸۸۶ ع آئی، ایل، آر ۸ الہ آباد صفحہ ۱۳۹۔

(۳۹) نجم النساء بیگم بنام سراج الدین احمد اے، آئی، آر، ۱۹۳۶ ع پٹنہ

۳۶۷ اور رحیم جان بنام محمد پی ایل ڈی، ۱۹۵۵ ع لاہور ۱۲۲

نور الدین احمد بنام مسعودہ خانم پی ایل ڈی، ۱۹۵۷ ع ڈھاکہ ۲۳۲۔

تشریح

مہر در حقیقت ایک قرض کی نوعیت رکھتا ہے۔ عدم ادائیگی کی صورت میں شوہر کی وفات سے ساقط نہیں ہوتا چنانچہ بیوہ کو وہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنا مہر متوفی کی جائداد سے وصول کر لے۔ مگر اس قرض کی حیثیت ایک غیر کفالتی قرض (Unsecured Debt) کی ہے الا یہ کہ شوہر کی جانب سے کوئی باضابطہ اقرار نامہ موجود ہو یا دین مہر کا بار کفالت عدالت نے بذریعہ ڈگری جائداد پر عائد کیا ہو۔

متوفی کے ورثا دین مہر کی ادائیگی کے ذاتی طور پر ذمہ دار نہیں ہوتے بلکہ متوفی کے دوسرے قرضوں (Debts) کی طرح ہر وارث اپنے حصہ وارثت کے بقدر اس کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوتا ہے لیکن دین مہر کو تمام حقوق وصیت اور وراثت پر فوقیت حاصل ہے۔ اگر متوفی نے کوئی ترکہ نہ چھوڑا ہو جس سے دین مہر وصول کیا جاسکے تو دین مہر سوخت ہو جائے گا۔

ہند و پاکستان کی عدالتوں نے شوہر کی وفات کے بعد بیوہ کے حق مہر کے تمام حقوق وصیت و وراثت پر مقدم ہونے اور اس کی ادائیگی کے لیے ہر وارث کی ذمہ داری سے متعلق جو فیصلے وقتاً فوقتاً دیے ہیں وہ عام طور پر احکام شرعی کے مطابق ہیں۔

۸۱۔ عدم ادائے مہر کی صورت میں بیوہ کو متوفی کی جائداد پر تا ادائے مہر قبضہ رکھنے کا حق حاصل ہوگا۔

عدم ادائیگی مہر کی صورت میں بیوہ کا متوفی کی جائداد پر قبضہ رکھنے کا حق

توضیح : یہ واقعہ کہ بیوہ بر بنائے دین مہر متوفی کی جائداد پر

(۴۰) قاسم حسین بنام حبیب الرحمن '۱۹۲۹ ع انڈین اپیلز صفحات ۲۵۸-۲۵۷' ۸ پٹنہ ۹۲۶ ' ۱۱۷ انڈین کیسز صفحہ ۵۶-۱۰ ' ۱۹۲۹ ع ای آر پریوی کونسل ۱۷۳ ' محمد واجد بنام بضاعت حسین (۱۸۷۸ ع) ۵ انڈین اپیلز ۲۱۱ ' ۲۲۳-۲۲۴ ' ۳ کاکتہ ۳۰۲ -

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۸۱]

قابض ہے اس امر میں مانع نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے مہر کی وصولیابی کا مقدمہ متوفی کے ورثاء پر دائر کرے۔

تشریح

اگر زوجہ شوہر کی حیات کے زمانہ میں شوہر کی کسی جائداد یا اس کے کسی حصہ پر بلا شرکت غیرے قابض ہو تو شوہر کی وفات کے بعد تا ادائے زر مہر اس کو بلا منظوری وارثان اس جائداد پر قبضہ رکھنے کا اختیار حاصل ہے۔

مگر شرط یہ ہے کہ قبضہ بطریق جائز بلا کسی جبر یا فریب کے حاصل کیا گیا ہو۔

مزید شرط یہ ہے کہ اس قبضے کی حیثیت حق رهن کی طرح نہیں ہے اور نہ ہی اس سے مالکانہ حقوق پیدا ہوتے ہیں۔

جائداد پر قبضہ رکھنے کے دوران زوجہ کو اس امر کا اختیار حاصل ہوگا کہ وہ اپنے مہر کی وصولی کے لیے وارثان پر مقدمہ دائر کر سکے۔

مہر کی وصولیابی کا مقدمہ دائر کرنے کی صورت میں اس کے لیے اس کی آمادگی کا اظہار لازمی ہوگا کہ وہ مہر وصول ہو جانے کے بعد جائداد پر سے (جو بر بنائے دین مہر ہے) اپنا قبضہ اٹھا لے گی۔^{۴۱}

(۴۱) مینا بی بی بنام چودھری وکیل (۱۹۲۵ع) ۵۲ انڈین ایپلز ۱۳۵، ۴۷
الہ آباد ۲۵۰، ۸۶ انڈین کیسز ۵۷۹۔

شرح
قانون نكح

دسوال باب

نّفقہ

۸۳۔ نفقہ جس زوجہ کا معاوضہ ہے جس میں خوراک ، لباس اور مکان شامل ہیں ۔

نّفقے کی تعریف

تشریح

نّفقے کے لفظی معنی اخراج کے ہیں ۔ لغت میں نفقہ اس شے کو کہتے ہیں جو انسان اپنے عیال وغیرہ پر صرف کرتا ہے ۔ یہ لفظ خود اسم مشتق ہے ۔ النّفوق یا نفاق یا نفق سے مشتق نہیں ہے^۱۔ لیکن فقہی اصطلاح میں ایک شخص کا دوسرے کی محنت کے معاوضہ میں اس کی ضروریات زندگی فراہم کرنا نفقہ کہلاتا ہے^۲۔ شوہر کو شرع نے یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنی زوجہ کو اپنے پاس روکے رکھے ، جس کا معاوضہ نفقہ کی صورت میں ادا کرنا واجب ہے ۔ اس کا وجوب قرآن کریم کی آیات ”لینفق ذو سعة من سعته ومن قدر علیہ رزقہ فلینفق مما آتاه اللہ۔“^۳ ”اسکنوہن من حیث سکنتم من وجد کم۔“^۴ اور ”رزقهن وکسوتهن با لمعروف“^۵ سے ثابت ہے ۔

-
- (۱) بحر الرائق ، مصر ، جلد ۴ ، صفحہ ۱۸۸ ۔
(۲) کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعہ ، مؤلفہ عبدالرحمن الجزیری ، مطبوعہ مصر ، جلد ۴ ، صفحہ ۵۵۳ ۔
فتح القدير ، جلد ۳ ، مصر ، صفحہ ۳۲۱ ۔
(۳) پارہ ۲۸ ، سورة الطلاق ، رکوع ۱ ۔
(۴) پارہ ۲۸ ، سورة الطلاق ، رکوع ۱ ۔
(۵) پارہ ۲ ، سورة البقرہ ، رکوع ۳۱ ۔
فتح القدير جلد ۳ مطبوعہ مصر ، صفحہ ۳۲۱ ۔
بحر الرائق مصر ، جلد ۴ ، صفحہ ۱۸۸ ۔

نفتہ سے بالعموم تین چیزیں یعنی خوراک، لباس اور مسکن مراد لی جاتی ہیں لیکن اس میں دیگر ضروری اشیاء مثلاً صابن، تیل، پانی، دوا وغیرہ اور دیگر اشیاء جو عورت کے گزارہ اور آرام و آسائش کے لیے ضروری ہوں، شامل ہیں۔^۶

مرد پر لازم ہے کہ وہ عورت کو پکا ہوا کھانا دے اور سلا ہوا لباس۔ عورت روٹی سالن پکانے پر مجبور نہیں کی جا سکتی۔ اور نہ ہی لباس سینے پر مجبور کی جا سکتی ہے۔ مرد پر واجب ہے کہ وہ عورت کو علیحدہ مکان میں رکھے یا مکان کے کسی علیحدہ حصے میں، جس کا راستہ علیحدہ ہو۔^۸ البتہ اگر وہ چاہے تو خود اپنی مرضی سے شوہر کے والدین یا رشتہ داروں کے ساتھ رہ سکتی ہے۔^۹

نفتے کی شرعی حیثیت

۸۴۔ شوہر پر اپنی زوجہ کا نفقہ ہر بنائے تسلیم نفس واجب ہے۔

تشریح

نفتے کے واجب ہونے کے تین اسباب ہوتے ہیں:

- ۱۔ ازدواج،
- ۲۔ قرابت، اور
- ۳۔ ملک۔

-
- (۶) فتاویٰ عالمگیری (عربی) مطبوعہ ہند، جلد ۲، صفحہ ۱۴۴۔
 شرح وقایہ (اردو ترجمہ) مطبوعہ لاہور، صفحہ ۴۹۱۔
 کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، مؤلفہ عبدالرحمن الجزیری، مطبوعہ مصر، صفحہ ۵۵۳۔
- (۷) بحر الرائق جلد ۴ صفحہ ۲۰۰۔ فتاویٰ قاضی خان، جلد ۱، ۱۹۶ - ۱۹۸
- (۸) فتاویٰ عالمگیری (عربی) مطبوعہ ہند، جلد ۲، صفحہ ۱۴۷۔
- (۹) شرح وقایہ (اردو ترجمہ) مطبوعہ لاہور، صفحہ ۴۹۱۔
- فتاویٰ عالمگیری، مطبوعہ ہند، جلد ۲، صفحہ ۱۴۷۔
- فتاویٰ قاضی خان، مطبوعہ ہند، جلد ۱، صفحہ ۱۹۶۔

شوہر پر زوجہ کے نفقہ کا وجوب ازدواج سے پیدا ہوتا ہے۔
 نفقہ کے واجب ہونے کا دوسرا سبب قرابت ہے مثلاً اولاد یا والدین
 کا نفقہ، نفقہ کا تیسرا سبب ملک ہے جیسے غلام یا کنیز کا نفقہ۔^{۱۰}
 زوجہ کی نفقہ کی بنیاد یہ ہے کہ وہ محض نکاح ہو جانے سے
 لازم نہیں ہوتا بلکہ عورت کے تسلیم نفس سے واجب ہوتا ہے۔^{۱۱}
 یعنی جب عورت مرد کی قید اختیار میں آجاتی ہے تو مرد کے ذمہ
 نفقہ واجب ہو جاتا ہے۔ لیکن اس ضمن میں اصول یہ ہے کہ اگر
 مرد خود اپنی کسی مجبوری کی بناء پر عورت کو پاس نہ رکھ
 سکتا ہو مثلاً جہاں کے قابل نہ ہو، یا اپنی خواہش سے عورت
 کو اپنے پاس نہ رکھے تو اس سے عورت کے حق نفقہ پر کوئی اثر
 نہیں پڑے گا۔

شوہر پر لازم ہے کہ وہ اپنی زوجہ کے ساتھ معروف طریقے
 سے پیش آئے اور حسن سلوک کا ثبوت دے، اس کے آرام و آسائش
 اور نفقہ کا خیال رکھے۔^{۱۲}

اگر کسی مرد کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو اسے چاہیے
 کہ منجملہ دیگر امور کے نفقہ کے معاملے میں بھی ان میں عدل و
 مساوات قائم کرے، باکرہ ثیبہ، نئی یا پرانی، مسلمان یا کتایہ
 میں کوئی فرق نہ کرے اور ایک عورت کو دوسری پر ترجیح نہ

(۱۰) کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ مؤلفہ عبدالرحمان الجزیری، جلد ۴،

صفحہ ۵۵۳۔

بحر الرائق، جلد ۴، صفحہ ۱۸۸۔

ردالمحتار، مصر، جلد ۲، باب النفقہ، صفحہ ۶۷۶۔

(۱۱) فتاویٰ قاضی خاں، مطبوعہ ہند، جلد ۱، صفحہ ۱۹۵۔

بحر الرائق، مطبوعہ مصر، جلد ۴، صفحہ ۱۹۴۔

(۱۲) احکام الشریعۃ فی الاحوال الشخصیہ، مصر، دفعہ ۱۵۰۔

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۸۵]

دے خواہ ان میں سے کوئی زوجہ صحت مند ہو یا بیمار، حائضہ ہو یا غیر حائضہ۔^{۱۳}

شرائط وجوب

۸۵۔ مرد پر حسب ذیل صورتوں میں اپنی زوجہ کا نفقہ واجب ہے۔

(۱) جب کہ نکاح صحیح ہو۔

(۲) جب کہ عورت نے خود کو مرد کے اختیار میں دے دیا ہو۔

(۳) جب کہ زوجہ مشقتِ جاع کو برداشت کر سکتی ہو، خواہ شوہر نابالغ ہو یا اس سے صحبت کرنے پر قادر نہ ہو۔

(۴) جب کہ زوجہ اپنے باپ کے گھر میں مقیم ہو مگر شوہر نے اسے اپنے گھر آنے کی دعوت نہ دی ہو اور بغیر وجہ جائز کے گھر بلانے سے منع کرتا ہو۔

(۵) جب کہ عورت بر بنائے عدم ادائیگی مہر معجل یا کسی دیگر جائز سبب کی بناء پر شوہر کے گھر آنے سے انکاری ہو، خواہ صحبت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

تشریح

نکاح صحیح :

مرد پر عورت کے نفقے کے واجب ہونے کا ایک سبب "نکاح" ہے۔ لیکن نکاح صحیح ہونا چاہیے۔^{۱۴} نکاح فاسد ہونے کی صورت میں عورت نفقے کی مستحق نہ ہوگی، مساوائے نکاح

(۱۳) احکام الشریعہ فی الاحوال الشخصیہ، مصر، دفعات ۵۳-۱۵۳۔

فتاویٰ قاضی خان، مطبوعہ ہند، جلد ۱، صفحہ ۱۹۵۔

(۱۴) کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعہ مؤلفہ عبدالرحمن الجزیری مصر

جلد ۳، صفحہ ۵۶۵۔

احکام الشریعہ فی الاحوال الشخصیہ مطبوعہ مصر، دفعہ ۱۶۲۔

بلا شہود کے - ۱۵

جماع :

عورت کے نفقے کے لیے اصلاً اس کی عمر کا اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ وہ جماع کی مشقت کو برداشت کر سکتی ہے یا نہیں۔ اگر برداشت کر سکتی ہے تو نفقہ واجب ہوگا خواہ مرد نابالغ ہو اور اس سے صحبت پر قادر نہ ہو۔ ۱۶

قید اختیار :

عورت کے خود کو مرد کی قید اختیار میں دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے نفس کو مرد کے حوالے کر دیا ہے۔ ۱۷ اگر زوجہ کو بلاوجہ جائز شوہر اپنے گھر نہ بلائے اور زوجہ اپنے والدین کے مکان پر سکونت رکھتی ہو تو اس سے زوجہ کا حق نفقہ متاثر نہ ہوگا۔ ۱۸

مہر معجل کی عدم ادائیگی اور نفقے کا لزوم :

اگر مہر معجل ادا نہ کیا گیا ہو یا مہر میعادى ہو اور وہ میعاد پوری ہو چکی ہو مگر مہر ادا نہ کیا گیا ہو اور اس کے سبب عورت شوہر کے ساتھ رہنے سے انکاری ہو تو اس کا یہ انکار

(۱۵) کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعہ ، مؤلفہ عبدالرحمن الجزیری مطبوعہ مصر ، جلد ۴ صفحہ ۵۶۵ -

احکام الشریعہ فی الاحوال الشخصیہ مطبوعہ مصر ، دفعہ ۱۶۲ -

بحر الرائق ، مصر ، جلد ۴ ، صفحہ ۱۹۴ -

فتاویٰ قاضی خاں ، مطبوعہ ہند ، جلد ۱ ، صفحہ ۱۹۵ -

فتاویٰ عالمگیری (عربی) مطبوعہ ہند ، جلد ۲ ، صفحہ ۱۴۲ -

(۱۶) قدوری ، مطبوعہ کراچی ، صفحہ ۱۷۳ -

(۱۷) قدوری ، مطبوعہ کراچی ، صفحہ ۱۷۳ -

بحر الرائق ، مصر ، جلد ۴ ، صفحہ ۱۹۴ -

(۱۸) بحر الرائق ، مصر ، جلد ۴ ، صفحہ ۱۹۴ -

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۸۶]

وجہ جائز پر محمول کیا جائے گا۔ اور اس کے حق نفقہ پر کوئی اثر نہ پڑے گا خواہ مرد نے اس عورت سے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو۔ ۱۹۔

اسی طرح اگر عورت کسی وجہ جائز مثلاً شوہر کی بے رحمی وغیرہ کے سبب اس کے گھر آنے یا اس کے ساتھ رہنے سے انکاری ہو تو اس کے حق نفقہ پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔

نقحے کا عدم وجوب

۸۶۔ حسب ذیل صورتوں میں مرد پر عورت کا نفقہ واجب نہ ہوگا۔

(۱) جب کہ زوجہ اتنی کم عمر ہو کہ جماع کی مشقت کو برداشت نہ کر سکے، لیکن اگر زوجہ پاگل ہو جائے یا ایسی بڑھیا ہو جائے کہ جماع کے قابل نہ رہے تو نفقہ کا وجوب قائم رہے گا۔

(۲) جب کہ عورت اس قدر بیمار ہو کہ بعد عقد رخصت ہو کر مرد کے گھر نہ آسکتی ہو، لیکن اگر شوہر کے گھر میں بیمار ہو تو نفقہ واجب ہوگا۔

(۳) جب کہ عورت شوہر کی اجازت کے بغیر حج کو جائے الا یہ کہ حج واجب ہو۔

(۴) جب کہ عورت کاریگر یا سلازم ہو اور شوہر کے منع کرنے کے باوجود گھر سے باہر رہتی ہو۔

(۵) جب کہ عورت قید میں ہو، البتہ شوہر کے قید میں ہونے کے سبب عورت اپنے نفقہ کے حق سے محروم نہ ہوگی۔

(۶) جب کہ عورت ناشزہ (نافرمان) ہو اور شوہر کی اجازت

کے بغیر بلا وجہ جائز اس کے گھر سے نکل جائے یا اگر مکان عورت کی ملکیت ہو تو شوہر کو مکان میں داخل ہونے اور اپنے ساتھ رہنے سے منع کرے۔

توضیح : عورت اگرچہ ناشزہ (نافرمان) ہو مگر شوہر کے گھر میں رہتی ہو تو بغرض نفقہ ناشزہ نہیں کہلائے گی خواہ وہ مرد کو ہم بستر ہونے سے منع کرتی ہو۔

(۷) نکاح فاسد میں وطی بالشبہ کی صورت میں فساد نکاح ظاہر ہو جانے پر ، ماسوائے نکاح بلا شہود کے ۔

(۸) جب عورت بلا وجہ جائز شوہر سے علیحدہ رہے یا اس کے ساتھ دوسرے شہر جانے سے انکار کرے ۔ الایہ کہ سہر معجل ادا طلب ہو یا کوئی معاہدہ جائز ماہین فریقین موجود ہو ۔

(۹) جب کہ عورت مرتد ہو گئی ہو ۔

(۱۰) جب کہ تفریق عورت کی معصیت کے سبب واقع ہوئی ہو ۔

(۱۱) جب کہ بوجہ وفات عدت میں ہو ۔

استثناء : اگر بیوہ حاملہ ہو تو وضع حمل تک نفقہ واجب ہوگا ۔

(۱۲) جب کہ کوئی عورت کو غصب کر کے لے جائے ۔

تشریح

نفقہ کی بنیاد ”احتباس“ پر ہے۔ اگر عورت بالغ ہو ، خواہ مرد اس سے صحبت پر قادر ہو یا نہ ہو ، اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ واجب ہوگا۔ لیکن اگر زوجہ سے اس کی کم عمری کے سبب مجامعت ممکن نہ ہو تو شوہر پر اس کا نفقہ واجب نہ

ہوگا۔^{۲۰} لیکن زوجہ کے پاگل پن یا بڑھاپے کے سبب جماع کے قابل نہ رہنے کی بناء پر اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ واجب رہے گا۔^{۲۱}

بیماری :

عورت کی بیماری کے سبب اس وقت نفقہ واجب نہ ہوگا جب کہ وہ اس قدر بیمار ہو کہ عقد کے بعد رخصت ہو کر شوہر کے گھر نہ آسکتی ہو لیکن زفاف کے بعد بیماری کے سبب نفقے کا عدم وجوب قائم نہ رہے گا۔^{۲۲} اسی طرح اگر زوجہ شوہر کے گھر میں بیمار ہو تب بھی نفقہ کا حق متاثر نہ ہوگا۔ خواہ وہ بیمار ہو کر (بعد دخول) میٹھے چلی گئی ہو اور بیماری کے

(۲۰) "فان كانت لا تجامع لا نفقة لها" - فتاویٰ قاضی خاں، مطبوعہ ہند جلد ۱ صفحہ ۱۹۳ -

"فان كانا صغيرين لا يطيقان الجماع لا نفقة لها" فتاویٰ قاضی خاں، مطبوعہ ہند، جلد ۱ صفحہ ۱۹۵ -

فتح القدير، جلد ۳، مصر، صفحہ ۳۲۳ -
عنايه بر حاشيه فتح القدير جلد ۳ صفحہ ۳۲۳ -

(۲۱) شرح وقایہ (اردو ترجمہ) مطبوعہ لاہور، فتح القدير، جلد ۳، صفحہ ۳۲۷ -

(۲۲) "المريضة التي لم تزف الى زوجها ولم يمكنها الانتقال اصلاً لا نفقة لها" - دفعہ ۱۶۷، الاحکام الشریعہ فی الاحوال الشخصیہ، مصر -

"اذا مرضت المرأة مرضاً يمنع من مباشرتها بعد الزفاف والنتلة الى منزل زوجها او قبلها ثم انتقلت اليه وهي مريضة او لم تنتقل ولم تمنع نفسها بغير حق فلها النفقة عليه" - دفعہ ۱۶۳، الاحکام الشریعہ فی الاحوال الشخصیہ، مصر -

"ولانفقة للمريضة اذا لم تزف الى بيت زوجها فان زفت قالوا انها النفقة --- واذا زفت المرأة الى زوجها وهي صحيحة مرضت في بيت الزوج مرضاً لا يحتمل الجماع ان كان بنى بها كان لها النفقة --- مرضاً لا يحتمل الجماع لا نفقة لها" -

فتاویٰ قاضی خاں، مطبوعہ ہند، جلد ۱، صفحہ ۹۵-۱۹۳ -

سبب شوہر کے گھر نہ آسکتی ہو۔^{۲۳}

سفر حج :

اگر زوجہ شوہر کی اجازت کے بغیر حج کو جائے، خواہ حج واجب ہی کیوں نہ ہو، تو احناف کے نزدیک مرد پر عورت کا نفقہ واجب نہ ہوگا۔ امام محمد کے نزدیک اگر عورت محرم کے ساتھ حج کو جائے تب بھی نفقہ واجب نہ ہوگا لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک عورت کو قیام کا نفقہ ملے گا۔^{۲۴} لیکن شیعوں کے نزدیک حج کے واجب ہونے کی صورت میں زوجہ نفقے سے محروم نہ ہوگی۔^{۲۵} ہمارے نزدیک فریضہ حج کے واجب حج ہونے کی صورت میں اس کی ادائیگی میں شوہر کو منع کرنے کا حق بلا وجہ جائز نہ ہونا چاہیے اور محض عدم اجازت کی صورت میں (جب کہ وہ بلا وجہ جائز ہو) زوجہ نفقے سے محروم نہ ہوگی۔ کیونکہ بلا وجہ جائز شوہر کی اجازت کے مقابلے میں حج کے رکن اسلام ہونے کے سبب شرعی مصلحت مقدم ہونی چاہیے۔

ملازمت وغیرہ :

اگر زوجہ شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر رہ کر

(۲۳) "ولو مرضت المرأة في بيت زوجها بعد الدخول فانتقلت الى دار ابائها - - - وان كان لا يمكن نقلها فتمها النفقة" - فتاویٰ قاضی خان 'مطبوعہ ہند' جلد ۱ صفحہ ۱۹۵ -

(۲۴) "لزوجة التي تسافر الى الحج ولو لا داء فریضہ بدون ان یکون معها زوجها لا نفقة لها عليه مدة غيابها و ان سافرت مع محرم لها" - دفعہ ۱۶۸ 'الاحکام الشریعہ فی الاحوال الشخصیہ' مصر 'بحر الرائق' جلد ۳ صفحہ ۱۹۷ - فتح القدير 'مطبوعہ مصر' جلد ۳ صفحہ ۳۲۶ - فتاویٰ قاضی خان 'مطبوعہ ہند' جلد ۱ صفحہ ۱۹۶ -

(۲۵) جامع الاحکام فی فقہ الاسلام 'مطبوعہ لکھنؤ' ۱۸۸۳ ع جلد ۱ صفحہ ۲۱۵ -

ملازمت یا حصول معاش کے لئے کوئی کام کرتی ہو تو مرد پر
زوجہ کا نفقہ واجب نہ ہوگا کیونکہ بنیادی طور پر نفقہ کا لزوم
”احتباس“ کی بناء پر ہے۔ ۲۶

بجالت قید :

جب عورت قید میں ہو اور شوہر کے لیے اس تک رسائی ممکن نہ
ہو تو شوہر کے ذمہ نفقہ واجب نہ ہوگا۔ لیکن اگر مرد قید
میں ہو تو عورت کا حق نفقہ متاثر نہ ہوگا۔ ۲۷

نشوز (نافرمانی) :

عورت نافرمان ہونے کے سبب نفقہ کے حق سے محروم ہو
جاتی ہے یعنی یہ کہ وہ اس کی اجازت کے بغیر اور بلا کسی وجہ
جائز کے شوہر کے گھر سے نکل جائے۔ ۲۸ لیکن اگر عورت شوہر
کے گھر میں مقیم ہو مگر اس کو وطی نہ کرنے دے تو ناشزہ
نہ کہلانے گی۔ ۲۹

(۲۶) الاحکام الشریعة فی الاحوال الشخصیہ، مصر، دفعہ ۱۶۹ -

قدوری (عربی) صفحہ ۱۷۶ -

بحرالرائق، مطبوعہ مصر، جلد ۴ صفحات ۱۹۰، ۱۹۶ -

(۲۷) فتاویٰ قاضی خاں، مطبوعہ ہند، جلد ۱، صفحہ ۱۹۶ -

احکام الشریعة فی الاحوال الشخصیہ، مصر، دفعہ ۱۷۰ -

قدوری، صفحہ ۱۷۲ -

بحرالرائق، مطبوعہ مصر، جلد ۴، صفحہ ۱۹۶ -

(۲۸) ”والناشزة لا نفقة لها وهي التي خرجت عن منزل الزوج بغير اذنه بغير

حق -“ فتاویٰ قاضی خاں، مطبوعہ ہند، جلد ۱، ۱۹۵ -

احکام الشریعة فی الاحوال الشخصیہ، مصر، دفعہ ۱۷۱ -

قدوری، صفحہ ۱۷۳ -

ردالمحتار در المختار، مطبوعہ مصر، جلد ۲، صفحہ ۶۶۳ -

(۲۹) ”ولو كانت مقيمة في منزله ولم تتمكنه من الوطی لا تكون ناشزة“ فتاویٰ

قاضی خاں، مطبوعہ ہند، جلد ۱، صفحہ ۱۹۵ -

عورت کے نفقے کا وجوب نکاح صحیح کی صورت میں ہے چنانچہ نکاح فاسد کی صورت میں (ماسوائے نکاح بلا شہود کے) نفقہ کا وجوب صرف اس وقت تک ہے جب تک فساد ظاہر نہ ہو۔ فساد ظاہر ہو جانے کے بعد طرفین پر تفریق لازم ہوگی اور نفقے کا وجوب ختم ہو جائے گا۔^{۲۰}

نفقے کے لزوم کے لیے زوجہ کا بصورت ممکنہ شوہر کے ساتھ رہنا ضروری ہے۔ چنانچہ اگر عورت بلا کسی جائز وجہ کے شوہر کے ساتھ نہ رہے یا اس کے ساتھ رہنے سے انکاری ہو تو وہ نفقے کی مستحق نہ ہوگی۔^{۲۱} البتہ اگر شوہر شہر سے باہر لے جانا چاہے اور مابین زوجین کوئی ایسا معاہدہ موجود ہو جس کے تحت شوہر زوجہ کو شہر سے باہر نہ لے جانے کا پابند ہو اور اس صورت میں زوجہ باہر جانے سے انکاری ہو تو وہ نفقے سے محروم نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر زوجہ شوہر کے ساتھ رہنے سے اس بناء پر انکاری ہو کہ اس کا مہر معجل ادا طلب ہے تو اس صورت میں بھی اس کے حق نفقہ پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔^{۲۲}

ارتداد:

زوجہ کے مرتد ہو جانے کے سبب اس کا حق نفقہ ساقط ہو

(۳۰) "المنكوحة نكاحاً فاسداً والموطوءة بشبهة لا نفقة لهما الا المنكوحة بلا

شہود فاذا فرض الحاكم لا حداها نفقة قبل ظهور فساد النكاح و فرق

بينهما فللزوجة الرجوع عليهما بما اخذته منه بامر الحاكم لا بما اخذته

بلا أمره" - الاحكام الشرعية في الاحوال الشخصية ' دفعہ ۱۷۴ -

ردالمحتار در مختار ' مطبوعہ مصر ' جلد ۲ ' صفحہ ۶۶۱ -

(۳۱) فتح القدير ' جلد ۳ ' صفحہ ۳۲۶ -

ردالمحتار ' مطبوعہ مصر ' جلد ۲ ' صفحہ ۶۶۳ -

(۳۲) ملاحظہ ہو دفعہ ۸۰ شرح قانون مہر مجموعہ ہذا -

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۸۶]

جاتا ہے۔ ۴۲ چونکہ ارتداد کے سبب نکاح فسخ ہو جاتا ہے اس لیے نفقہ کا حکم بھی ساقط ہو جاتا ہے۔ اس کی بنیاد اس اصول پر قائم ہے کہ زوجین میں سے کسی کا مرتد ہو جانا ملک نکاح کے منافی ہے۔

معصیت زوجہ :

عورت کا حق نفقہ اس صورت میں ساقط ہو جائے گا جب کہ تفریق عورت کی معصیت کے سبب واقع ہوئی ہو۔ مثلاً عورت سے شوہر کے خاندان کے محارم کے ساتھ کوئی ایسا فعل سرزد ہو جس سے حرمت مصاہرت لازم آئے تو عورت کا نفقہ کا حق ساقط ہو جائے گا اور زوجین میں تفریق کرانا لازم ہوگا۔ ۴۳

زمانہ عدت :

زوجہ کے بہ زمانہ عدت نقتی کے سلسلے میں دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ بوجہ وفات عدت میں ہو اور دوسرے یہ کہ وہ بسبب طلاق عدت میں ہو۔ بوجہ وفات عدت میں ہونے کی صورت میں نفقہ واجب نہیں ہوتا ۴۴ البتہ بوجہ طلاق زمانہ عدت میں نفقہ کے احکام میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

احناف کے نزدیک اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو طلاق دے دے خواہ طلاق رجعی ہو یا بائن، تو مرد پر اس عورت کا نفقہ

(۳۳) ردالمحتار، مطبوعہ مصر، جلد ۲، صفحہ ۶۶۳۔

قدوری، صفحہ ۱۷۴۔

کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، جلد ۳، صفحہ ۵۶۷۔

(۳۴) کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ مولفہ عبد الرحمن الجزیری، جلد ۳، صفحہ ۵۶۷۔

ردالمحتار، مطبوعہ مصر، جلد ۲، صفحہ ۶۶۳۔

(۳۵) کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ مصر، جلد ۳، صفحہ ۵۶۷۔

عدت کے ختم ہونے تک واجب رہے گا۔ لیکن امام شافعی کے نزدیک زمانہ عدت میں مرد پر عورت کا نفقہ واجب نہیں ہے۔ امام شافعی اپنے دعوے کی دلیل میں فاطمہ بنت قیس والی حدیث پیش کرتے ہیں کہ اس کے شوہر نے تین طلاقیں دی تھیں مگر رسول اللہ صلعم نے فاطمہ کے واسطے کوئی نفقہ مقرر نہیں کیا تھا۔ احناف کے قول کے مطابق اس حدیث کو حضرت عمر اور حضرت عائشہ اور کبار تابعین نے رد کر دیا ہے۔ طحاوی اور دارقطنی نے حضرت عمر کی روایت سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضرت عمر نے سنا کہ رسول اللہ صلعم فرماتے تھے کہ مطلقۃ الثلاث کے لیے نفقہ اور مسکن ہے۔^{۳۶}

صحیح تو شرعی حکم :

اس ضمن میں احناف کا مسلک قابل ترجیح ہے کیونکہ عورت طلاق رجعی کی صورت میں مرد کے نکاح میں رہتی ہے، مرد جب چاہے اس سے رجوع کر سکتا ہے اور وہ اس کے نکاح سے کلیتہً آزاد نہیں ہوئی اس لیے مرد پر نفقہ واجب ہونا چاہیے، نیز طلاق بائن یا طلاق ثلاثہ کی صورت میں اگرچہ زوجہ اس مرد کے نکاح سے خارج ہو جاتی ہے لیکن دوران عدت کسی دوسرے مرد سے نکاح نہیں کر سکتی، اس بناء پر نفقہ کا وجوب باقی رہنا چاہیے۔

زوجہ مفسوبہ کا نفقہ :

اگر زوجہ کو کوئی شخص غصب کر کے لے جائے تو مرد پر اس عورت کا نفقہ واجب نہیں رہتا^{۳۷} کیونکہ شوہر کا حق استمتاع معطل ہو جاتا ہے۔

(۳۶) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح القدیر باب النفقات، جلد ۳، مطبوعہ مصر

(۳۷) قدوری، صفحہ ۱۷۳۔

کنز الدقائق، مطبع مجتہد، دہلی، صفحہ ۱۵۲۔

ردالمحتار، مصر، جلد ۲، صفحہ ۶۶۶۔

مجموعہ قوانین اسلام [دفعہ ۸۷

۸۷۔ زوجہ کے نفقے کے تعین میں شوہر اور زوجہ دونوں کے مرتبے اور حیثیت کا لحاظ کیا جائے گا۔ اگر دونوں کی حیثیت میں فرق ہو تو اوسط درجے کا نفقہ دلایا جائے گا۔

تشریح

حنفیوں کے نزدیک نفقہ میں عورت کے مرتبے اور حیثیت کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ جب کہ شافعیہ مرد کے رتبہ اور حیثیت کا لحاظ کرتے ہیں لیکن صحیح تر یہ ہے کہ دونوں کی حیثیت مدنظر رکھی جائے۔ ۲۸

اگر عورت مالدار ہو اور مرد تنگ دست، تو حنفیہ کے نزدیک مفتی بہ قول یہ ہے کہ اس پر متوسط درجے کا نفقہ واجب ہوگا، لیکن شافعیہ کے نزدیک جیسا کہ قرآن پاک میں آیا ہے لیسفق ذوسعة من سعته^{۱۴۹}، اس پر تنگ دست کا نفقہ واجب ہوگا۔

۸۸۔ عورت کو حق ہوگا کہ وہ شوہر سے گزشتہ زمانے کے نفقہ کے جائز اخراجات کی ادائیگی کا مطالبہ کرے۔

گزشتہ زمانے کا نفقہ

تشریح

احناف کے نزدیک عورت گزشتہ زمانے کے نفقے کا مطالبہ نہیں کر سکتی الا یہ کہ باہمی ایسی کوئی قرار داد یا عدالتی لگاری موجود ہو، لیکن شافعیہ کے نزدیک عورت کو گزشتہ زمانے کے

(۲۸) شرح وقایہ (اردو ترجمہ) مطبوعہ لاہور ۳۸۸۔

فتح القدير، مطبوعہ مصر، صفحہ ۳۲۲۔

ردالمحتار، مطبوعہ مصر، باب النفقہ، جلد ۲، صفحہ ۶۶۳۔

فتاویٰ عالمگیری، مطبوعہ ہند، جلد ۲، صفحہ ۱۳۳۔

(۳۹) پارہ ۲۸، سورۃ الطلاق، رکوع ۱۔

نفقے کی ادائیگی کا حق حاصل ہے۔^{۴۰} امام مالک و احمد ابن حنبل کا بھی یہی قول ہے۔^{۴۱} اس باب میں ائمہ ثلاثہ کا مذہب قرین مصلحت ہے۔

۸۹۔ اگر شوہر غائب ہو تو زوجہ شوہر کے نام پر قرضہ لے کر اپنا نفقہ مہیا کر سکتی ہے اور قرض خواہ اس کے شوہر سے وصول کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ نفقہ عدالت کی جانب سے مقرر کردہ ہو۔

مرد کے غیاب میں
نفقہ

تشریح

احناف کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اگر عدالت نے عورت کا نفقہ مقرر کر دیا ہے مگر مرد غائب ہے اور عورت کو نفقہ نہیں دیتا اور نہ ہی مرد کی کوئی جائداد یا کاروبار ایسا ہے جس سے عورت اپنے نفقے کا انتظام کر سکتی ہو تو اس کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ مرد کے نام پر قرض لے کر اپنے نفقے کے اخراجات پورے کرے بشرطے کہ نفقہ عدالت کا مقرر کردہ ہو لیکن امام مالک، امام شافعی، امام احمد ابن حنبل کا مسلک یہ ہے کہ عورت کا مرد کے غائب ہونے کے سبب قرض لینے کا اختیار مطلق (Absolute) ہے۔ اس لیے ضروری نہیں کہ نفقہ پہلے سے عدالت کا مقرر کردہ ہی ہو۔^{۵۲}

(۴۰) قدوری صفحہ ۱۷۳۔

کنز الدقائق، مصر، صفحہ ۱۵۳۔

ردالمحتار، مصر، جلد ۲، باب النفقہ، صفحہ ۲۷۶۔

بحر الرائق، مصر، جلد ۳، باب النفقہ، صفحہ ۲۰۲۔

(۴۱) مجمع الانهر، مصر، جلد ۱، صفحہ ۳۹۸۔

(۴۲) مجمع الانهر، مصر، جلد ۱، صفحہ ۳۹۸۔

بحر الرائق، مصر، جلد ۳، صفحہ ۲۱۳۔

لیکن احناف کا نقطہ نظر عام نفسیات انسانی کے مطابق ہے اور اسی کے مطابق عمل کیا جانا چاہیے۔

۹۰۔ اگر مرد عورت کے نفقہ کی فراہمی سے مسلسل غفلت اور کوتاہی برتتا ہو تو عورت عدالت میں نفقہ کی عدم ادائیگی کی صورت میں مرد کو قید کیے جانے کی درخواست پیش کرنے کی مجاز ہوگی۔

قید بسبب عدم ادائیگی
نفقہ

تشریح

شرع نے عورت کو یہ حق دیا ہے کہ اگر شوہر زوجہ کو نفقہ دینے سے غفلت اور کوتاہی برتتا ہو تو وہ عدالت میں شوہر کے خلاف شکایت پیش کر سکتی ہے۔ قاضی شوہر کو نفقہ کی ادائیگی کا حکم دے گا۔ اگر شوہر باوجود حکم کے نفقہ نہ دے تو قاضی کو اختیار ہے کہ وہ شوہر کو ایک مدت معینہ تک قید میں رکھنے کا حکم دے۔^{۴۳} بعض فقہاء نے عدم ادائے نفقہ کی بناء پر قید کی مدت ایک ماہ اور بعض نے تین ماہ لکھی ہے۔

۹۱۔ زوجین کے درمیان یہ معاہدہ یا زوجہ کا یہ اقرار کہ مرد پر نفقہ واجب نہ ہوگا یا وہ نفقہ نہ لے گی، باطل ہوگا۔

براء نفقہ کا معاہدہ

تشریح

شوہر کے ذمہ اپنی زوجہ کے نفقہ کی ادائیگی مقاصد نکاح کی تکمیل کا ایک وسیلہ ہے، جو مصلحت شرعی پر مبنی ہے اس لیے کوئی ایسا معاہدہ جو عورت کے اس حق کو متاثر کرتا ہو

(۴۳) مجمع الانہر، مطبوعہ مصر، جلد ۱، صفحہ ۴۹۹۔

بحر الرائق، مطبوعہ مصر، جلد ۳، صفحہ ۲۰۲۔

غیر نافذ قرار پائے گا، کیوں کہ ایسا معاہدہ صحاحمت عامہ کے
منافی ہے۔^{۴۴}

۹۲۔ کسی عورت کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ شوہر کی تنگدستی
کے سبب تفریق کی طالب ہو الّا یہ کہ حاکم عدالت اس نتیجے پر
پہنچے کہ معاش کا مستقبل قریب میں کوئی اسکان نہیں اور عورت
کے معصیت میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔

تشریح

احناف کے نزدیک اگر شوہر اپنی زوجہ کو نفتہ دینے سے
گریز کرے تو ان کے درمیان تفریق نہ کرائی جائے گی خواہ
شوہر تنگ دست ہی کیوں نہ ہو۔ احناف اپنے قول کی دلیل
میں قرآن پاک کی حسب ذیل آیت پیش کرتے ہیں :

”لینفق ذوسعة من سعة و من قدر علیہ رزقہ فلینفق مما
آتاه الله، لایکلف الله نفسا الا ما آتاها، سیجعل الله بعد
عسر یسرا۔“^{۴۵}

(یعنی کشائش والے کو چاہیے کہ اپنی کشائش کے
مطابق خرچ کرے اور جو شخص تنگی کی گئی اس پر اس کے
رزق کی، پس چاہیے کہ خرچ کرے اس چیز سے کہ دی ہے اللہ
نے اس کو، کہ نہیں تکلیف دیتا اللہ کسی نفس کو مگر جتنا کہ
دیا ہے اس کو، اللہ جلد ہی سختی کے بعد آسانی پیدا کرے گا)۔
احناف کا دوسرا استدلال یہ ہے کہ صحابہ میں فارغ البال
بھی تھے اور تنگدست بھی لیکن دور نبوی میں ایک بھی ایسی

(۴۴) بحوالہ الرائق، مطبوعہ مصر، باب النفقة، جلد ۴، صفحہ ۲۰۳۔

(۴۵) پارہ ۲۸، سورۃ الطلاق رکوع ۱۔

مثال موجود نہیں کہ شوہر کی عسرت و تنگدستی یا عدم انفاق کے سبب تفریق کرائی گئی ہو۔

چنانچہ احناف کے نزدیک اگر شوہر باوجود فارغ البالی کے اپنی زوجہ کو نفقہ دینے سے گریز کرے تو قضی تفریق کا حکم کرنے کے بجائے شوہر کو قید کر دے یا اس کے مال کو فروخت کر کے عورت کو نفقہ دلائے اور اگر عدم فراہمی نفقہ عسرت اور تنگدستی کے سبب ہو تو شوہر کو مہلت دی جانی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ تنگی کے بعد فراغت دے گا۔ چنانچہ حنفیوں کے نزدیک اگر حاکم عدالت کے سامنے ایسا مقدمہ آئے تو اولاً عورت کو مرد کے نام قرض لے کر نفقہ کے اخراجات پورے کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ شیعہ علماء بھی احناف کے نقطہ نظر سے متفق نظر آتے ہیں۔

البتہ ائمہ ثلاثہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اگر شوہر اپنی زوجہ کو نفقہ دینے سے گریز کرتا ہو تو ان کے درمیان تفریق کرا دی جائے۔ کیونکہ ایسی صورت میں ان عورتوں کو ایسے مردوں کے نکاحوں میں رکھنا ان عورتوں پر ظلم و زیادتی کے مترادف ہو گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "لا تمسکوهن ضراراً لتعتدوا"۔

(یعنی مت روکو ان کو ایذا دینے کے لیے، کہ ان کے ساتھ زیادتی کرو)

چونکہ عورت کو ایسے مرد کے نکاح میں رہنے کے لیے مجبور کرنا ظلم ہے اور ظلم کو دفع کرنا قاضی کا فرض ہے لہذا

جب شوہر زوجہ کو علیحدہ کرنے پر راضی نہ ہو تو قاضی شوہر کے قائم مقام کی حیثیت سے ان کے درمیان تفریق کا حکم دینے کا مجاز ہوگا۔

تجزیہ :

احناف کا یہ نظریہ کہ پہلے قاضی مرد کے نام پر قرض لے کر نفقے کے اخراجات پورے کرنے کا حکم دے گا عملی طور پر متعدد دشواریوں کا حامل ہے۔ اور یوں بھی نفقے کا مستقل بندوبست قرض سے نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے ہمارے نزدیک حاکم عدالت کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ وہ یہ دیکھے کہ آیا مستقبل قریب میں معاش کا کوئی امکان موجود ہے؟ اگر کوئی امکان موجود نہ ہو اور تنگی کی بناء پر اس امر کا اندیشہ ہو کہ عورت معصیت میں مبتلا ہو جائے گی تو حاکم عدالت پر لازم ہوگا کہ وہ زوجین میں تفریق کرا دے۔

امام شافعی کا نقطہ نظر، کہ مرد کی تنگدستی اور عورت کو نفقہ دینے کی عدم صلاحیت کی بناء پر تفریق کرا دی جائے، مناسب نظر آتا ہے، البتہ ایسی صورت میں شوہر کو مناسب مہلت دینا احسن ہوگا۔

تفریق کی نوعیت :

عدم ادا کے نفقہ کی بناء پر تفریق طلاق رجعی کے حکم میں داخل ہوگی۔ اگر شوہر دوران عدت عدالت میں اس امر کا قرار واقعی ثبوت پیش کر دے کہ وہ صاحب فراغت ہے اور زوجہ کو نفقہ دینے پر قادر ہے یا نفقہ دینے کے لیے آمادہ ہے^{۳۶} تو اسے

(۳۷) تفریق القاضی لعدم الانفاق يقع رجعیاً و للزوج ان یراجع زوجته فی العدة بشرط ان یثبت بسارہ و یتعد لانفاق - (قانون الاحوال الشخصیہ، شام دفعہ ۱۱۱)۔

اپنی زوجہ سے رجوع کرنے کا حق ہوگا۔ بشرطے کہ عدت کی مدت ختم نہ ہوئی ہو۔

دیگر مسلم ممالک میں :

نفقہ نہ دینے کی صورت میں تفریق کے سلسلہ میں متعدد مسلم ممالک میں بھی قانون سازی کی گئی ہے۔ چنانچہ قانون الاحوال الشخصیہ، عراق کی دفعہ ۴۵ کے تحت زوجہ کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ شوہر کے کسی عذر شرعی کے بغیر نفقہ نہ دینے کی صورت میں عدالت میں تفریق کی درخواست پیش کر سکتی ہے۔ اور عدالت شوہر کو ساٹھ یوم کی مہلت کے اندر اندر نفقہ مہیا کرنے کا حکم دے گی۔ اسی طرح نافذ الوقت مضری قانون کے تحت بھی ایک ماہ کی مہلت کے اندر اگر شوہر عورت کو نفقہ دینے سے قاصر رہے تو عدالت تفریق کا حکم دے گی بشرطے کہ شوہر کا کوئی مال ظاہراً موجود نہ ہو جس سے زوجہ نفقہ کے اخراجات پورے کر سکے۔ دفعہ ۹۱ قانون حقوق العائلۃ الاردنی کے تحت ایک سال تک عدم فراہمی نفقہ کی صورت میں عدالت تفریق کا حکم دے گی۔ دفعہ ۱۱۰ قانون الاحوال الشخصیہ، شام کے تحت زوجہ کو اس صورت میں طلب تفریق کا اختیار دیا گیا ہے جب کہ شوہر موجود ہو اور بلا کسی مجبوری کے زوجہ کو نفقہ دینے سے گریز کرتا ہو لیکن اگر وہ عدالت کے روبرو اپنی مجبوری ثابت کر دے تو عدالت اسے تین ماہ تک کی مہلت دے گی جس کے دوران نفقہ فراہم کرنا لازمی ہوگا۔ بصورت عدم فراہمی تفریق کرا دی جائے گی۔ نیز دفعہ ۱۱۱ کے تحت یہ صراحت کردی گئی ہے کہ یہ تفریق طلاق رجعی کے حکم میں داخل ہوگی اگر دوران عدت شوہر

نفقہ کا انتظام کر سکے اور زوجہ کو نفقہ فراہم کر دے تو اپنی زوجہ سے رجوع کا حق ہو گا۔

تجزیہ

پاکستان میں راج الوقت قانون انفساخ ازدواج مسلمانان، ۱۹۳۹ ع کی دفعہ ۲ ذیلی دفعہ (۲) کے تحت عورت کو اس صورت میں طلب تفریق کا حق دیا گیا ہے جب کہ شوہر دو سال تک نفقہ دینے سے انکاری رہا ہو یا اس نے فراہمی نفقہ سے غفلت برتی ہو۔

اکثر اوقات دعوے کے تصفیہ میں کئی کئی سال لگ جاتے ہیں اور عورت ایک مدت تک مصائب و آلام کا شکار رہتی ہے۔ ہمارے ملک کے مخصوص حالات کے پیش نظر جب کہ عورت عام طور پر اپنی معاش کے حصول پر قادر نہیں، عدم اتفاق کی صورت میں طلب تفریق کے اختیار کو استعمال کرنے کے لیے نفقہ میں شوہر کی جانب سے دو سال تک غفلت یا انکار کی شرط میں ترمیم کرنا ضروری ہے بلکہ اگر شوہر چھ ماہ تک نفقہ دینے سے غفلت برتے یا بلاوجہ جائز انکار کرے تو عورت کو عائلی عدالت میں طلب تفریق کی درخواست پیش کرنے کا حق ہونا چاہیے۔ اگر عدالت شوہر کے نفقہ نہ دینے کی وجوہ اور اس کے مالی حالات کا جائزہ لے کر اس نتیجہ پر پہنچے کہ نفقہ نہ دینے کی جائز وجوہ موجود نہیں اور شوہر تنگدست بنی نہیں ہے تو عدالت کو بلا تاخیر تفریق کا حکم جاری کرنا چاہیے۔ اور اگر شوہر تنگدستی کے سبب نفقہ دینے سے معذور ہو نیز یہ باور

کرنے کی وجوہ موجود ہوں کہ مستقبل قریب میں حصول معاش کا کوئی امکان نہیں تو عدالت کو بلا کسی مہلت کے تفریق کا حکم دے دینا چاہیے۔ البتہ اگر معاش کا امکان نظر آئے تو شوہر کو زیادہ سے زیادہ تین ماہ تک کی مہلت دی جائے اگر وہ تین ماہ کے اختتام پر اپنی فارغ البالی اور زوجہ کو نفقہ دینے کی استطاعت اور آمادگی ثابت نہ کر سکے تو عدالت کو تفریق کا حکم جاری کر دینا چاہیے۔

کتاب حوالہ و استفادہ

- الاحکام الشرعية في الاحوال الشخصية - مصر -
 الاستبصار - ابى جعفر محمد بن الحسن الطوسى
 (متوفى ۵۴۶) نجف -
 الاشباه والنظائر - زين العابدين ابن نجيم - مصر
 ۱۳۲۲ ہجری -
 التعزیر فی الشریعة الاسلامیہ - عبدالعزیز عامر -
 مصر ۱۹۵۷ ع -
 الجامع الكبير - محمد بن الحسن الشيباني (متوفى
 ۱۸۹) مصر ۱۳۵۶ ہ -
 الرد على سير الاوزاعي - ابو يوسف (متوفى ۱۸۲)
 مصر -
 الرسائل - امام شافعى (متوفى ۲۰۴) مصر
 ۱۹۶۰ ع -
 الزواج والطلاق - محمد جواد مغنیه - بيروت
 ۱۹۶۰ ع -
 السنن الكبرى - البيهقي - حيدرآباد (دکن)
 ۱۳۴۳ ہ -
 الطلاق مرتان - تمنا عمادى - ڈھا کہ ۱۹۶۳ ع -
 الفاروق - شبلى نغانى - کراچى -
 الفقه على المذاهب الخمسه - محمد جواد مغنیه
 بيروت ۱۹۶۰ ع -
 الكافي - ابى جعفر بن محمد الكليني (متوفى ۳۲۸)
 طهران ۱۳۷۷ ہ -
 المبسوط - سرخسى (متوفى ۴۸۳) مصر
 ۱۳۲۷ ہ -
 المجلى - ابن حزم (متوفى ۴۵۹) مصر ۱۳۳۷ ہ -
 المدونة الكبرى - امام مالك (متوفى ۱۷۹)
 مصر ۱۳۲۳ ہ -

- ابو داؤد - نولکشور - لکھنؤ
 احکام الاحوال الشخصية في الشريعة الاسلاميه
 عبدالرحمن تاج - مصر ۱۹۵۵ ع -
 احکام السلطانيہ - ابو الحسن ماوردى (متوفى
 ۴۴۵) قرآن محل - کراچى
 احکام الشريعة الاسلاميه - عمر عبدالله - مصر
 ۱۹۶۱ ع -
 ادوار فقہہ - محمود شہابی - تهران ۱۹۵۰ ع -
 اسٹڈیز ان مسلم لا - این - یو - اے صدیقی
 ڈھا کہ ۱۹۵۵ ع -
 اسلامک جورس پروڈنس - کال - اے - فاروق
 کراچى ۱۹۶۲ ع -
 اسلامک جورس پروڈنس ان دی موڈرن ورلڈ
 اے - اے - قادری - علی گڑھ ۱۹۶۲ ع -
 اسلامک سرویز ۲ - کولسن - ایڈنبرا ۱۹۶۳ ع -
 اسلامک لا ان تھیوری اینڈ پریکٹس - عزیز احمد
 لاہور ۱۹۵۶ ع -
 سلامک لا ان موڈرن ورلڈ - انڈرسن - نیویارک
 ۱۹۵۹ ع -
 اسلام کا نظام قانون - عبدالقادر عوده (اردو ترجمہ)
 لاہور ۱۳۷۶ ہ -
 اسلامی قانون کی تدوین - امین احسن اصلاحی
 لائل پور ۱۹۶۳ ع -
 اصول فقہ اسلام - سر عبدالرحیم - حيدرآباد (دکن)
 ۱۹۲۹ ع -
 اصول فقہ - محمد ابوزہرہ - مصر ۱۹۵۷ ع -
 الاتقان في علوم القرآن - جلال الدين سيوطى
 (اردو ترجمہ) کراچى ۱۹۶۱ ع -

حقوق در اسلام ' مجید خدوری ' ترجمہ زین العابدین ' تهران ' ۱۳۳۶ھ -
 حیات امام ابوحنیفہ (اردو ترجمہ) ابو زہرہ ' لاہور ' ۱۹۶۲ع -
 حیات امام احمد بن حنبل (اردو ترجمہ) ابو زہرہ ' لاہور ' ۱۹۶۱ع -
 حیات حافظ ابن القیم (اردو ترجمہ) ' عبدالعظیم عبدالسلام ' شرف الدین ' لاہور ' ۱۹۶۳ع -
 در مختار بر حاشیہ ردالمحتار ' مصر -
 ڈائجسٹ آف اینگلو محمدن لا ' محمد اللہ ' ایس ' جنگ الہ آباد ' ۱۹۳۲ع -
 ڈائجسٹ آف محمدن لا ' بیلی ' لاہور ' ۱۹۵۸ع -
 ڈیلوپلیمنٹ آف مسلم تھیالوجی ' جورس پروڈنس اینڈ کانسی ٹیوشنل تھیوری ' میکڈانلڈ ' لاہور ' ۱۹۶۰ع -
 ڈزولوشن آف مسام میریجز ایکٹ ' ۱۹۳۹ع -
 ردالمحتار ' ابن عابدین ' مصر -
 سیرۃ النعمان ' شبلی نعمانی ' لاہور -
 سیرت امام شافعی ' خالد انصاری ' بہوپال ' ۱۹۳۳ع -
 شرائع الاسلام ' ابی القاسم نجم الدین جعفر بن الحسن الجلی ' (متوفی ' ۵۶۷ھ) ' ایران ' ۱۳۷۷ھ -
 شرح الاحکام الشریعہ فی الاحوال الشخصیہ ' محمد زید البیانی ' مصر ' ۱۹۲۰ع -
 شرح الاشباہ والنظائر ' حموی (توفی ۵۹۷ھ) لکھنؤ -
 شرح السیر الکبیر ' سرخسی (متوفی ' ۵۳۸ھ) مصر ' ۱۳۳۵ھ -
 شرح الوقایہ ' عبید اللہ بن مسعود (متوفی ' ۵۷۷ھ) کراچی ' ۱۹۵۹ع -
 شرح فتح القدیر ' ابن عمام (متوفی ' ۵۶۸ھ) مصر -
 شرح قانون الاحوال الشخصیہ ' سوربہ ' مصطفیٰ

المستدرک ' المحاکم نیشاپوری ' حیدرآباد (دکن) ' ۱۳۳۳ھ -
 المسند ' احمد بن حنبل ' (متوفی ' ۵۴۱ھ) ' مصر ' ۱۹۳۹ع -
 المغنی ' ابن قدامہ ' (متوفی ' ۵۶۲ھ) ' مصر ' ۱۳۶۷ھ -
 المقدمات ' ابن رشد ' (متوفی ' ۵۵۲ھ) ' مصر ' امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ' مناظر احسن کیلانی ' کراچی ' ۱۹۶۰ع -
 امداء الفتاوی ' اشرف علی تھانوی ' کراچی -
 انٹرو ڈکشن ٹو اسلامک لا ' جوزف شاخٹ ' لندن ' ۱۹۶۳ع -
 انسٹی ٹیوٹس آف مسلمانز لا ' نواب سر عبدالرحمن کاکتہ ' ۱۹۰۷ع -
 اوری جنس آف محمدن جورس پروڈنس ' جوزف شاخٹ ' لندن ' ۱۹۵۹ع -
 آؤٹ لائنز آف محمدن لا ' فیضی ' لندن ' ۱۹۵۵ع -
 اینگلو محمدن لا ' ولسن ' کاکتہ ' ۱۹۳۰ع -
 بحر الرائق ' ابن نجیم ' مصر ' ۱۳۱۱ھ -
 بدائع الصنائع ' الکاسانی ' (متوفی ' ۵۵۱ھ) ' مصر ' ۱۳۲۷ھ -
 بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد ' ابن رشد ' مصر -
 پرنسپلز آف لا میکنگ ان اسلام ' صبیحی محمدصافی و دیگران ' لاہور ' ۱۹۶۱ع -
 پرنسپلز آف محمدن لا ' طیب جی ' بمبئی -
 پرنسپلز آف محمدن لا ' ملا ' کاکتہ ' ۱۹۶۳ع -
 تاریخ فقہ اسلامی ' الخضری ' دارالمصنفین (اردو ترجمہ) اعظم گڑھ ' ۱۹۶۱ع -
 ترمذی -
 تعریضات ہا کستان ' ۱۸۶۰ع -
 تفسیر جامع الاحکام ' قرطبی -
 جامع الاحکام فی فقہ الاسلام ' سید امیر علی ' لکھنؤ ' ۱۸۸۳ع -
 حجة الله البالغہ ' شاہ ولی اللہ دہلوی -

- تفسیر: ابن کثیر، اصح المطابع، کراچی
سید ابوالاعلیٰ مودودی، لاہور
شبیر احمد عثمانی، کراچی
عبدالمہاجد دریا بادی -
کتاب الآثار، امام محمد، قرآن محل، کراچی -
کتاب الاختلاف الفقہاء، ابی جعفر محمد بن حریر
الطبری، لندن، ۱۹۳۳ ع -
کتاب الام، امام شافعی، (متوفی ۵۲۶ھ) مصر،
۱۳۲۱ ع -
کتاب السنن، الدارقطنی، دہلی -
کتاب الفتنہ علی المذہب الاربعہ، عبد الرحمن
الجزیری، مصر، ۱۹۳۶ ع -
کنز الدقائق، مطبع مجتہبی، دہلی -
لباب المحل، ابن خلدون، مصر -
مجلة الاحکام العدلیہ، اصح المطابع، کراچی -
مجمع الانہر، ان سلیمان شیخ زادہ، مصر، ۱۳۲۷ھ
محمد بن تھیوریز آف فائننس، نکولاس اگنائڈس،
لاہور، ۱۹۶۱ ع -
محمد بن لا، سید امیر علی، بمبئی
محمد بن لا، محمد یوسف خان بہادر، کلکتہ، ۱۸۹۸ ع
مسلم لا، سکسینہ، الہ آباد، ۱۹۳۷ ع -
مسند، امام اعظم، قرآن محل، کراچی -
مشکوٰۃ شریف، قرآن محل، کراچی -
موطا، امام مالک، قرآن محل، کراچی -
موطا، امام محمد، قرآن محل، کراچی -
مینول آف حدیث، محمد علی، لاہور، ۱۹۶۰ ع -
لنبائی، مطبوعہ کراچی -
نصب الراية، جمال الدین زینعمی، (متوفی ۵۷۲ھ)
سورت، ۱۹۳۸ ع -
ہدایہ، برہان الدین مرغینانی، (متوفی ۵۹۳ھ) دہلی،
۱۳۷۵ھ -
ہدایہ برہان الدین مرغینانی (انگریزی ترجمہ)
ہملٹن، لاہور، ۱۹۵۷ ع -
ہمارے عائلی مسائل، محمد تقی عثمانی، کراچی،
۱۳۸۲ھ -

- السباعی، دمشق، ۱۹۶۱ ع -
شرح قانون الاحوال الشخصیہ، نمبر ۱۸۸ بابت
۱۹۵۹ ع، عراق، علاء الدین خروئے، بغداد،
۱۹۶۲ ع -
شریعت (ایلیکیشن) ایکٹ ۱۹۳۷ -
صحیح، ابن حبان، مصر -
صحیح بخاری، امام محمد بخاری، مطبع مجتہبی،
دہلی -
عائلی قوانین ارڈی نینس، مجریہ، ۱۹۶۱ ع -
عائلی کمیشن رپورٹ پر تبصرہ، امین احسن
اصلاحی، لائل پور، ۱۹۶۰ ع -
عورت کا عائلی مقام، ممتاز جہاں بیگم، کراچی -
فتاویٰ العالمگیری، جلد الثانی، کتاب النکاح،
مطبع مجیدی، کان پور -
فتاویٰ قاضی خان، فخر الدین بن حسن (متوفی
۵۵۹۲ھ) دہلی -
فتح المعین، علامہ ابی المسعود، مصر،
فقہ الاسلام، حسین احمد الخطیب، (اردو ترجمہ)
کراچی، ۱۹۶۱ ع -
فقہ عمر، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، لاہور،
۱۹۶۰ ع -
فلسفہ شریعت اسلام، صبیحی محمصانی، لاہور،
۱۹۵۵ ع -
قانون ازدواج عیسائیان، ۱۸۷۲ ع -
قانون امتناع ازدواج اطفال، ۱۹۲۹ ع -
قانون انفساخ ازدواج مسلمانان، ۱۹۳۹ ع -
قانون بلوغ، ۱۸۷۵ ع -
قدوری، اصح المطابع و قرآن محل، کراچی -
قرآن پاک -
ترجمہ: تھانوی، اشرف علی،
محدث دہلوی، شاہ عبدالقادر،
مودودی، سید ابوالاعلیٰ،
شیخ الہند، محمود الحسن،

اشاریہ

- قرابت ' ۱۵۵ -
- مصاہرت ' ۱۵۵ ' ۲۰۳ -
- ملک (دو کنیزوں کی) ' ۱۵۵ -
- اطلاق ' ۳۱ ' ۵۵ -
- انعقاد اور جواز (نکاح) -
- انعقاد ' ۳۳ ' ۱۰۲ -
- اہلیت ' ۳۳ ' ۷۵ -
- گواہان ' ۱۲۸ -
- متناکحین ' ۱۱۰ -
- نکاح ' ۷۵ -
- وکیل نکاح ' ۲۰۵ -
- شرائط ' ۱۱۰ ' ۱۱۱ -
- انعقاد مجلس ' ۱۱۹ -
- ایجاب و قبول ' ۳۳ ' ۱۰۲ -
- اصلتاً یا کالتاً ' ۳۳ ' ۱۰۳ -
- الفاظ ' ۳۳ ' ۱۰۷ -
- احناف کے نزدیک ' ۱۰۷ -
- امام شافعی کے نزدیک ' ۱۰۸ -
- شیعہ مکتب فکر ' ۱۰۸ -
- وجہ اختلاف ' ۱۰۸ -
- بذریعہ اشارہ ' ۱۰۷ -
- تطابق ' ۳۳ ' ۱۱۰ -
- زبانی یا تحریری ' ۳۳ ' ۱۰۳ -
- صیغے ' ۳۳ ' ۱۰۹ -
- گونگے بہرے کا ' ۱۰۸ -
- بلوغ ' ۱۱۱ -

اجتماع

ایک مرد کے نکاح میں ' ایسی دو قرابت دار عورتوں کا جن میں سے اگر ایک کو مرد فرض کر لیا جائے تو آن میں باہم نکاح حرام ہو

- ۱۷۱ ' ۳۹

- احادیث نبوی ' ۱۷۲ -

- استثناء ' ۱۷۲ -

- صحیح شرعی حکم ' ۱۷۳ -

اجتماع خواہرین

ایک مرد کے نکاح میں ' ۳۸ ' ۱۳۳ ' ۱۶۳ -

آراء:

- حالیہ مؤلفین ' ۱۶۶ -

- رازی ' ۱۶۳ -

- سرخسی ' ۱۶۵ -

- قاضی خاں ' ۱۶۵ -

- کاسانی ' ۱۶۵ -

- تجزیہ ' ۱۶۹ -

- حکم قرآنی ' ۱۶۳ -

- عدالتی نظائر ' ۱۶۷ -

- اجتہاد ' ۳۱ ' ۵۵ -

- اسباب التحريم (نکاح) -

- اجتماع محرمات ' ۱۵۰ ' ۱۶۱ -

- حق الغیر ' ۱۵۵ -

- رضاعت ' ۱۵۵ ' ۱۵۶-۱۶۱ -

- شرک ' ۱۵۵ ' ۱۷۳ ' ۱۷۷ -

- طلاق الثلاثہ ' ۱۵۵ ' ۱۸۸ -

- انفساخ ازدواج مسلمانان) ۱۹۳۹ ع کی دفعہ ۲
(۲) میں بربناء عدم ادائیگی نفقہ زوجہ کے
حق طلب تفریق کے بارے میں '۳۲۷ -
ڈزولوشن آف مسلم میریجز ایکٹ (قانون
انفساخ ازدواج مسلمانان) ۱۹۳۹ ع کی دفعہ ۲
(۷) میں خیار بلوغ کے استعمال کے وقت کے
تعیین کے سلسلہ میں '۲۶۰ -
عائلی قوانین آرڈی نینس نمبر ۸ مجریہ ۱۹۶۱ ع
کی دفعہ ۶ بابت تعدد ازدواج کے سلسلہ میں '
۱۳۳ -
عائلی قوانین آرڈی نینس مجریہ ۱۹۶۱ ع کی دفعہ
۵ بابت رجسٹری نکاح '۱۳۳ -
عائلی قوانین آرڈی نینس مجریہ ۱۹۶۱ ع کی دفعہ
۷ بابت طلاق '۲۰۱ -
غیر مسلم ممالک کی عیسائی و یہودی عورتوں
سے نکاح پر پابندی عائد کرنے کے سلسلہ
میں '۷۲ -
قانون شہادت ۱۸۷۲ ع کے تحت شہادت نکاح
کے سلسلہ میں '۱۲۹ -
کرسچین میریجز ایکٹ (قانون ازدواج
عیسائیان) ۱۸۷۲ ع کے تحت رجسٹری نکاح کے
سلسلہ میں '۷۳ -
نابالغوں کے نکاح کے بارے میں '۲۱۸ -
نکاح فاسد میں فساد کا عام ہو جانے کے بعد
تفریق اختیار نہ کرنے پر تعزیر کے سلسلہ
میں '۱۳۸ -
تعدد ازدواج '۳۵ '۱۳۳ -
حکم قرآنی مشروط ہے '۱۳۵ -
عدل کا معیار '۱۳۵ -
عائلی قوانین آرڈی نینس پاکستان ۱۳۰
قانون تیونس '۱۳۰ -
قانون شام '۱۳۹ -
قانون عراق '۱۳۹ - ۱۳۰ -

- امام ابو حنیفہ کی رائے '۱۱۲ -
امام شافعی کی رائے '۱۱۲ -
شیعہ مکتب فکر '۱۱۲ -
صاحبین کی رائے '۱۱۲ -
قانون نافذ الوقت '۱۱۳ -
رضا مندی '۱۱۳ -
باکرہ کی '۱۱۳ - ۱۱۶ -
بالجبر '۱۱۸ -
بذریعہ غلط بیانی '۱۱۸ -
ثبہ کی '۱۱۵ - ۱۱۶ -
صریح '۱۱۵ -
معنوی '۱۱۵ -
حنفیہ اور شافعیہ میں اختلاف '۱۱۵ -
وجہ اختلاف '۱۱۶ -
عقل '۱۱۱ -
گواہان '۱۲۱ -
اہلیت '۱۲۸ -
حنفیہ اور شافعیہ میں اختلاف '۱۲۸ -
وجہ اختلاف '۱۲۹ -
تعداد '۱۲۱ -
حنفیہ اور شافعیہ مکاتب فکر '۱۲۶ -
حکم قرآنی '۱۲۶ -
موجودگی اور ساعت '۱۲۱ -
از روئے کتب فقہ
بدائع الصنائع '۱۲۲ -
فتاویٰ قاضی خان '۱۲۱ -
عدایہ '۱۲۱ -
ائمہ کا اختلاف آراء '۱۲۳ - ۱۲۳ -
وجہ اختلاف '۱۲۵ -

تجاویز

- ایکٹ نمبر ۲۱ مجریہ ۱۸۵۰ ع کے تحت ولایت
نکاح کے سلسلہ میں '۲۲۳ -
ڈزولوشن آف مسلم میریجز ایکٹ (قانون

- قانون مراکش '۱۳۹ - ۱۴۰ -
 محمد رشید رضا کی رائے '۱۳۷ -
 مفتی محمد عبدہ کی رائے '۱۳۸ -
- تعریفات
 اداۓ شہادت '۱۲۹ -
 ایجاب و قبول '۱۰۳ -
 حمل شہادت '۱۲۹ -
 خلوت صحیحہ '۳۳ - ۲۷۳ -
 خلوت فاسدہ '۳۵ - ۲۷۵ -
 خیابار بلوغ '۳۲ - ۲۳۱ -
 کفو '۳۳ - ۲۶۱ -
 متعدد '۳۰ - ۲۰۳ -
 مسلمان '۳۲ - ۵۵ -
 مہر '۳۶ - ۲۷۹ -
 مہر مثل '۳۶ - ۲۸۱ -
 مہر مسمیٰ '۳۶ - ۲۸۱ -
 مہر معجل '۳۶ - ۲۸۱ -
 مہر موجل '۳۶ - ۲۸۱ -
 نفقہ '۳۹ - ۳۰۷ -
 نکاح '۳۲ - ۵۶ -
 نکاح باطل '۳۸ - ۱۵۳ -
 نکاح صحیح '۳۶ - ۱۴۹ -
 نکاح فاسد '۳۷ - ۱۵۰ -
 نکاح مؤقت '۳۹ - ۲۰۹ -
- تغیر احکام بہ تغیر زمان '۱۳۸ - ۱۳۹ -
 تفریق (تسخیر نکاح)
 تنگدستی کی بناء پر '۵۲ - ۳۲۳ -
 احناف کا نقطہ نظر '۳۲۳ -
 ائمہ ثلاثہ کا نقطہ نظر '۳۲۳ -
 محکم عدالت '۳۲۳ - ۳۲۵ -
 تجزیہ '۳۲۵ -
 طلاق رجعی کے حکم میں '۳۲۶ - ۳۲۷ -
 قانون اردن کے تحت '۳۲۶ -
- قانون پاکستان کے تحت '۳۲۷ -
 قانون شام کے تحت '۳۲۶ -
 قانون عراق کے تحت '۳۲۶ -
 عدم کفایت کی بنا پر '۳۳ - ۲۷۲ -
 محکم عدالت '۲۷۲ -
 ولی عصبہ کا حق اور اس کا اسقاط
 '۲۷۱ - ۲۷۲ -
- وہ صورتیں جن میں عدالتی ڈگری کی ضرورت
 ہے '۲۳۹ -
 تفریق بالجہب -
 تفریق بالعنہ -
 تفریق بالمعان -
 تفریق بر بنائے خیابار بلوغ -
 تفریق بر بنائے عدم کفایت -
 تفریق بر بنائے کمی مہر -
 تفریق شوہر کے اسلام ترک کرنے کی بنا پر
 وہ صورتیں جن میں عدالتی ڈگری کی ضرورت
 نہیں '۲۳۹ -
 تفریق بسبب ارتداد -
 تفریق بسبب ایلاء -
 تفریق بر بنائے خیابار عتق -
 تفریق بسبب تباہن دارین -
 تفریق بسبب خیابار طلاق -
 نکاح فاسد کی صورت میں -
- توارث بین الزوجین
 نکاح فاسد کی صورت میں '۱۵۳ -
 جبر ولایت
 امام ابو حنیفہ اور صاحبین کا نقطہ نظر
 '۹۳ - ۱۰۰ -
 امام مالک اور شافعی کی آراء
 '۸۱ - ۸۳ - ۹۱ -
 تجزیہ '۱۰۰ -
 شیعہ فرقہ کا مسلک '۷۵ -

باپ دادا اور دوسرے اولیاء کے کیے ہوئے نکاحوں میں

- حنفیہ مکتب فکر ' ۲۳۱ - ۲۳۲
- شافعیہ اور مالکیہ مکتب فکر ' ۲۳۱ - ۲۳۲
- شیعہ فرقہ کا مسلک ' ۲۳۲
- صریح حدیث موجود نہیں ' ۲۳۰
- فقہاء کے دلائل ' ۲۳۳
- بر بنائے استحسان ' ۲۳۳
- بر بنائے سنت ' ۲۳۳
- تجزیہ ' ۲۳۳ - ۲۳۷
- قانون نافذ الوقت ' ۲۳۳
- قرآن خاموش ہے ' ۲۳۹
- مؤلف کی رائے ' ۲۳۰ - ۲۳۱
- بناء ' ۲۳۹ - ۲۵۰
- تعریف ' ۳۲ ' ۲۳۱
- ثبوت کا ' ۳۳ ' ۲۶۲
- فسخ نکاح کے لیے عدالتی ڈگری کی ضرورت ' ۲۵۰ - ۲۵۱
- آراء ' -

ابن سلمان شیخ زادہ صاحب مجمع الانہر ۲۳۳

- امام سرخسی ' ۲۳۸ - ۲۳۶
- پاکستان و ہند کی عدالتیں ' ۲۵۳ - ۲۵۷
- تجزیہ ' ۲۵۷ - ۲۵۸
- قاضی خان ' ۲۳۳
- کب ماقط ہوگا ؟ ۲۶۰
- مجامعت سے ' ۲۶۱
- بلا رضا بندی ؟ ۲۶۱
- بلا علم ؟ ۲۶۱
- رضاعت ' ۱۵۸
- اثر ' ۱۶۰
- شرائط ' ۱۵۸ - ۱۵۹
- شہادت نکاح
- اداء ' ۱۲۹

صحیح شرعی حکم ' ۱۰۱ -

وجہ اختلاف ' ۱۰۱ -

حکومت کا حق قانون سازی ' ۱۳۷ ' ۲۱۷ -

خلوت صحیحہ ' ۳۳ ' ۲۷۳ -

اثرات ' ۳۵ ' ۲۷۵ -

کارت زائل ہونے میں ' ۲۷۶ -

پہلے شوہر سے زوجہ کی لڑکی کے حرام ہونے

میں ' ۲۷۶ -

رجعت میں ' ۲۷۶ -

سنگ ساری کے حکم میں ' ۲۷۵ -

مہر میں ' ۲۷۵ -

میراث پر ' ۲۷۶ -

نسب اولاد پر ' ۲۷۶ -

نفقہ دوران عدت ' ۲۷۶ -

وجوب عدت پر ' ۲۷۶ -

تعریف ' ۳۳ ' ۲۷۳ -

شرائط ' ۲۷۵ -

مواعظ ' ۲۷۵ -

جسمانی ' ۲۷۵ -

شرعی ' ۲۷۵ -

طبعی ' ۲۷۵ -

خلوت فاسدہ

اثرات ' ۳۵ ' ۲۷۶

تعریف ' ۳۵ ' ۲۷۶ -

خیار بلوغ

استعمال کا وقت ' ۳۳ ' ۲۵۹ -

از روئے قانون نافذ الوقت ' ۲۵۹ -

از روئے کتب فقہ ' ۲۵۹ -

تجویز ' ۲۶۰ -

استعمال کا طریقہ -

کسی خاص شکل کی قید نہیں ' ۲۶۰ -

احناف کا نقطہ نظر ' ۲۳۱ - ۲۳۳ -

امام ابو یوسف کی رائے ' ۲۳۱ -

- کفایت، ۳۳، ۲۶۲
- احادیث نبوی، ۲۶۸
- اطلاق، ۳۳، ۲۶۲
- التزام، موجودہ دور میں، ۲۶۸
- امور، ۳۳، ۲۶۳
- احناف کے نزدیک، ۲۶۴
- آزادی، ۲۶۵
- اسلام، ۲۶۴
- ہیشہ، ۲۶۵
- تمول، ۲۶۵-۲۶۶
- دیانت، ۲۶۶
- نسب، ۲۶۴
- شافعیوں کے نزدیک، ۲۶۳، ۲۶۷
- مالکیوں کے نزدیک، ۲۶۳، ۲۶۷
- صحت نکاح کی شرط نہیں، ۳۳، ۲۶۹
- ابو الحسن اور جصاص کی رائے، ۲۶۹
- امام مالک اور شافعی کی رائے، ۲۶۹
- حضرت عمر اور چند دیگر صحابہ کی رائے، ۲۶۹
- فسخ نکاح، بحکم عدالت، ۳۳، ۲۷۲
- ہر بنائے عدم کفایت، ۳۳، ۲۷۲
- بمنزلہ تفریق، ۳۳، ۲۷۳
- ولی کا حق، ۲۷۰
- کب ساقط ہوگا، ۲۷۱
- فسخ نکاح کا اثر، ۳۳، ۲۷۳
- لحاظ، ۳۳، ۲۶۹
- مقصود، ۲۶۷
- کفو، ۳۳، ۲۶۳
- قید سبب عدم ادائیگی لفقہ، ۵۲، ۳۲۲
- متعہ، ۳۰، ۲۰۶
- احادیث نبوی و آیات قرآنی، ۲۰۷-۲۱۰
- باطل ہے، ۳۰، ۲۰۶
- تجزیہ، ۲۱۰

- امام مالک کا نقطہ نظر، ۱۲۳
- اہلیت گواہان، ۱۲۸
- احناف اور شافعیوں میں اختلاف، ۱۲۸
- بنائے اختلاف، ۱۲۹
- تعداد گواہان، ۱۲۶
- اجماع، ۱۲۶
- احناف اور شافعیوں میں اختلاف، ۱۲۶
- حمل شہادت، ۱۲۹
- حیثیت شرعی، ۱۲۱-۱۲۲
- امام مالک کا نقطہ نظر، ۱۲۳
- بنائے اختلاف، ۱۲۵
- تجزیہ، ۱۲۵
- حنفی مسلک، ۱۲۴
- غیر مسلم کی، ۱۲۸
- فاسق کی، ۱۲۸
- نایبنا کی، ۱۲۸
- احناف اور شافعیوں میں اختلاف، ۱۲۸
- بناء اختلاف، ۱۲۸

طلاق الثلاث

- احادیث و روایات، ۱۹۱، ۱۹۴، ۱۹۷
- اختلاف کی وجہ، ۱۹۷-۱۹۸
- آرڈی نینس ۸ مجریہ ۱۹۶۱ ع، ۱۹۹
- جمہور نقہاء کا نقطہ نظر، ۱۹۱
- دیگر مسلم ممالک میں، ۱۹۸
- قرآن کریم کے احکام، ۱۸۹، ۱۹۵-۱۹۶
- منشا قرآن، ۱۹۰

ہر نکاح

- اردن میں، ۱۱۳
- پاکستان میں، ۱۱۳
- سوربہ میں، ۱۱۳
- عراق میں، ۱۱۳
- مراکش میں، ۱۱۳
- شہیت منقطعہ، ۲۲۸

- مسیبتی ' ۱۳۱ -
- نسبی ' ۱۳۱ -
- مسہر ' ۴۶ ' ۲۷۹-۳۰۳ -
- ادائی ' خلوت صحیحہ سے پہلے ' طلاق کی صورت میں ' ۴۷ ' ۲۷۹ -
- ادائی ' خلوت صحیحہ کے بعد ' طلاق کی صورت میں ' ۴۷ ' ۲۹۲ -
- ادائی کا وقت ' عدم صراحت کی صورت میں ' ۴۷ ' ۲۸۸ -
- ادائی کی ذمہ داری ' ۴۷ ' ۲۸۷ -
- اقسام ' ۴۶ ' ۲۸۱ -
- مسہر مثل ' ۴۶ ' ۲۸۲ -
- مسہر مسمی ' ۴۶ ' ۲۸۱ -
- مسہر معجل ' ۴۶ ' ۲۸۲ -
- مسہر موجل ' ۴۶ ' ۲۸۲ -
- تعریف ' ۴۶ ' ۲۷۹ -
- زیادتی ' ۴۸ ' ۲۹۳-۲۹۴ -
- عدم ادائی کی صورت میں بیوہ کا شوہر کی جائیداد پر قبضہ رکھنے کا حق ' ۴۸ ' ۳۰۳-۳۰۴ -
- عدم ادائی کی صورت میں زوجہ کا زنا شوئی سے حق انکار ' ۴۸ ' ۲۹۵ -
- امام اعظم کی رائے ' ۲۹۶ -
- امام شافعی اور مالک کی رائے ' ۲۹۶ -
- حنفیہ مکتب فکر ' ۲۹۶ -
- صاحبین کا نقطہ نظر ' ۲۹۶-۲۹۸ -
- صاحبین کے نقطہ نظر کے خلاف دلائل ' ۲۹۸-۳۰۰ -
- صحبت سے پہلے ' ۲۹۵ -
- صحبت کے بعد ' ۲۹۵ -
- عدالتوں کا رجحان ' ۳۰۱ -
- وجہ اختلاف ' ۳۰۱ -
- کمی ' ۴۸ ' ۲۹۳ -
- کونسی شے قرار بنا سکتی ہے ' ۲۷۹-۲۸۱ -

- رواج ' ۲۰۶ -
- ایران و عراق میں ' ۲۰۶ -
- پاکستان و ہند میں ' ۲۰۶ -
- معاهدہ ' ۲۰۷ -
- مسلمان کی تعریف ' ۳۲ ' ۵۵ -
- مصاہرت ' ۱۵۲ -
- مطلقہ ثلاثہ (سے نکاح) -
- احادیث نبوی کی روشنی میں ' ۱۹۰-۱۹۴ -
- احکام و منشاۃ قرآنی ' ۱۸۹-۱۹۰ ' ۱۹۵-۱۹۶ -
- آراء
- حالیہ مؤلفین کی ' ۲۰۲ -
- عدالتوں کی ' ۲۰۲ -
- اثرات -
- علم کے ساتھ ' ۲۰۲ -
- لاعلمی میں ' ۲۰۲ -
- پاکستان میں ' ۱۹۹ -
- ممالک اسلامیہ میں ' ۱۹۸ -
- فقہاء کے نزدیک ' ۱۹۱-۱۹۷ -
- فقہاء میں اختلاف ' ۱۹۱-۱۹۷ -
- اصل اختلاف ' ۱۹۷ -
- وجہ اختلاف ' ۱۹۸ -
- معنی
- فقہی اصطلاح میں ' ۱۸۸ -
- لغوی ' ۱۸۸ -
- معاهدہ
- ابراء ننفقہ کا ' ۵۲ ' ۳۲۲ -
- نکاح ' نوعیت اور عدالتیں ' ۵۷ -
- بوانع شرعی ' ۱۳۰ -
- اسباب
- ازدواجی ' ۱۳۱ -
- رضاعی ' ۱۳۱ -

- عدت کے زمانے کا ' ۳۱۸ -
- احناف کی رائے ' ۳۱۹ -
- امام شافعی کی رائے ' ۳۱۹ -
- صحیح تر حکم ' ۳۱۹ -
- عدم وجوب ' ۵۰ ' ۳۱۲ -
- بحالت قید زوجہ ' ۳۱۶ -
- دوران سفر حج ' ۳۱۵ -
- مرتدہ کا ' ۳۱۷ -
- مقصوبہ کا ' ۳۱۹ -
- مرد کے غیاب میں ' ۳۲۱ -
- احناف کا نقطہ نظر ' ۳۲۱ -
- ائمہ ثلاثہ کا نقطہ نظر ' ۳۲۱ -
- ناشزہ کا ' ۳۱۶ -
- عدم ادائیگی کے سبب قید ' ۵۲ ' ۳۲۲ -
- معاہدہ ابراء ' ۵۲ ' ۳۲۲ -
- معنی ' فقہی اصطلاح میں ' ۳۰۷ -
- مقدار ' ۵۱ ' ۳۲۰ -
- مہر معجل کی عدم ادائیگی کی صورت میں ' ۳۱۱ -
- وجوب -
- اسباب (ازدواج ' قرابت ' ملک) ' ۳۰۸ -
- حکم قرآنی ' ۳۰۷ -
- شرائط ' ۳۹ ' ۳۱۰ -
- گزشتہ زمانہ کا ' ۵۱ ' ۳۲۰ -
- احناف کا مسلک ' ۳۲۰ -
- شافعیہ مسلک ' ۳۲۱ -
- حنبلیہ اور مالکیہ مسلک ' ۳۲۱ -
- قرین صواب ائمہ ثلاثہ کا مسلک ہے ' ۳۲۱ -

نکاح

- باطل ' ۳۸ ' ۱۳۳ ' ۱۵۶ -
- اثرات -
- امام محمد کی رائے ' ۱۵۳ -
- تعریف ' ۱۵۳ -
- باطل اور فاسد میں فرق ' ۱۳۷ -

- لزوم ' ۳۶ ' ۲۸۱ -
- نوعیت ' ۳۸ ' ۲۸۳ -
- احناف کا نقطہ نظر ' ۲۸۳ -
- امام شافعی کا نقطہ نظر ' اور اس کا جواب
- ۲۸۶-۲۸۳
- حنفیہ کا استدلال ' ۲۸۶-۲۸۵ -
- حنفیہ اور شافعیہ میں وجہ اختلاف ' ۲۸۶ -
- شرعی حکم ' ۲۸۷ -
- مقدار ' ۳۶ ' ۲۸۰ -
- حنفی ' مالکی اور شافعی نقطہ نظر ' ۲۸۰ -
- شیعوں کے نزدیک ' ۲۸۰ -
- نوعیت ' ۳۸ ' ۳۰۲ -
- وجوب ' ۲۸۹ -
- احادیث نبوی ' ۲۹۱ -
- حکم قرآنی ' ۲۸۹-۲۹۰ -
- خلوت صحیحہ کے بعد طلاق کی صورت میں ' ۳۷ ' ۲۹۲-۲۹۱ -
- خلوت صحیحہ کے بغیر طلاق کی صورت میں ' ۳۷ ' ۲۸۹ -
- عدم تعین کی صورت میں ' ۲۹۰ -
- حکم قرآنی ' ۲۹۰ -
- حنفیہ مکتب فکر کے نزدیک ' ۲۹۰ -
- شیعہ مکتب فکر ' ۲۹۰ -
- وفات کی صورت میں ' ۳۸ ' ۲۹۲-۲۹۳ -
- وصول کرنے کا اختیار ' ۳۸ ' ۲۹۳ -
- ہبہ کرنے کا اختیار ' ۳۸ ' ۲۹۳ -
- ہبہ مشروط ' ۲۹۵ -
- نسب اولاد ' ۱۵۲ -
- نفقہ (زوجہ کا) ' ۳۹-۵۲ ' ۳۰۷-۳۲۸ -
- تعریف ' ۳۹ ' ۳۰۷ -
- تفریق بسبب عدم استطاعت ' ۳۲۳ -
- حق اور اس کی بنیاد ' ۳۰۹ ' ۳۱۳ -
- حیثیت شرعی ' ۳۹ ' ۳۰۸ -

نفقہ ' ۱۵۳ -

فضولی ' ۱۰۴ -

قاضی کی ضرورت ' ۳۳ ' ۱۰۳ -

کافر کا مسلمہ سے ' ۱۳۵ - ۱۳۶ ' ۱۴۸-۱۴۷ -

کتابیہ سے ' ۳۳ ' ۶۲ -

ابن عباس کا نقطہ نظر ' ۶۶ -

ابن عمر کا مسلک ' ۶۳ -

شرعی حیثیت ' ۶۷ -

شیعہ مکتب فکر ' ۷۱ -

قرآن کریم ' ۶۳ -

گواہوں کے بغیر ' ۱۴۵ -

ماؤں ' بہنوں ' بیٹیوں ' پھوپھیوں ' خالاؤں '

بھتیجیوں ' بھانجیوں سے ' ۳۸ ' ۱۵۵ - ۱۵۶ -

محرمات سے ' ۱۴۴ -

محرمات بالرضاع سے ' ۱۴۵ -

محرمات بالنسب سے ' ۱۴۵ -

مختلف فرقوں سے متعلق ہونے کی صورت میں

زوجین کے حقوق و فرائض ' ۳۲ ' ۶۱ -

مسلمان فرقوں میں ' ۳۲ ' ۶۱ -

مشرک سے ' ۳۹ ' ۱۴۵ ' ۱۶۹ ' ۱۴۳ - ۱۴۶ -

حالیہ مؤلفین کی رائیں ' ۱۴۴ - ۱۴۵ -

حکم قرآنی ' ۱۴۴ -

عدالتی نظائر ' ۱۴۶ -

فتاویٰ قاضی خان ' ۱۴۴ -

کنز الدقائق ' ۱۴۴ -

ہدایہ ' ۱۴۴ -

مطلقہ ثلاثہ سے ' ۴۰ ' ۱۴۵ ' ۱۸۸ - ۲۰۰ -

معتدہ غیر سے ' ۳۹ ' ۱۴۵ ' ۱۶۹ ' ۱۸۳ - ۱۸۸ -

حالیہ مؤلفین کی آراء ' ۱۸۶ -

حکم قرآنی ' ۱۸۳ -

عدالتوں کا نقطہ نظر ' ۱۸۷ -

فتاویٰ عالمگیری ' ۱۸۶ -

فتاویٰ قاضی خان ' ۱۸۶ -

ابن ہمام کی رائے ' ۱۴۷ -

شیعہ مکتب فکر ' ۱۵۱ -

مختلف صورتیں ' ۱۴۵ -

پانچواں ' چار بیویوں کی موجودگی میں '

۳۹ ' ۱۴۵ ' ۱۸۰ -

احادیث نبوی ' ۱۸۱ -

حالیہ مؤلفین ' ۱۸۲ -

حکم قرآنی ' ۱۸۱ -

قاضی خان ' ۱۸۱ -

حاملہ ثابت النسب سے ' ۴۰ ' ۲۰۲ -

حقیقی بیٹوں کی بیویوں سے ' ۳۸ ' ۱۶۳ -

دیوانی ' ۴۰ ' ۲۱۳ -

دیوانی ' شرعی یا عمرانی معاہدہ ' ۵۶-۵۹ -

رجسٹری ' ۳۵ ' ۱۳۱-۱۳۲ -

شرعی حیثیت ' ۱۳۳ -

عائلی قوانین آرڈی نینس کے تحت ' ۱۳۲ -

رضاعی ماؤں اور بہنوں سے ' ۳۸ ' ۱۵۶ -

زانیہ کی ماں اور بیٹی سے ' ۴۰ ' ۲۰۱ -

زوجہ کی عدت میں اس کی بہن سے ' ۱۴۵ -

۱۶۹-۱۷۰ -

سامس سے ' ۳۸ ' ۱۶۱ -

سوتیلی بیٹیوں سے ' ۳۸ ' ۱۶۲ -

عورت کا مرد پر جبر کر کے ' ۱۴۵ ' ۱۴۶ -

غیر مسلم سے ' ۳۹ ' ۱۷۷ -

غیر مسلمہ سے ' ۱۷۷ -

فاسد ' ۳۷ ' ۱۴۴ - ۱۴۵ -

اثرات ' ۱۵۴ -

توارث بین الزوجین ' ۱۵۴ -

حرمت مصاہرت ' ۱۵۲ -

عدت ' ۱۵۳ - ۱۵۴ -

متارکت ' ۱۵۴ -

۴۰ ' ۱۵۲ -

نسب اولاد ' ۱۵۲ -

- وکیل نکاح ' ۱۰۶ -
 احناف اور شافعیہ میں اختلاف ' ۱۰۵ -
 تجزیہ ' ۱۰۶ -
 مناسب نقطہ نظر ' ۱۰۷ -
 ولایت نکاح ' ۳۰ ' ۲۱۳ - ۲۲۳ -
 احناف کا نقطہ نظر ' ۲۲۳ -
 امام شافعی کا قول ' ۲۲۵ -
 امام مالک کا قول ' ۲۲۵ -
 آیات قرآنی و احادیث ' ۲۱۳ -
 شرائط ' ۲۱۹ -
 شیعہ مسلک ' ۲۲۵ -
 قریب تر ولی کی موجودگی میں بعید تر ولی
 کا حق ' ۳۲ ' ۲۲۶ -
 قریب تر ولی کی موجودگی میں بعید تر ولی کے
 کیے ہوئے نکاح کا اثر ' ۳۲ ' ۲۲۶ ' ۲۲۹ -
 قانون نافذ الوقت ' ۲۲۰ -
 کب ساقط ہوگا ' حق ولایت ' ۳۳ ' ۲۷۲ -
 ہم درجہ اولیاء کی صورت میں ایک ولی کے
 نکاح کر دینے کا اثر ' ۲۲۹ -

- موظا امام مالک ' ۱۸۸ -
 ہدایہ ' ۱۸۶ -
 منکوحہ غیر سے ' ۳۹ ' ۱۷۸ - ۱۸۰ -
 امام رازی کا نقطہ نظر ' ۱۷۹ -
 ائمہ اربعہ کی رائے ' ۱۷۹ -
 شرعی حکم ' ۱۸۰ -
 نکاح موقت ' ۳۰ ' ۲۰۹ -
 امام زفر کی رائے ' ۲۱۰ -
 تعریف ' ۲۰۹ -
 نابالغ کا نکاح ' ۳۰ ' ۲۱۳ -
 ابن شبرمہ اور قاضی ابوبکر الاصم کا نقطہ
 نظر ' ۲۱۳ -
 ائمہ اربعہ اور شیعہ فرقہ کا اتفاق رائے '
 ۲۱۳ -
 تحدید ' تحت قانون نافذ الوقت ' ۲۱۷ -
 ترمیم کی سفارش ' ۲۱۸ -
 جواز (مثالیں) ' ۲۱۵ - ۲۱۶ -
 مذہبی اور سماجی حیثیت ' ۲۱۷ -

شخصیات و مقامات

تہار کردہ : قاری منیر احمد

ام سلمی : ۹۸	ابراہیم : ۲۳۸، ۶۵
امیر علی : ۱۵۰، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴	ابن حزم : ۸۹
امیرن : ۲۵۵	ابن رشد : ۸۱، ۸۳
انگلستان : ۲۳۵	ابن شہاب زہری : ۱۸۱، ۱۸۵، ۱۹۳، ۲۹۱
اودھ : ۱۶۸	ابن شبرمہ : ۲۱۳
اوزاعی (امام) : ۲۰۳	ابن عباس : ۶۶، ۶۸، ۶۹، ۸۲، ۸۴، ۱۱۴، ۱۹۳، ۱۹۶
ایران : ۲۰۶	ابن عمر : ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۹۳، ۱۹۳
باغ سنگھ : ۱۸۴	ابن قاسم : ۸۱
باقر (امام) : ۷۱	ابن القیم : ۱۹۵
بخت می می : ۱۸۴	ابن مہران : ۶۵
بدن شیخ : ۱۰۶	ابو اسحاق شاملہ : ۲۹۶
بدهو : ۲۵۳	ابو الاعلیٰ مودودی، سید : ۱۳۹
بدیع الزمان (جشس) : ۲۵۴، ۲۵۶	ابوبکر الاصم : ۲۱۳
برہان الدین علی ابن ابی بکر المرغینانی : ۱۲۱	ابوبکر جصاص (امام) : ۶۵، ۶۸، ۱۶۹
بغداد : ۸۳	ابوبکر صدیق (حضرت) : ۲۳۷
بمبئی : ۱۶۷، ۱۶۸، ۳۰۲	ابوالجلاس بن منبہ : ۱۸۵
بیلی : ۱۵۰، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴	ابوجعفر : ۲۳۹
بہتلی : ۲۶۹	ابوالحسن کرخی (امام) : ۲۶۹
پاکستان : ۱۹۹، ۲۱۸، ۲۵۳، ۲۵۵، ۲۵۶	ابوحنیفہ (امام) : ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۹۳، ۹۴، ۹۸
پٹنہ : ۱۴۶، ۱۴۵	۱۱۲، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۲۹، ۱۵۸، ۱۸۶
پنا لال : ۱۴۶، ۱۴۵	۲۰۱، ۲۰۳، ۲۲۴، ۲۲۲، ۲۳۳، ۲۳۵، ۲۶۶
تاج می : ۱۶۷	۲۹۶، ۲۴۰
تبوک : ۲۱۱	ابو سعید بن منبہ : ۱۸۵
ترمذی : ۲۱۱	ابو عبد اللہ بن بطلہ : ۲۹۶
تیونس : ۱۳۰، ۳۰۲	ابو ہریرہ (حضرت) : ۸۸، ۱۴۲
جابر : ۲۰۹	ابویوسف (امام) : ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۱۱۲، ۱۱۶، ۱۲۸
جصاص : ابوبکر جصاص	۲۰۱، ۲۰۳، ۲۳۱، ۲۳۵، ۲۶۶، ۲۴۰، ۲۹۴
جمیل بن الحسن : ۹۰	۳۱۵
چھنڈو : ۱۸۴	ابی سلمہ ابن عبدالرحمن : ۹۴
حبیب خان : ۲۵۴، ۲۵۸	احسان حسن : ۱۴۶، ۱۴۵
حذیفہ بن الیمان : ۶۵، ۷۰، ۲۱۸	احمد بن حنبل (امام) : ۶۳، ۱۲۸، ۲۰۳، ۲۹۶، ۳۲۱، ۳۲۳
الحسن : ۶۵	الہ آباد : ۲۵۳، ۲۵۴
حسن بصری : ۶۸	افہ بخش : ۲۵۵
	افہ دی : ۸۳

۳۴۲ حسن بن زیاد <۹

حسین بی بی : ۱۸۷

حماد ابن ابی سلیمان : ۲۶۹

خازنی : ۲۰۹

خضر النساء : ۱۶۷

خوشنما خاتون : ۵۸

حیر : ۲۱۱

دار قطنی : ۲۹۱، ۳۱۹

دلود بن علی الظاہری : ۱۹۵

ڈھاکہ : ۳۰۲

رازی (امام) : ۱۶۳، ۱۷۹

رحمن، ایس اے، (جشن) : ۲۵۳

رحیمہ بی بی : ۲۵۳

رشید تقی : ۱۸۵

رفیع الدین : ۳۰۲

رورو : ۱۸۷

زہیر : ۲۱۵

زہیر بن عوام : ۱۹۵

زفر (امام) : << ۲۱۲، ۲۲۷

زید بن ثابت : ۲۹۱

سالم بن عبد اللہ : ۸۳

سرخسی (امام) : <۳ <۶ <۷، ۱۶۵، ۱۶۸، ۲۱۶، ۲۳۷

۲۳۸، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۵۱

سید بن مسیب : ۶۸، ۸۲، ۸۲، ۱۸۵، ۱۹۱

سفیان ثوری : ۲۰۳

سلیمان بن موسی : ۸۹

سلیمان بن یسار : ۱۸۵، ۸۳

سکینہ : ۱۸۳

سلبہ : ۳۰۲، ۵۷

شافعی (امام) : << ۶۳، << ۶۹، ۸۳، ۸۵، ۸۷، ۸۸، ۹۲، ۹۳

۱۰۶، ۱۰۷، ۱۱۲، ۱۱۶، ۱۱۶، ۱۲۶، ۱۲۸، ۲۰۱

۲۲۵، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۶۹، ۲۸۳، ۲۸۳

۲۸۶، ۲۹۶، ۳۱۹، ۳۲۱، ۳۲۳

شام : ۵۶، ۶۵، ۹۰، ۱۲۵، ۱۳۳، ۱۳۹، ۱۹۸، ۳۰۲

شرف النساء : ۱۶۷

شعبی : ۶۵

شفیع اللہ : ۲۵۳

شیخ ابن ہمام : ۱۳۷

صالح بی بی : ۳۰۲

طاؤس : ۱۹۵، ۲۱۰

طحاری : ۳۱۹

طفیل احمد : ۲۵۳، ۲۵۳

طلحہ بن عبد اللہ : ۱۸۵، ۶۵

طیب جی : ۱۸۳

عائشہ (حضرت) : <۸، <۸، <۹، <۹، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۳۳

۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۳۱۹

عبدالرحمن : ۱۸۵، ۱۸۶

عبد الرحمن (سر نواب) : ۱۶۶، ۱۷۵، ۲۰۲

عبد الرحمن ابن ابوبکر : ۹۰

عبدالرحمن بن عوف : ۱۹۵، ۲۶۹

عبدالرحمن الجزیری : ۲۶۷

عبدالرحیم (سر) : ۱۶۶

عبد القادر : ۵۷، ۳۰۲

عبد اللہ : ۲۱۵

عبد اللہ بن حامد : ۲۹۶

عبد اللہ بن حسن : ۲۱۵

عبد اللہ بن عباس ابن عباس

عبید ابن عمیر : ۲۶۹

عبد اللہ بن عمر : ۲۶۹، ابن عمر

عبد اللہ بن مسعود : ۱۹۳، ۲۱۵، ۲۶۹، ۲۸۵، ۲۸۶

عثمان (حضرت) : <۶، <۷، <۸، ۱۸۵، ۱۹۱، ۲۰۹، ۲۱۲

۲۵۳، ۲۶۸، ۲۹۱، ۳۱۹

عراق : ۱۱۳، ۱۳۹، ۱۳۰، ۲۰۶

عرفان الدین : ۱۰۶

عزیز النساء : ۱۶۷

عطاء : ۲۱۰

عکرمہ : ۱۹۵

علاؤالدین : ۲۵۷

علاؤ الدین ابی بکر بن مسعود (امام) : <<

فہرست مندرجات

۱	بیش لفظ اشاعت سوم
۱	پیش لفظ ، عالیجناب جسٹس ایس۔ اے۔ رحمن
۳	دیباچہ ، ڈاکٹر فضل الرحمن
۶	مقدمہ ، تنزیل الرحمن
۲۹	قانون ازدواج (نکاح ، سہر ، لفقہ) متن دلععات ۱ تا ۹۲

شرح قانون نکاح

صفحہ		صفحہ	پہلا باب - ابتدائی
۱۰۷	۱۳- ایجاب و قبول کے الفاظ	۵۵	۱- نام
۱۰۹	۱۴- ایجاب و قبول کے صیغے	۵۵	۲- اطلاق
۱۱۰	۱۵- ایجاب و قبول میں تطابق	۵۵	۳- مسلمان کی تعریف
۱۱۰	۱۶- جواز نکاح	۵۶	۴- تعریف نکاح
۱۳۱	۱۷- نکاح کی رجسٹری		دوسرا باب - مختلف فرقوں اور مذاہب کے درمیان نکاح
۱۳۴	۱۸- تعدد ازدواج		۵- مسلمان فرقوں میں نکاح
	چوتھا باب - صحیح ، فاسد اور باطل نکاح		۶- مختلف فرقوں سے متعلق ہونے کی صورت میں زوجین کے حقوق و فرائض کا تعین
۱۳۹	۱۹- نکاح صحیح	۶۱	۷- کتابیہ سے نکاح
۱۳۹	۲۰- نکاح صحیح کے اثرات		تیسرا باب - العقاد اور جواز نکاح
۱۵۰	۲۱- نکاح فاسد		۸- اہلیت نکاح
۱۵۱	۲۲- نکاح فاسد کے اثرات		۹- العقاد نکاح
۱۵۳	۲۳- نکاح باطل	۷۵	۱۰- قاضی کی ضرورت
۱۵۳	۲۴- نکاح باطل کے اثرات	۱۰۲	۱۱- ایجاب و قبول زبانی یا تحریری
	۲۵- ماؤں ، بیٹیوں ، بہنوں ، بھویوں ، خالوں ، بہتجیوں اور بھانجیوں سے نکاح	۱۰۳	۱۲- ایجاب و قبول اصالتاً یا وکالتاً
۱۵۵		۱۰۳	

مجموعہ قوانین اسلام

صفحہ	صفحہ
۲۲۹	۲۶- رضاعی ماؤں، بہنوں سے نکاح
۲۲۹	۲۷- ماس سے نکاح
	۲۸- موٹیلی بیٹیوں سے نکاح
	۲۹- حقیقی بیٹیوں کی بیویوں سے نکاح
	۳۰- اجتماع خواہرین
	۳۱- ایسی دو قرابت دار عورتوں کا نکاح میں اجتماع جن کا باہم نکاح حرام ہو
	۳۲- مشرکہ سے نکاح
	۳۳- غیر مسلم سے نکاح
	۳۴- منکوحہ غیر سے نکاح
	۳۵- چار بیویوں کی موجودگی میں پانچواں نکاح
	۳۶- معتدہ غیر سے نکاح
	۳۷- مطلقہ ثلاثہ سے نکاح
	۳۸- حاملہ ثابت النسل سے نکاح
	۳۹- زالیہ کی ماں اور بیٹی سے نکاح
	۴۰- متعہ
	۴۱- نکاح موقت
	۴۲- نکاح دیوانی
	پانچواں باب - ولایت نکاح
	۴۳- نابالغ کا نکاح
	۴۴- ولی نکاح
	۴۵- حق ولایت
	۴۶- فریب ولی کی موجودگی میں بعید تر ولی کی ولایت
	۴۷- ولی اقرب کی موجودگی میں ولی ابعد کا کیا ہوا نکاح
	۴۸- دو م درجہ اولیاء کی صورت میں ایک کے نکاح کر دینے کا اثر
	چھٹا باب - خیار بلوغ
	۴۹- خیار بلوغ کی تعریف
	۵۰- خیار بلوغ کا حق
	۵۱- فسخ نکاح کی ڈگری
	۵۲- خیار بلوغ کے استعمال کا وقت
	۵۳- خیار بلوغ کا حق کب ساقط ہو جائے گا
	۵۴- ثیبہ کا خیار بلوغ
	ساتواں باب - کفیات
	۵۵- کفو کی تعریف
	۵۶- کفیات کا اطلاق
	۵۷- امور کفیات
	۵۸- کفیات کا لحاظ
	۵۹- عدم کفیات اور صحت نکاح
	۶۰- ولی کا حق اعتراض کب ساقط ہوگا
	۶۱- عدم کفیات کی بناء پر تفریق
	۶۲- عدم کفیات کی بناء پر تفریق کا اثر
	آٹھواں باب - خلوت صحیحہ
	۶۳- خلوت صحیحہ کی تعریف
	۶۴- خلوت صحیحہ کا اثر
	۶۵- خلوت فاسدہ
	۶۶- خلوت فاسدہ کا اثر

شرح قانون مہر

صفحہ	نواں باب - مہر	صفحہ
۲۹۲	۶۷- مہر کی تعریف	۲۷۹
۲۹۳	۶۸- مہر کی مقدار	۲۸۰
۲۹۴	۶۹- اقسام مہر	۲۸۱
۲۹۵	۷۰- لزوم مہر	۲۸۲
۲۹۶	۷۱- مہر کی دسہ داری	۲۸۳
۲۹۷	۷۲- نوبت نکاح قسم مہر کی عدم صراحت	۲۸۴
۲۹۸	۷۳- نکاح کی صورت میں مہر کا وجوب	۲۸۵
۲۹۹	۷۴- خلوت صحیحہ کے بغیر نکاح یا نسخ	۲۸۶
۳۰۰	۷۵- نکاح کی صورت میں مہر کا وجوب	۲۸۷
۳۰۱	۷۶- خلوت صحیحہ کے بعد مہر کا وجوب	۲۸۸
۳۰۲	۷۷- خلوت صحیحہ کے بعد مہر کا وجوب	۲۸۹
۳۰۳	۷۸- خلوت صحیحہ کے بعد مہر کا وجوب	۲۹۰
۳۰۴	۷۹- خلوت صحیحہ کے بعد مہر کا وجوب	۲۹۱
۳۰۵	۸۰- خلوت صحیحہ کے بعد مہر کا وجوب	۲۹۲
۳۰۶	۸۱- خلوت صحیحہ کے بعد مہر کا وجوب	۲۹۳
۳۰۷	۸۲- خلوت صحیحہ کے بعد مہر کا وجوب	۲۹۴
۳۰۸	۸۳- خلوت صحیحہ کے بعد مہر کا وجوب	۲۹۵
۳۰۹	۸۴- خلوت صحیحہ کے بعد مہر کا وجوب	۲۹۶
۳۱۰	۸۵- خلوت صحیحہ کے بعد مہر کا وجوب	۲۹۷
۳۱۱	۸۶- خلوت صحیحہ کے بعد مہر کا وجوب	۲۹۸
۳۱۲	۸۷- خلوت صحیحہ کے بعد مہر کا وجوب	۲۹۹
۳۱۳	۸۸- خلوت صحیحہ کے بعد مہر کا وجوب	۳۰۰
۳۱۴	۸۹- خلوت صحیحہ کے بعد مہر کا وجوب	۳۰۱
۳۱۵	۹۰- خلوت صحیحہ کے بعد مہر کا وجوب	۳۰۲
۳۱۶	۹۱- خلوت صحیحہ کے بعد مہر کا وجوب	۳۰۳
۳۱۷	۹۲- خلوت صحیحہ کے بعد مہر کا وجوب	۳۰۴

شرح قانون نفقہ

صفحہ	دسواں باب - نفقہ	صفحہ
۳۲۰	۸۳- نفقہ کی تعریف	۳۰۷
۳۲۱	۸۴- نفقہ کی سرعی حیثیت	۳۰۸
۳۲۲	۸۵- شرائط وجوب	۳۱۰
۳۲۳	۸۶- نفقہ کا عدم وجوب	۳۱۲
۳۲۴	۸۷- نفقہ کی مقدار	۳۲۰
۳۲۵	۸۸- گزشتہ زمانے کا نفقہ	۳۲۱
۳۲۶	۸۹- مرد کے عیاب میں نفقہ	۳۲۲
۳۲۷	۹۰- قیود بسبب عدم ادائیگی نفقہ	۳۲۳
۳۲۸	۹۱- ابراء نفقہ کا معاہدہ	۳۲۴
۳۲۹	۹۲- تفریق بر بنائے تنگدستی	۳۲۵

ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد کی علمی و تحقیقی کاوشوں میں ایک اہم کوشش یہ ہے کہ اس نے اسلامی قوانین کا ایک مجموعہ اردو میں مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ اب تک اس مجموعے کی چھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ اس کتاب کی پذیرائی قانون دان طبقے نے ہی نہیں دینی حلقوں نے بھی کی، جو اس بات سے واضح ہے کہ اس مجموعے کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

جلد اول:	قوانین نکاح، مہر اور نفقہ زوجہ سے متعلق ہے۔
جلد دوم:	قوانین طلاق، خلع و مبارات، تفریق اور عدت پر مشتمل ہے۔
جلد سوم:	قوانین نسب اولاد و حضانت، نفقہ اولاد و آباء، ہیہ اور وقف پر مشتمل ہے۔
جلد چہارم:	قانون وصیت سے متعلق ہے۔
جلد پنجم:	قانون وراثت اور اس کی جزئیات پر مشتمل ہے۔
جلد ششم:	قانون شفعہ اور اس کے متعلقات سے متعلق ہے۔

ادارہ تحقیقات اسلامی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی۔ اسلام آباد